اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا
مدبرانہ دفاع
تصنیف
مولانا محمد بشیر احمد حامد حصاری
تلمیذ رشید:
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
مکتبۃ الفیض
۵۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا
مدبرانہ دفاع
تصنیف
مولانا محمد بشیر احمد حامد حصاری
تلمیذ رشید
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
مکتبۃ الفیض
۵ ۔ سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

سبائی سازش اور

اصحابِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُدبّرانہ دفاع
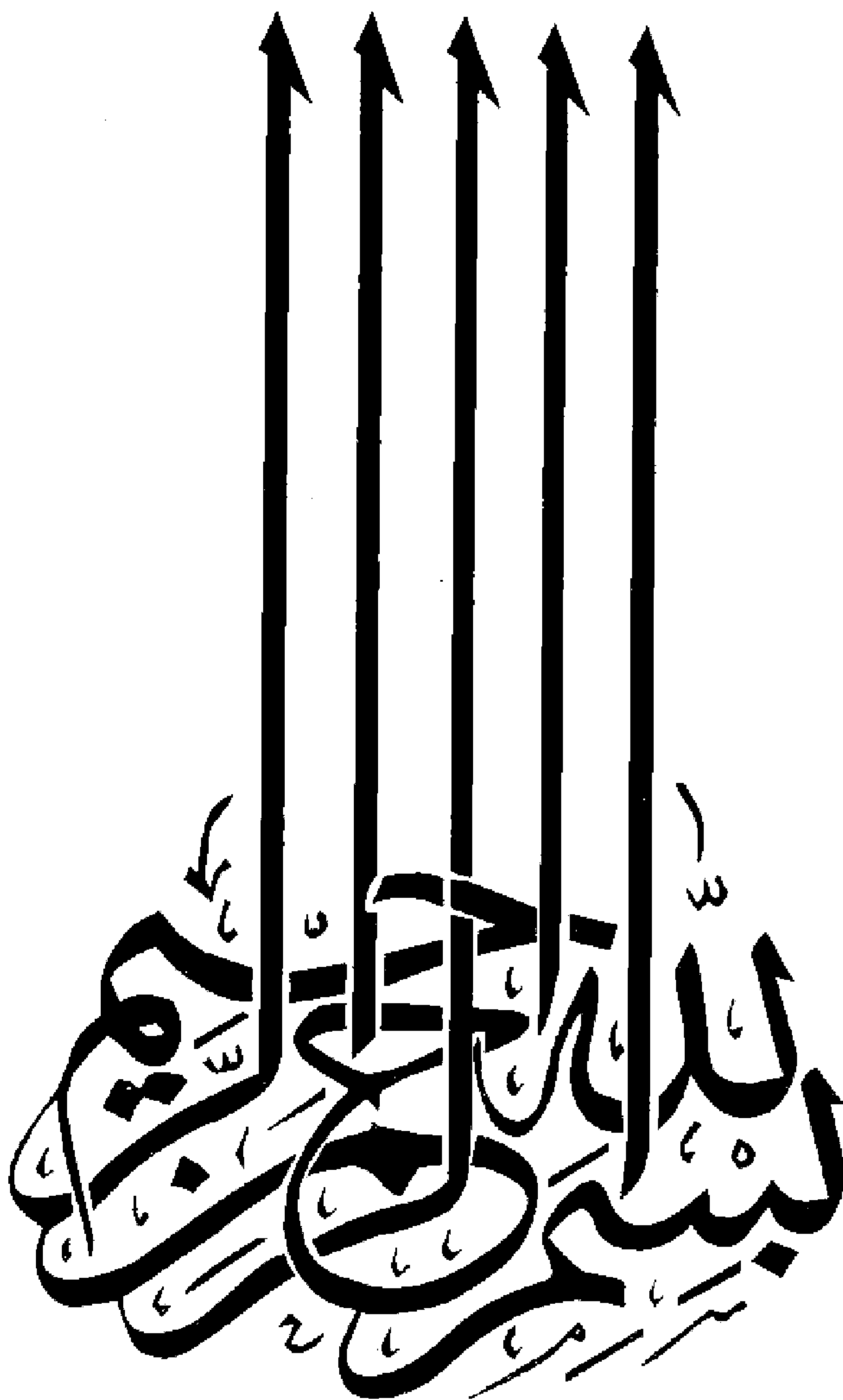
مصنف

مولانا محمد بشیر احمد حامد حصاری

تلمیذ رشید: حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبۃ الفیض ۵۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37322456,0307-4037113
0305-7544237

نام کتاب: اصحابِ محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع

مصنف: مولانا محمد بشیر احمد حامد حصاری

تاریخ طباعت سوم: اگست 2010 بمطابق شعبان ۱۴۳۱ھ

فارمیٹنگ وسرورق: حافظ ناصر محمود

ناشر: مکتبۃ الفیض

قیمت: 250

- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ الحرمین غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ شہید اسلام مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد
- ☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
- ☆ مکتبہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فہرست

انتساب

حبیبِ الأمّۃ نواسہ سید الانبیاء ﷺ جگر گوشہ سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ عنہا حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام جن کے بے مثال مدبرانہ کارناموں نے امت کو سبائیت کے نرغے سے نکالا، اور جنھوں نے سبائیت کی کمر پر ایسی لات رسید کی کہ منہ کے بل گری اور دوبارہ ایک صدی تک کم از کم اٹھنے کی سکت نہیں پائی۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہم العالی کے تأثرات

بعد الحمد والصلوۃ وارسال التسلیمات والتحیات فقیر ابوالخلیل
خان محمد عفی عنہ کی طرف سے

محترم ومکرم!

جناب مولانا بشیر احمد حامد صاحب مدظلہ کی کتاب اصحاب محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع کی فہرست مضامین کا مطالعہ کیا مولانا کی یہ علمی کاوش ہے جو کہ آج کی نوجوان نسل کے لئے ایک معلوماتی کتاب ہے اور اہل سنت والجماعت کی صحیح ترجمانی کی ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مولانا کی اس کاوش کو قبول فرما کر عامۃ المسلمین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

والسلام

فقیر خان محمد عفی عنہ
۶ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مولانا بشیر احمد حصاروی صاحب

گزارش یہ ہے کہ بندہ احقر ساڑھے تین سال سے صاحب فراش ہے جب کہ آپ تشریف نہیں لائے اور آپ کی کتاب سبائی سازش کی طوفانی یلغار اور اصحاب محمد کا مدبرانہ دفاع میری نظروں سے گزری جب کہ میں اس کو مکمل طور پر پڑھ نہیں سکا علیل ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اس کتاب کا نام ہی اس کے عمدہ ہونے کی حجت ہے اور اس کی اہمیت اس کے نام سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کتاب کے اندر معوذتین کی جو صورت آپ نے بیان کی بہت عمدہ ہے اور جنگ صفین اور جمل پر پوری صادق آتی ہے اور احقر دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تصانیف اور علم و عمل میں زیادہ سے زیادہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

مفتی عبداللطیف

مفتی و مدرس جامعہ قاسم العلوم

فقیروالی ضلع بہاولنگر

جامعہ فاروقیہ کراچی کے مشہور مجلّہ ماہنامہ الفاروق کا تبصرہ

سبائی سازش کی طوفانی یلغار اور اصحاب محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع

تالیف: مولانا بشیر احمد حامد حصاروی

صفحات: ۳۶۰

ناشر: مکتبۃ الفیض غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

حامد اکیڈمی، میاں ٹاؤن، رحیم یار خان

مشاجرات صحابہ وہ نازک موضوع ہے جس میں کتاب و سنت کی نصوص پر ایمان اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت و محبت کے تقاضوں پر پورا اترتے ہوئے خالص علمی تحقیق کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ بڑے بڑے نام نہاد مفکر اور داعی اس وادی پر خار میں ایسے بھٹکے ہیں کہ وہ اور ان کے پیروکار آج تک اس کے پر پیچ راستوں میں حیران و سرگرداں ہیں اور روز قیامت کا معاملہ تو خدا ہی کو معلوم ہے۔

مصنف نے زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھی ہے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر علمی دیانت، تاریخی تحقیق اور پاس ادب سب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جیسی تحقیق انہوں نے پیش کی ہے اس کی کوئی مثال کم از کم ہماری نظر میں پوری اسلامی لائبریری میں نہیں ملتی۔ کتاب کی سطریں پڑھتے جایئے یوں محسوس ہوگا کہ مصنف موفق من اللہ ہیں جن کو قدرت کی طرف سے ان کانٹوں کو ایک ایک کر کے ان مسلمانوں کے دلوں سے نکال لینے کی توفیق بخشی گئی ہے۔ جو غیر محتاط مصنفین اور ٹھوس علم سے محروم ادیبوں نے بو رکھے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کتب سیّر و تواریخ میں جو روایات ان کے مقام و مرتبے کے منافی ملتی ہیں ان کی عالمانہ گرفت، ان پر سنجیدہ اور متین علمی تنقید، تمام ذخیرہ روایات کو سامنے رکھ کر ان کی تہذیب و تنقیح اور صحیح صورت حال کی حقیقی تصویر کشی اس طور کی گئی ہے کہ دشمنان اسلام

کی فریب کاریوں سے خود بخود واقفیت اور صحابہ کرام سے عقیدت ومحبت میں خود بخود اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ بیداغ کردار اور اصلی سیرت شرح صدر کے ساتھ سامنے آجاتی ہے جس کا مرقع کتاب وسنت نے کھینچا ہے اور جو (اغیار کے پروپیگنڈے سے محفوظ) مسلمانوں کے قلب ودماغ میں جاگزیں ہے۔

تاریخ پر مکمل دسترس اور متعلقہ مواد کے ہمہ گیر احاطے کے علاوہ ایک اور اہم بات بھی اس کتاب کی خصوصیت ہے یعنی ادبی اسلوب، مصنف نے اس خالص علمی موضوع پر جس دلچسپ اور دل آویز انداز بیان میں قلم اٹھایا ہے اس سے کتاب کا لطف اور اس کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے۔ ہر روایت کا پس منظر، پیش منظر اور ثمرۂ بحث بیان کرنے میں موضوع پر ان کے قلم کی گرفت پوری طرح قائم رہتی ہے اور قاری ایک مضمون کو شروع کرکے اس کو ختم کیے بغیر کتاب نہیں رکھتا اور جب وہ مضمون ختم کر چکتا ہے تو جہاں اس سے بیش قدر علمی تاریخ سے آگاہی ہوتی ہے وہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت ومحبت کا لازوال اور دنیا وآخرت سنوارنے والا جذبہ بھی اسے نصیب ہو چکا ہوتا ہے۔ کسی مصنف کی اس سے بڑھ کر اور خوش قسمتی وکامیابی کیا ہو سکتی ہے۔

کتاب باطنی کمالات کی طرح ظاہری خوبیوں سے بھی آراستہ ہے۔ ناشرین نے اسے خوبصورت سرورق، مضبوط جلد، اور عمدہ کتابت وکاغذ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ امید ہے اہل علم اس سے عرصے تک اپنے دیدہ ودل کی پیاس بجھاتے رہیں گے۔

مصنف نے مقدمے میں اس موضوع سے متعلق بقیہ عنوانات پر قلم اٹھانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اللہ کرے وہ جلد پورا ہو اور امت مسلمہ کو یہودی سازش کے تحت پھیلائے گئے لٹریچر کے زہر سے شفا نصیب ہو سکے۔ مصنف کی نجات اور روز حساب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرب نصیب ہونے کے لئے یہی ایک کتاب کافی ہے لیکن اگر وہ اس موضوع کی تکمیل کر دیں تو امت پر ان کا احسان ہوگا اللہ تعالی انہیں اس کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین!

تبصرہ ماہنامہ البلاغ

البلاغ

نام کتاب : سبائی سازش کی طوفانی یلغار اور اصحاب محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع

نام مصنف: مولانا بشیر احمد حامد حصاروی

ضخامت : ۳۶۰ صفحات، مناسب طباعت،

ناشر : مکتبۃ الفیض غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

حامد اکیڈمی، میاں ٹاؤن، رحیم یار خان

زیر کتاب مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ایک استفتاء کے پانچ سوالوں میں سے پہلے کا مفصل و مدلل جواب ہے، فاضل مصنف مدظلہم اس نازک اور اہم عنوان پر وسیع مطالعہ رکھتے ہیں جس کی روشنی میں انہوں نے یہ کتاب بڑی محنت سے مرتب فرمائی ہے، تاریخ کی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کے بارے میں جو غیر مستند واقعات منقول ہیں اور جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس جماعت کے بارے میں طرح طرح کی الجھنیں پیدا ہونے لگتی ہیں موصوف نے ان واقعات کے سلسلے میں ایسے اہم اور بنیادی اصول کتاب میں بیان کردیئے ہیں جن کو سامنے رکھنے سے ساری ذہنی الجھن جاتی رہتی ہے۔

اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لئے یہ کاوش بلاشبہ ایک گرانقدر تحفہ ہے، مذکورہ استفتاء کے بقیہ سوالوں پر بھی امید ہے حسب وعدہ سیر حاصل گفتگو فرمائی جائے گی، حق تعالیٰ جلد اس کی بھی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ (ابومعاذ)

ابتدائیہ طبع دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبائی سازش کی طوفانی یلغار
اور اصحاب محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع

چند سال پہلے اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا، کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ محض اللہ ذوالجلال والاکرام کا فضل واحسان ہے اور اس کی طرف سے توفیق اور پھر قبولیت اتنا بڑا انعام ہے کہ میں اس کا جتنا جتنا شکر ادا کروں حق ادا نہیں ہوسکتا، کتاب ایک عرصہ سے ختم تھی لیکن کتاب کی مانگ کا یہ عالم تھا کہ خطوط اور فون کے علاوہ لوگ دور دراز کے علاقوں سے کتاب کی خاطر سفر کر کے رحیم یار خان پہنچتے رہے لیکن میرے پاس بجز وعدۂ فردا کے اور کچھ نہیں تھا۔

پہلا ایڈیشن چونکہ صرف ایک ہزار کی تعداد میں تھا اس لئے وہ زیادہ تر تحفہ تحائف کی مد میں چلا گیا۔ لہٰذا اس کی نکاسی سے اتنے اخراجات واپس نہ آسکے جس سے دوسرے ایڈیشن کی تیاری ممکن ہوسکتی، لہٰذا وعدہ فردا بھی دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ اب اہل خیر میں سے ایک مخلص ساتھی کے خصوصی تعاون سے دوسری طبع ممکن ہوسکی ہے۔ طبع اول کے مقابلہ میں کاغذ، طباعت، اور جلد ہر چیز فائق ہے اور اس وقت کی نسبت مہنگائی بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے لہٰذا ضروری تھا کہ قیمت میں بھی اضافہ ہوجائے۔

نظر ثانی کے دوران بعض جگہ حک واضافہ کی ضرورت پیش آئی اسے پورا کر دیا گیا۔ قابلِ ذکر کسی ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

استفتاء کے باقی چار سوالوں کے جواب کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا، اس کے متعلق احباب کا مسلسل اصرار ہے لیکن عوارضات تکمیل وعدہ میں مانع رہے لیکن احباب کا اصرار اس

حد تک بڑھ گیا کہ میں اپنی تمام دلچسپیاں چھوڑ کر سب سے پہلے اس مسئلہ پر توجہ دوں۔ خواہ باقی مشاغل علمی معطل کیوں نہ کرنے پڑیں۔ امید ہے انشاء اللہ بہت جلد اس موضوع پر کام شروع ہو جائے گا۔ احباب سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے وباللہ التوفیق!

قارئین سے گزارش ہے کہ مطالعہ کے دوران اگر کہیں کوئی اشکال پیش آئے یا کوئی بات مزید وضاحت طلب محسوس ہو یا یہ محسوس ہو کہ کوئی قابل ذکر بات ذکر میں نہیں آسکی یا ذہن میں کوئی نیا سوال ابھرے یا اس بارے کوئی مفید مشورہ آپ کے ذہن میں ہو تو براہ کرم تحریراً مطلع فرمائیں۔ آپ کی طرف سے ایسی کسی اطلاع کو احسان کا درجہ حاصل ہوگا۔

طبع اول میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ کتاب کا آخری باب ''صحابہ معصوم نہیں تھے'' یہ ناقص ہے، اگلی طباعت میں اسے مکمل کیا جائے گا جس سے مراد یہ تھا کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن پر الزامات کا جواب اس میں شامل کیا جائے گا لیکن الزامات کی نوعیت معلوم کرنے لئے جب تفہیم القرآن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ الزامات معمولی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ جناب مودودی صاحب نے ایک متعصب رافضی کی طرح حبیبات سید السادات ﷺ پر جی بھر کر تبرا کیا ہے۔ لہٰذا جب جواب لکھنا شروع کیا تو وہ مستقل کتاب تیار ہوگئی۔ لہٰذا یہی مناسب سمجھا گیا کہ اسے الگ سے کتابی صورت میں شائع کیا جائے، چنانچہ ''حبیبات سید السادات ﷺ پر مودودی صاحب کے الزامات کی حقیقت'' کے نام سے مستقل کتاب چھپ کر آ گئی ہے۔ جو حامد اکیڈمی میاں ٹاؤن رحیم یار خان اور مکتبۃ الفیض ۵۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پر دستیاب ہے۔

ایک ضروری وضاحت

''اصحاب محمد کا مدبرانہ دفاع'' کا تیسرا ایڈیشن قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے دوسرا ایڈیشن بھی چونکہ محدود تعداد میں چھپا تھا اس لئے بہت جلد نایاب ہوگیا تھا نئی طباعت کے لئے احباب کو انتظار شدید کی زحمت اٹھانی پڑی جس پر تمام احباب سے معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ الحمدللہ ایسا انتظام ہوگیا ہے کہ ایسی نوبت ان شاء اللہ پھر نہیں آئے گی۔ کتاب کو اہل علم احباب میں جو پذیرائی حاصل ہوئی یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل وانعام ہے، اس پر میں اللہ کا جتنا شکرادا کروں کم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کی دلیل ہے اور میرے شیخ مکرم حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا صلہ ہے۔

لیکن ادھر یہ بھی ہوا کہ مجھے بتایا گیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس کتاب سے خارجیت کی بُو آتی ہے! میں نے حضرت موصوف کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تا کہ حضرت موصوف اُس غلطی کی نشاندہی فرمائیں جو کتاب میں خارجیت کی بو بکھیر رہی ہے تا کہ اس غلطی کا ازالہ کر کے خارجیت کی بوختم کی جائے! میرا وہ خط موجودہ اشاعت میں شاملِ کتاب ہے چھ سات ماہ طویل انتظار کے بعد میں نے دوسرا عریضہ ارسال کیا، لیکن جب دوبارہ طویل انتظار کی زحمت ناامیدی میں بدل گئی تو جامعہ خیر المدارس میں دورہ حدیث میں زیر تعلیم رحیم یار خان کے ایک طالب علم کے ذمہ لگایا کہ وہ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر یاددہانی کرائیں۔ انہوں نے فون پہ بتایا کہ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں مطالعہ کر رہا ہوں پھر بتاؤں گا۔ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ اب میں اپنی غلطی پر مطلع ہو کر اس کی اصلاح کر سکوں گا، اور میں نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت مفتی صاحب جو کچھ لکھیں گے وہ تحریر کتاب کا حصہ بنے گی، لیکن ''بسا آرزو کہ خاک شد'' نومبر 2007ء میں تبلیغی اجتماع سے واپسی پر تین ساتھی میرے ہمراہ تھے ہم جامعہ خیر المدارس میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مدعا عرض کیا، حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے: کتاب تو میں نے ابھی پڑھی نہیں! ہم نے عرض کیا حضرت! پھر خارجیت کی بُو اس کتاب سے کیسے اُبھری؟ فرمانے لگے دولڑکے میرے پاس آئے تھے، اُن کی کہیں آپ سے

گفتگو ہوئی تھی وہ حضرت مولانا مظہر حسین رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔انہوں نے آپ کے متعلق کچھ باتیں بتائی تھیں! میں نے عرض کیا، وہ لڑکے کون تھے؟ کب کی بات ہے؟ مجھے وہ کہاں ملے تھے؟ وہ کیا گفتگو تھی؟ مفتی صاحب کو کچھ یاد نہیں تھا، نہ مجھے کچھ یاد تھا۔لڑکوں کی طرف سے کہی گئی بعض باتیں مفتی صاحب نے مجھے بتائیں جن میں سے مجھے کسی ایک سے بھی اتفاق نہیں تھا۔بہر حال طویل گفتگو کے بعد حضرت مفتی صاحب نے وعدہ فرمایا کہ میں کتاب کا مطالعہ کروں گا اور پھر اپنی رائے دوں گا۔یہ وعدہ لے کر ہم نے حضرت مفتی صاحب سے رخصت لی۔اور تب سے اب تک، عرصہ اڑھائی سال ہونے والے ہیں جب سے ہم حضرت مفتی صاحب کی رائے کے لئے چشم براہ ہیں، حضرت مفتی صاحب جو رائے بھی دیں گے وہ کتاب کی زینت قرار پائے گی! وباللہ التوفیق!

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی کے نام بندۂ ناچیز کا مکتوب

مولانا بشیر احمد حامد حصاری

سابق ڈسٹرکٹ خطیب اوقاف

محترم المقام گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب! دامت برکاتہم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بندۂ خاکسار بشیر احمد حامد حصاری عرض گزار ہے کہ بندہ کی تصنیف ''سبائی سازش اور اصحاب محمد ﷺ کا مدبرانہ دفاع'' جو امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر پیش آمدہ حالات کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بارے میں سنا ہے آپ کی رائے یہ ہے کہ ''اس کتاب سے خارجیت کی بُو آتی ہے'' اللہ تعالیٰ آپ کے علم وفضل میں مزید در مزید اضافہ فرمائے اور برکت فرمائے! میں ناچیز اور نالائق انسان خارجیت کی کسی ادنیٰ پرچھائیں سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگتا ہوں! آپ کی رائے سن کر مجھے یہ خوشی ہوئی کہ آپ نے میری کتاب کا مطالعہ فرمایا ہے۔ دوسری خوشی یہ ہوئی کہ آپ نے انتہائی خطرناک غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس پر مطلع ہونے کے بعد میری اصلاح بھی ہوگی اور آئندہ بھی ایسی کسی غلطی سے بچ سکوں گا، اور یہ بھی بتاتا چلوں کہ میری طبیعت یہ ہے جب کوئی میری غلطی کی نشان دہی کرے۔ تو میں بلاتامل غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور یہ بعد میں دیکھتا ہوں کہ غلطی واقعۃً تھی یا میری کسی نالائقی پر میرے بھائی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور غلطی معلوم ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے غلطی سے بچنے کا ذریعہ پیدا فرمایا۔ لہٰذا اب مجھے شدت سے انتظار رہے گا کہ جواباً آپ کا گرامی نامہ کب موصول ہوتا ہے اور کب میں اپنی غلطی پر مطلع ہو کر اس پر اللہ سے استغفار کر سکوں گا!

اور میں یہ بھی عرض کروں کہ میں نے فتنوں کے بہت چرکے سہے ہیں خصوصاً میری زندگی کے منحوس ترین لمحات وہ تھے جو مودودی الحاد کی حمایت وخدمت میں برباد ہوئے اور ان

دنوں غیر مقلدیت کے لئے بھی میں بہت نرم گوشہ رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے مجھے ہدایت نصیب فرمائی اور جہنم کے رستے سے ہٹا کر صراطِ مستقیم پر گامزن کیا! لہٰذا اب میں پورے شرح صدر کے ساتھ علماء دیوبند کا معتقد ہوں بلکہ غالی معتقد ہوں اور شاید یہ ان اکابر اساتذہ کی دعاؤں کی برکت ہے جن سے مجھے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے تلمذ پر مجھے فخر ہے اور ناز ہے۔ وہ یہ اکابر تھے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالرحمان کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمان کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا نافع گل رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری رحمۃ اللہ علیہ اور خصوصاً مرے مربی و مشفق استاذ المحدثین حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ۔ مودودی فتنے کی سب سے بڑی نحوست جس نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا وہ یہ تھی کہ اپنے اساتذہ و شیوخ سے رابطے میں نے ختم کر دیئے تھے۔ سوا حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے، بہر حال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسکی رحمت نے میری دستگیری فرمائی اور میں جہنم میں اوندھے منہ گرنے سے بچ گیا۔

اس عریضے کے ساتھ اپنی کتاب بھی ہدیہ خدمت کر رہا ہوں اور آئندہ جو کتاب چھپے گی ہدیۂ خدمت کروں گا تا کہ میری اصلاح ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہے۔ اور یہ بھی عرض کر دوں کہ میں کسی عالمانہ زعم میں مبتلا نہیں ہوں میری حیثیت ایک ادنیٰ طالب علم سے زیادہ نہیں۔ میرے خوش گمان دوست مجھے جب شیخ الحدیث یا شیخ التفسیر کہتے ہیں تو یقین جانئے کہ سر سے پاؤں تک کانپ جاتا ہوں اور بعض دفعہ بے ساختہ آنسو اُمڈ آتے ہیں لیکن ساتھ منع کرنے کے باوجود اپنی خوش گمانی سے باز نہیں آتے......

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہونگے آپ کی نیک دعاؤں کا محتاج اور متمنی ہوں

والسلام

مولانا بشیر احمد حصاری

شیخ الحدیث جامعہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رحیم یار خان

میرا عقیدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصحاب محمد ﷺ

تمام صحابہ بلا استثناء افضل الامۃ ہیں لیکن باہم ان کے مراتب ودرجات مختلف ہیں۔

① خلفاء راشدین حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

② باہم ان کی فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے ان کی خلافت آئی ہے۔

③ عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ حضرت عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص حضرت زبیر حضرت طلحہ حضرت ابوعبیدہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم خلفاء اربعہ کے بعد سب سے افضل ہیں۔

④ عشرہ مبشرہ کے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

⑤ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اصحاب بیعت رضوان رضی اللہ عنہم باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

⑥ اس کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو حدیبیہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کی وہ بعد والے صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

⑦ فتح مکہ کے بعد خاتم النبیین ﷺ نے اعلان فرمایا "لا ھجرۃ بعد الفتح "فتح کے بعد ہجرت نہیں۔ یعنی ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اب اگر کوئی ہجرت کرلے گا وہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے خوش نصیب گروہ مہاجرین میں شمولیت کا اعزاز حاصل نہیں کرسکتا، آپ ﷺ کے اس اعلان نے یہ حقیقت واضح کردی کہ مہاجرین و انصار علی الاطلاق باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضل ہیں۔

⑧ فتح مکہ کے بعد اللہ تعالے نے رضی اللہ تعالی عنہ کا انعام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے اس شرط کے ساتھ مشروط کردیا کہ وہ مہاجرین وانصار کی نہایت خوبصورتی سے اتباع کریں گویا فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رضوان الہی کا قابل صد فخر اعزاز

مہاجرین و انصار کی تابعیت کے صلہ میں ملا ہے اور رضوانِ الٰہی کا اعزاز اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم علی الاطلاق تمام امت سے افضل ہیں۔

(۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑی شان کے صحابی ہیں ذی فضائل وذی مناقب ہیں کفر کی شکست وریخت میں اسلام کے غلبہ واستحکام میں ان کے بڑے کارنامے ہیں اور کاتب وحی ہیں، لیکن جب مقابلہ حضرت علی خلیفۃ النبی خلیفۃ الراشد رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہو تو پھر مثال آفتاب نصف النہار اور ٹمٹماتے دیئے کی مثال ہے۔

(۱۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافت راشدہ نہیں ہے بلکہ ان کی حکومت اسلامیہ عادلہ حکومت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ عادل حکمران ہیں خلیفۃ الراشد نہیں ہیں۔

(۱۱) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مؤقف عزیمت کا مؤقف تھا اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم اقدام نہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے وہ عافیت کا موقف اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ عافیت کا موقف صحیح اور صائب موقف ہے لیکن یہ موقف ان کے لئے ہے جو عزیمت کے موقف پر نہ جم سکتے ہوں۔ لیکن جنہیں اللہ نے حوصلے زیادہ بخشے ہوں وہ عافیت کے موقف پر قناعت نہیں کر سکتے اور عزیمت پر عمل پیرا ہونا مقربین کا نصیب ہے اور امت کو کج راہی پر جانے سے بچا لینا آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا۔ رہی یہ بات کہ اپنے اس مقصدِ عالی کے حصول کی خاطر آپ رضی اللہ عنہ کا لائحہ عمل کیا ہوتا؟ یہ تب معلوم ہوتا جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہدف پر پہنچ جاتے۔ البتہ یہ بات ہم پورے یقین اور وثوق سے کہتے ہیں کہ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے ہدف پر پہنچتے تو آپ رضی اللہ عنہ کو وہی کچھ کرنا تھا جو فتنوں کے عہدہ برآ ہوتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کے والد محترم امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے برادرِ بزرگ امیر المؤمنین سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کیا اور جو وہ کرتے وہی امت کے حق میں خیر وبرکت کا باعث ہوتا۔ اور اسی میں امت کی فلاح تھی۔ مگر افسوس کہ امت کی اس سے حرماں نصیبی ہی امت کا مقدر تھی اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی عزیزٌ رحیم ہے اور اللہ ہی علیمٌ حکیم ہے! عَسٰی اَنْ تکرھوا شیئا فھو خیر لکم وعسی ان تحبو اشیًا فھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون

⑫ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کا ایک طویل مکتوب استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (قصاص عثمان میں شامل کیا گیا ہے یہ خط کسی کی طرف سے یزید کے بارے میں سوالات کا جواب ہے اس مکتوب میں حضرت شیخ الحدیث نے یزید کے بارے میں جو موقف اختیار فرمایا ہے وہ مسلکِ اہل سنت کی صحیح ترجمانی ہے میری دانست میں افراط وتفریط سے بچ کر اس سے بہتر اور معتدل صحیح رائے لانا ممکن نہیں ہے۔

⑬ مندرجہ بالا تحریر میرا عقیدہ ہے اور یہ اس لئے میرا عقیدہ ہے کہ میری دانست میں یہی اسلافِ اہل سنت کا عقیدہ ہے اور یہی علماء دیو بند کا عقیدہ ہے اور علماءِ دیو بند کا عقیدہ ہی حق ہے اور عقیدے کے تعین میں اگر میری دانست کی کسی غلطی کی نشاندہی کی جائے تو مجھے غلطی پر اصرار نہیں ہوگا بلکہ غلطی سے رجوع اور اصلاح کی فکر لاحق ہوگی کیونکہ میں الحمدللہ! ہمہ دانی کے زعم میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ خود کو ایک ادنیٰ طالب علم سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا!

اصحاب محمد کا مدبرانہ دفاع

ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو "اصحاب محمد کا مدبرانہ دفاع" پر یہ اعتراض تھا کہ اس کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ترجیح دی گئی ہے، عرض یہ ہے کہ جہاں تک غلطی کا تعلق ہے میں نے اس سے اپنے آپ کو مبرّا اقرار نہیں دیا بلکہ میں نے کتاب کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ میں نے زیر بحث موضوع پر روایتی اسلوب سے ہٹ کر بات کی ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہو اور تجزیہ و تنقیح میں کہیں ٹھوکر کھائی ہو لہٰذا جو میری غلطی پر مجھے آگاہ کرے گا میں اس کا شکر گزار ہوں گا اور یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا، حضرت مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اگر اپنی زندگی میں مجھے تنبیہ فرمادیتے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ انہیں یہ اشکال باقی نہ رہتا۔

دراصل بات یہ ہے جسے میں نے کتاب میں بھی واضح کیا ہے کہ صفین کے حکایاتی خاکے میں بہت الجھاؤ ہے اور روایتوں میں تضاد ہے جسے میں نے سلجھانے کی اور تضاد ختم کر کے حقیقی صورت حال کو بے نقاب کرنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن الجھی گتھی کو سلجھانے بیٹھو تو سلجھتے سلجھتے بعض دفعہ اس میں نئی الجھن بھی پڑ جایا کرتی ہے اور یہ اشکال شاید اس لئے پیش آیا کہ میں نے طوالت سے دامن بچانے کی کوشش کی، زیر طبع ایڈیشن میں اس مقام کو مزید واضح کر دیا گیا ہے جس سے ان شاء اللہ! یہ اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

امیر المؤمنین خلیفۃ الراشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل محتاجِ بیان نہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حمیدہ صفات جمیلہ اور خصائل فاضلہ صفین کے حکایاتی خاکے کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے جو مکارم و کمالات آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں ودیعت فرمائے تھے فہم و تدبر، حلم و تحمل، شجاعت و جرأت، حزم و احتیاط، ژرف نگاہی و دور اندیشی، صلح و رواداری، عفو و درگذر، فراخ ظرفی و دریا دلی، نصح و خیر خواہی احسان و تقوے صفات کریمہ کے ساتھ صفین کے حکایاتی خاکے کے حوالے کی مثال ایسی ہے جیسے لعلِ بدخشاں کو گندگی کے ڈھیر میں پھینک دیا جائے یہی وجہ ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کم ظرف نادان جب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کو صفین کے حکایاتی

خاکے کے آئینے میں دیکھتے ہیں تو انہیں آپ ﷺ کی شخصیت میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں، حالانکہ ان کی سیرت کا آئینہ تاریخ کا حکایاتی خاکہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کی سیرت کا آئینہ قرآن کی نصوص اور احادیث نبوی ہیں جہاں آپ ﷺ کی سیرت آفتاب نصف النہار کی طرح ضوفشان ہے جسے حکایاتی داغ دھبے میلا نہیں کر سکتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حامی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے بیعت کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد سبائیوں کا جم گھٹا تھا جو بیعت نہ کرنے والوں کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ کرنے کا پروپیگنڈا کر رہے تھے جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی حال میں جنگ کے حامی نہ تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے روادار نہیں تھے لیکن سبائیوں کے شر کو کنٹرول کرنے کے لئے انہیں اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اور حرمِ نبوی ﷺ کے احترام میں ان پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور اسی مصلحت میں فی الحال ان کے پروپیگنڈے پر خاموشی فرما رہے تھے اور چشم پوشی سے کام لے رہے تھے سبائیوں کا جم گھٹا اور یہ پروپیگنڈا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا باعث بن رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلوص پر اعتماد تھا، وہ جانتے تھے کہ حالات کی رفتار ان شکوک وشبہات کو خود ہی زائل کر دے گی سبائی ٹولہ یہ پروپیگنڈا بھی کرتا رہا تھا کہ خلیفۃ النبی ﷺ کو قتل کرانے والے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں، لہٰذا اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکوک وشبہات کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی اپنی برأت کے لئے قسمیں کھا کھا کر صفائی دے رہے ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم جو مدینے میں موجود تھے وہ قتل کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بدگمان نہ تھے لیکن موجودہ صورتِ حال جو سبائیوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھرمٹ اور جنگ کی تیاری کے پروپیگنڈے سے وجود میں آئی ہے اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نکلنے کے بارے میں ان کو تحفظات تھے اور جنگ جمل کے سانحہ نے ان کو مزید اندیشوں کے جھرمٹ میں دھکیل دیا تھا چنانچہ

:"قال الشعبي ما نهض معه في هذا الامر غير ستة نضر من البدريين ليس لهم سابع وقال غيره اربعة وذكر ابن جرير وغيره كان ممن استحاب له

من کبار الصحابة ابو الهیثم بن التیهان و ابو قتاده الانصاری و زیاد بن حنظله و خزیمة بن ثابت"

امام شعبی کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف چھ صحابہ رضی اللہ عنہم آمادہ ہوئے جن کے ساتھ کوئی ساتواں نہیں تھا، اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ چھ نہیں چار تھے اور ابن جریر وغیرہ نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا چار صحابہ کا ذکر کیا ہے ابوالہیثم بن التیہان، ابوقتادہ انصاری، زیادہ بن حنظلہ، اور خزیمہ بن ثابت حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں اتریں اور شکست کھائیں؟ میرے نزدیک یہ ناممکنات میں سے ہے اسی طرح میرے نزدیک یہ بات بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ حضرت علی نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اصلاح و رواداری کے معروف و شروع طریقے کی بجائے جنگی اقدام کیا ہو! لیکن سبائی پروپیگنڈا آپ رضی اللہ عنہ کو ایک جنگجو فاتح کے روپ میں پیش کرتا ہے، اور یہ بات حقائق کے چونکہ سراسر خلاف ہے لہٰذا انہیں اپنے اس مفروضے کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے اس کے حسب حال ایک حکایاتی خاکہ وضع کرنا پڑا، حکایات کا مجموعہ مہیا کر لینا مشکل نہیں تھا لیکن اس میں علوی سیرت کا رنگ بھرنا اور خلافت نبوت کے بانکپن کو اجاگر کرنا یہ سبائیوں کے بس کا روگ نہیں تھا اس بات نے ان کے حکایاتی مفروضہ کو ایک مضحکہ خیز کہانی بنا دیا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی شان نہیں گھٹائی بلکہ سبائیوں کے حکایاتی مفروضہ کی مضحکہ خیزی واضح کی ہے...... امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں پورے عزم کے ساتھ ایک ہی بار اترے ہیں اور وہ ہے نہروان میں خارجیوں کے مقابلہ میں، اس جنگ کا آغاز و انجام روایات کے آئینے میں خلیفۃ النبی ﷺ کے شایان شان ہے یہاں ہر قدم پر خلافت نبوت کی شان جھلکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

الحمدللّٰہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا
واشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ
یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی
التورٰہ والا نجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعھدہ من اللہ فا
ستبشروا ببیعکم الذی با یعتم بہ وذٰلک ھو الفوز العظیم
التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون
الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر
والحافظون لحدود اللّٰہ ، والصلوٰۃ والسلام علی سید الا
ولین والآ خرین محمد النبی الا می وآلہ واصحابہ من المھا
جرین والا نصار والذین اتبعو ھم با حسان رضی اللہ
عنھم ورضواعنہ و برکات اللہ علیھم اجمعین۔

التفات نظر

زیر نظر کتاب کی تالیف کا سبب ایک استفتاء ہے جو مدرسہ حیات النبی ﷺ گجرات کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحق بشیر صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے اکابر علماء اہل سنت کے نام ارسال فرمایا گیا تھا اس کی ایک نقل انہوں نے اس ناچیز کو بھی ارسال فرمائی تھی، اس خیال سے کہ شاید یہ ناچیز بھی اس بارے میں کچھ لکھ سکے گا۔ درحقیقت یہ ان کا اس نا کارہ کے بارے میں حسن ظن تھا ورنہ ایسے اہم اور بنیادی مسائل پر قلم اٹھانا اکابر علماء کرام ہی کا منصب ہے، جن کے جوتوں میں بیٹھنا میرے لئے باعث فخر وسعادت ہے جن کی محبت وعقیدت میرا سرمایہ آخرت ہے، اور جن کے نقش قدم پر چلنا صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی ضمانت ہے، اور جن سے بے نیاز ہونا جہنم کے دروازے پر پہنچنے کے شوق کا نتیجہ ہے۔

یہ کتاب استفتاء مذکور کے متعدد سوالوں میں سے پہلے سوال کا جواب ہے باقی سوالوں کے جواب بعد میں کسی وقت زیر بحث آسکیں گے کیونکہ وہ بھی مستقل تصنیف کے مقتضی ہیں......

خلیفۃ النبی ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آمدہ حالات کی تنقیح وتنقید کے لیے جو اسلوب وآہنگ میں نے اختیار کیا ہے اس سے پہلے کم از کم میرے علم میں نہیں کہ شاید کسی نے اس جنجال میں پڑنے کی ضرورت محسوس کی ہو کیونکہ تنقیح کا یہ انداز بہت محنت طلب ہے

عام طور پر مذکورہ حالات پر لکھنے والے روایات کے رخ پر چلتے ہیں، روایات میں تضاد بھی ہے، غلاظت بھی ہے، بے تکا پن بھی ہے، سفید جھوٹ بھی ہے اور سچ بھی ہے، لکھنے والا جس ذوق کا حامل ہوگا روایات سے اسے اپنے ذوق کے مطابق مواد دستیاب ہو جائے گا......

اور اکابر علماء کرام کی موجودگی میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت یہ اس ناچیز کی طالب علمانہ نیازمندی ہے اس لئے میں اپنی اس حقیر کوشش کو اپنے اکابر ہی کی خدمت عالیہ میں پیش کرتا ہوں تاکہ جہاں میں نے اپنی علمی بے مائیگی کے باعث ٹھوکر کھائی ہے وہ اصلاح

فرمائیں۔اور جو بات صحیح ہے اس کی توثیق فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں۔

میرا ایک مقالہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں تھے'' نامکمل صورت میں پہلے سے تحریر شدہ موجود تھا، احباب کو وہ بہت پسند آیا، ان کے اصرار پر موضوع کی مناسبت سے اسے بھی کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے''...... نامکمل ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں خطائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے غزوہ احد تک کے واقعات کا تجزیہ ہے جبکہ اسے مکمل ہونا تھا واقعہ تحریم پر آئندہ طباعت میں یہ مقالہ مکمل ہوگا، انشاءاللہ۔

عرض مدعا

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید کا اختتام ایسی دو سورتوں پر کیا ہے جن کا نام معوذتین ہے یعنی ایسی دو سورتیں جن کے ذریعہ مصائب و آلام اور شر و فتنہ سے پناہ مانگی جائے۔

چونکہ نبوت ختم ہو چکی تھی آئندہ کسی نئے نبی کے آنے کا امکان منفی تھا جو کسی ابھرنے والے فتنے کی سرکوبی کرتا لہٰذا معلوم ہوا کہ آئندہ فتنے ابھریں گے اور جو ان کے قریب جائے گا اسے لے ڈوبیں گے، فتنے انتہائی خطرناک ہوں گے اور ان سے بچاؤ بہت مشکل ہوگا، یہ دو سورتیں آنے والے خطرناک فتنوں سے تحفظ اور بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہیں' ان دو سورتوں میں فتنوں کے طریقائے واردات سے پناہ مانگی گئی ہے۔

پہلی سورت میں رب فلق یعنی صبح کے رب کی پناہ لی گئی ہے تمام مخلوق کے شر سے پھر اس شر کی تفصیل بیان فرمادی کہ اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے مثلاً جیسے جمل اور صفین میں ہوا اور رات کے اندھیرے ہی اکثر و بیشتر دشمنوں کی قہرمانی کو کامیاب بناتے ہیں' گرہ میں پھونکے مارنے والی عورتوں کے شر سے یعنی جادوگروں کے ٹونے اور جنتر منتر کے شر سے جیسا کہ باطنیوں نے اس گھناؤنی شرارت کے ذریعہ امت کو ایک طویل عرصہ تک آزمائش میں ڈالے رکھا' حاسدوں کے شر سے' جیسے ایرانی اور یہودی سازش جو نتیجہ تھی قریش سے حسد و بغض کا اور جو سبائیوں کی صورت میں سرگرم عمل ہوئی اور اپنے کمینے پن میں سب کو مات کر گئی۔

دوسری سورت میں وسوسہ کاروں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جن کی تیز دستی امت کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے آمنے سامنے میدان میں لا سکتی ہے اور یہ شرارت درحقیقت جذبہ حسد ہی کو تسکین دینے کا ایک کامیاب حربہ ہے جیسے مثلاً عبداللہ بن سباء یہودی کی دسیسہ کاریاں جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی کو بھی خلیفۃ النبی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بدگمان کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ گویا معوذتین خطرے کی گھنٹی ہیں کہ بچ کے، سنبھل کے، چوکنا ہو

کر اور اللہ تعالی کی پناہ کے سائے میں چلنا کیونکہ دسیسہ کاروں، مکاروں اور منافقوں کا طوفانی ریلا امڈنے والا ہے جو اتحاد و یگانگت کے علاوہ ایمان و عمل اور صداقت و امانت کے لیے بھی غارت گر ثابت ہوسکتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس خطرے سے بے خبر نہیں تھے، انہیں رسول ﷺ نے فتنے کی آمد کا بتایا تھا، اس کی علامت نشانیاں بتائی تھیں ضروری ہدایات بھی دی تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہیں براہ رست فتنے کا نشانہ بننا تھا انہیں اپنے اپنے وقت میں اس فتنے سے عہدہ برآ ہونے کا مکمل لائحہ عمل دیا تھا جس پر وہ حضرات پوری بصیرت کے ساتھ عمل پیرا ہوئے، اس میں شک نہیں کہ ان شیطانوں کی دسیسہ کاریوں کی بدولت جانی نقصان کی صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک خوفناک حادثے سے گزرنا پڑا، لیکن چند ہی سال گزرے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے سبائی سازش پر پانی پھیر دیا اور امت پھر سے رشتہ یگانگت میں منسلک ہوگئی، اس کے بعد امت کو دوبارہ افتراق و تشتت کی دلدل میں دھکیلنے کے لیے سبائیت نے کیا کیا پاپڑ بیلے؟ اور کیا داؤ آزمائے؟ یہ لمبی کہانی ہے۔

بہر حال جب کوئی داؤ کام نہ آیا تو آخری وہی پرانا داؤ اور مکارانہ چال کو میدان کربلا میں دوبارہ آزمایا جسے اس سے پہلے مدینۃ النبی میں خلیفۃ النبی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آزما چکے تھے اور بزعم خود بڑے کامیاب رہے تھے یعنی خلیفۃ النبی کے بعد اب ان ظالموں نے نواسہ نبی کو خون میں نہلا کر عراق کے صحرا میں داستان خونچکاں رقم کی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس صدمہ جانکاہ سے انہوں نے امت کو بہت رلایا لیکن اپنے اس بھیانک اقدام سے جو ابلیسانہ مقاصد وہ حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں وہ بری طرح ناکام رہے، یعنی وہ امت کو دو متوازی خلافتوں میں تقسیم نہ کر سکے جب کہ اس ناپاک مقصد کی خاطر ہی انہوں نے یہ سارے پاپڑ بیلے تھے اگر خدانخواستہ وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو اسلام کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا، مطلب یہ ہے کہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صورت میں سبائیوں نے جو دو بار معصوم و پاکیزہ خون سے ہولی کھیلی تو اس کا مقصد محض دکھ پہنچانا اور پریشان کرنا مطلوب نہ تھا بلکہ مقصد تھا امت کو مستقل طور پر دو

متوازی سیاسی طاقتوں میں تقسیم کر دینا' جب امت تقسیم ہو جائے گی تو ایمانیات و عقائد کی مرکزیت اور وحدت بھی ختم ہو جائیگی جس کے بعد اسلام اپنی امتیازی حیثیت اور اپنی پہچان کھو بیٹھے گا مگر ان کی یہ آرزو حسرت و یاس کے سوا انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکی کیونکہ اسلام کی حفاظت امت کے ذمہ نہیں تھی کہ امت کو پریشان کر کے فریضہ حفاظت سے عاجز کر دیا جائے بلکہ اسلام کا محافظ خود رب العالمین ہے لہذا اسبائی منافقین بار بار بے گناہوں کا خون بہا بہا کر اپنی حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی حسرت کو پورا کرتے رہے اس کے علاوہ ان کے پلے کچھ نہیں پڑا۔ بالآخر انہوں نے یہی غنیمت جانا کہ جب ہم اس صورت حال کو نہیں پا سکے جس کے لیے ہم نے ناپاک ونجس قسم کے کئی ڈرامے رچائے معصوموں کے خون بہائے تو کم از کم اتنا تو کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات وسیرت کی حکایت سازی اس بھیانک ناپاک نقشے کے مطابق کریں جس بھیانک اور ناپاک نقشے کو ہم نے اپنی آرزوؤں میں بسایا تھا لیکن اسے عملی وجود بخشنے میں افسوس کہ نامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس میدان میں انہوں نے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی ہے یعنی حالات وواقعات کی حکایت سازی انہوں نے ایسے انداز سے کی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی سیرت کے دائرے میں غلاظتوں کے انبار لگ گئے اور وقائع نگار مؤرخین نے محض نقل روایت کے نقطہ نظر سے غلاظت کے وہ انبار اپنی تصنیفات کے اوراق کی زینت بنا دیئے۔

تاریخ کا ایک خالی الذہن طالب علم بڑی الجھن میں پڑ جاتا ہے جب وہ ایک طرف اسلاف امت کا یہ عقیدہ سنتا ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو کچھ ہوا اس کی حیثیت خطائے اجتہادی کی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں دوسری طرف جب وہ تاریخ کی کتابوں کو دیکھتا ہے تو وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں میں اتنا تعفن پیدا کر دیا گیا ہے کہ خطائے اجتہادی تو دور کی بات ہے وہاں تو عام خطاء کے اطلاق کی بھی کہیں گنجائش نہیں ملتی' بلکہ وہاں تو یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم بڑی دیدہ دلیری سے بے دھڑک ہو کر کبائر بلکہ اکبر الکبائر کا نہ صرف ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اکبر الکبائر ان کی زندگی کے معمولات ہیں' ایک طرف ہم اسلاف سے یہ اصول سنتے ہیں کہ الصحابۃ کلھم عدول صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب سچے اور دیانت دار ہیں دوسری طرف ہمارے

وقائع نگار ابن سعد رحمہ اللہ اور ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرھم سے اپنی کتابوں میں سبائی حکایت سازوں کی غلیظ اور گندی روایات بھر لیتے ہیں جن سے یہ تاثر ابھر آتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک نمبر کے جھوٹے' پرلے درجے کے بددیانت اور بدکردار ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اسلاف کا عقیدہ اوران کی سیرت کے باب میں سبائی حکایت سازوں کی گھناؤنی حرکت کے مابین تضاد وتناقض سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ خیر القرون کے یعنی تابعین کے دور کے اختتام تک جمل وصفین کے واقعات اپنی واقعاتی کیفیت میں معلوم ومعروف تھے حکایت سازی کے غبار سے پاک ہر دیکھنے والی آنکھ کے لیے روز روشن کی طرح چمک رہے تھے اور عقائد کی تحقیق وتنقیح اسی دور میں ہوتی ہے اور یہی دور ہے جس میں اہل علم نے تدوین حدیث کی ضرورت محسوس کی' اور اس فریضہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے' حکایت سازوں نے سب سے پہلے اسی طرف اپنا داؤ چلانے کی کوشش کی تاکہ حدیثیں گھڑ گھڑ کے اسلام کا حلیہ بگاڑا جاسکے لیکن آئمہ فقہ وحدیث چونکہ اس موضوع کو ایک اہم ترین دینی فریضہ سمجھ کر ہر دوسری چیز پر اسے اولیت دے رہے تھے ایسے میں سبائیوں کی شرارت ان کی عقابی نگاہوں سے کیسے بچی رہ سکتی تھی چنانچہ یہاں ان کی دال نہ گل سکی اور بہت جلد ان کی یہ شرارت دم توڑ گئی' خصوصاً فن اسماء رجال نے حدیث کو کھرا کھوٹا اور سچا جھوٹا نہایت واضح اور نمایاں کر کے دکھایا، مزید یہ کہ موضوعات کے نام سے ایسی کتابیں مرتب کی گئیں جن میں وہ تمام احادیث اکٹھی کردی گئیں جو جعل ساز گھڑ چکے تھے تاکہ اہل اسلام کو دھوکا کھانے سے بچایا جاسکے لیکن یہ احتیاط وقائع نگاری کے معاملہ میں نہیں برتی گئی، ایک تو اس وجہ سے کہ وقائع نگاری فقہاء ومحدثین کا موضوع نہیں تھا اور محض واقعات کی تدوین دینی اعتبار سے کوئی مقصدی حیثیت نہیں رکھتی تھی، دوسری یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت قرآن وحدیث میں پوری تفصیل سے بیان ہوئی ہے، اگر کوئی بدنہاد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھونڈے قسم کی حکایت سازی کا دھندا کرے گا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کے باب میں قرآن وحدیث کی واضح نصوص اور روشن دلائل ایسے بھونڈے واقعات کی خود ہی نفی کردیں گے۔ لہٰذا اہل علم نے اس موضوع کو لائق توجہ نہیں جانا، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ سبائی اس سے فائدہ نہ اٹھاتے، چنانچہ انہوں نے نقل واقعہ کے ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرتوں کو مسخ کرنے کے ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اب یہ متاخرین علماء کا فرض تھا کہ نہایت سختی سے اس کا نوٹس لیتے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم
کے بارے میں امت کے عقیدے اور سبائیوں کی حکایت سازی کا تضاد و تناقض ان کے سامنے
آیا تو چاہیے تھا کہ واقعاتی حکایت سازی کو تحقیق و تنقید کے مسلمہ معیار پر رکھتے اور اسلامی عقائد
سے حکایت سازی کا تناقض اور اس کی نامعقولیت واضح فرماتے لیکن افسوس کہ ایسا بہت کم ہوا،
بلکہ روش یہ رہی کہ عقائد کو تحقیق و تنقید کے معیار پر کھرا قرار دیا اور واقعاتی حکایت سازی میں
تاویل کی کوشش کی اور جہاں تاویل سے بھی بات نہ بنی تو واللہ اعلم بالصواب کہہ کر آگے بڑھ گئے
اس میں شک نہیں کہ سلامت روی کی راہ یہی ہے، لیکن سلامت روی کا یہ راستہ تب تک بے ضرر رہا
جب تک امت میں دین کا صحیح ذوق باقی رہا اور علماء متاخرین کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ آگے وہ وقت
بھی آرہا ہے جب امت مجموعی طور پر اپنا دینی ذوق کھو بیٹھے گی اور آج امت کے دینی ذوق پر
اعتماد کرکے سبائی روایتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھنا اور نظر انداز کر کے چلنا مستقبل میں ہمارا یہ طرز عمل
دینی ذوق سے بے بہرا افراد امت کے لیے سبائی روایتوں کے صحیح اور ثقہ ہونے کی دلیل بن
جائے گا' چنانچہ آج جب فتنہ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ امت کے ذوق علم و عمل پر بیرونی اثرات
غالب ہیں تو ہماری سلامت روی کی یہ روش سلامتی ایمان کے لیے خطرہ بن گئی کیونکہ جدت پسند
ذہن نے ہمارے اس چشم پوشی کے طرز عمل کے نتیجے میں تاریخی کتب میں درج سبائی روایات ہی
کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت باور کرلیا' اور جب یہ دیکھا کہ عقیدہ سلف سے ان کے اس جدید نظریہ کا
کوئی ربط قائم نہیں ہوسکتا تو انہیں چاہیے یہ تھا کہ سبائی روایتوں کے اثرات سے بننے والے اپنے
اس جدید نظریہ پر نظر ثانی کرتے لیکن وہ اسکے بجائے امت کے عقیدہ کو غلو پر مبنی قرار دینے لگے
جس کی بنیاد قرآن و سنت کے صریح نصوص پر ہے اور جو حق و صداقت پر مبنی ہے۔

یہ بات تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اسلاف نے اپنی تمام تر توجہ علوم قرآن و سنت پر مرکوز رکھی
اور تاریخی واقعات کو نظر انداز کیا کیونکہ تاریخی واقعات کا تعلق دینی معاملات سے نہیں ہوتا بلکہ
حالات کی تصویر کو الفاظ کا لباس پہنانا ہوتا ہے جس میں واقعہ بیان کرنے والے کے ذوق و رجحان
کا دخل غالب ہوتا ہے' صلح و جنگ وغیرہ مسائل میں فقیہ کو مغازی کی طرف رجوع کرنے کی
ضرورت پیش آتی ہے لیکن اس باب میں ثقہ راویوں کی روایتیں اس ضرورت کو کماحقہ پورا

کر دیتی ہیں چنانچہ کبھی کسی فقیہ کو کسی بھی مسئلہ میں کسی سبائی روایت کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی' ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وقائع نگار حضرات کا اپنی کتابوں میں سبائی روایات بھر لینے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ حضرات ان گندی روایات کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرت کا عکس سمجھتے تھے اور نہ ان کتابوں کی تصنیف سے ان کا مقصد صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت لکھنا تھا اور نہ انہیں یہ اندازہ تھا کہ کذاب اور جھوٹے راویوں سے ان کی کتاب میں واقعات کا ذکر ہونا ان کے ذمہ پڑ جائے گا کہ یہ روایتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ان مصنفوں نے منسوب کی ہیں' بلکہ وہ حضرات یہ جانتے تھے کہ قرآن و حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور ان کی سیرت کا ہر پہلو نہایت مفصل اور وضاحت سے بیان ہوا ہے اس لئے کوئی مسلمان سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان روایات سے دھوکا نہیں کھا سکتا بلکہ اگر قرآن و حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت نہ بھی بیان ہوئی ہوتی تو تابعین اور تبع تابعین کے جم غفیر کی شفاف اور طاہر سیرتیں سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترجمانی کے لیے کافی ہیں کیونکہ تابعین و تبع تابعین کی سیرت کے کمال کی حقیقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم سے ان کا سرمو انحراف نہ کرنا ہے' بلکہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرت پر گواہی دینے کی لیے یہ جم غفیر بھی اپنی پاک سیرت کے ساتھ وجود میں نہ آیا ہوتا پھر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مؤمنانہ فتوحات کے وہ انمٹ کارنامے جو صفحۂ ہستی پر نقش ہیں تنہا وہی اس بات کی گواہی دینے کے لیے کافی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا وہ نقشہ حرف بہ حرف غلط ہے جو سبائی روایتوں نے کھینچا ہے' لیکن محمد ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم وقائع نگار حضرات کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب دین کے بارے میں کور ذوقی کا یہ عالم ہوگا کہ لوگ مادرزاد اندھے کی طرح روشنی کے ادراک ہی سے محروم ہو جائیں گے' اور جو واقعات ان حضرات نے ابو مخنف جیسے جھوٹے متعصب شیعہ راویوں سے محض نقل حکایت کے طور پر اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں ان بے سروپا واقعات کو یہ اندھے ان حضرات کے حوالے سے معتبر اور مستند سمجھ بیٹھیں گے اور ان جھوٹے شیعہ راویوں کے غلط واقعات سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرت کو آلودہ کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کریں گے کہ:

"کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ابن سعد' ابن عبدالبر' ابن کثیر' ابن جریر'

ابن اثیر، ابن حجر اور ان جیسے دوسرے ثقہ علماء نے اپنی کتابوں میں جو حالات مجروح راویوں سے نقل کئے ہیں انہیں رد کر دیا جائے یا جو باتیں ضعیف یا منقطع سندوں سے لی ہیں یا بلا سند بیان کی ہیں ان کے متعلق یہ رائے قائم کر لی جائے کہ وہ بالکل بے سروپا ہیں، محض گپ ہیں اور انہیں بس اٹھا کر پھینک ہی دینا چاہیے۔''

(خلافت وملوکیت ص۳۱۹ طبع اول)

حقیقت یہ ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کے واقعات میں منافقین کی بہتان طرازی کا دخل نہ بھی ہوتا بلکہ دیگر تاریخی واقعات کی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات بھی معمول کے مطابق ذکر کئے گئے ہوتے تب بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات کو بلا جانچے پرکھے لے لینا جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن مجید جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کا حدود اربعہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے پھر اسے پیش نظر رکھے بغیر واقعات قبول کر لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس صورت میں ہے جب واقعات میں جھوٹ کی آمیزش کی کاروائی نہ کی گئی ہو لیکن اگر حقیقت یہ ہو کہ ایک سوچی سمجھی سکیم اور سازش کے تحت صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کو داغدار بنانے کی غرض سے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی ہو اور محض جھوٹے افسانے تصنیف کر کر کے سیرت کے واقعات میں بڑی عیاری کے ساتھ ٹانک دیئے گئے ہوں جس کا مقصد صحابہ رضوان اللہ علیہم کی دین میں استنادی حیثیت کو مجروح کرنا ہو تو کیا پھر بھی ہم قرآن مجید کی طرف اس بارے میں رجوع نہیں کریں گے؟ کیا پھر بھی ہم سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے باب میں صحیح احادیث کی بجائے اپنی تحقیق کا دارومدار جھوٹے افسانوں کو قرار دیں گے؟ افسوس! کہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ واقعاتی حصے کو جھوٹے افسانوں سے بھر دیا گیا اور اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ مطالعہ کرنے والوں نے قرآن وحدیث میں ہیرے کی طرح چمکتے سیرت کے موتیوں کو چھوڑ کر جھوٹ کے ان دلچسپ واقعاتی پلندوں کو گلے سے لگا لیا اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ لوگوں نے تو ان واقعات کو صرف نقل کرنے پر اکتفا کیا لیکن جناب مودودی صاحب نے اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس جھوٹ کے پلندے کو مصدقہ حقائق قرار دیدیا اور سچی گواہی اور قطعی شہادت باور کر کے اس بے بنیاد گواہی کی بنیاد پر اصحاب

محمد ﷺ کیخلاف مجرم ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا اور ان بے اصل افسانوں کے حق اور سچ ہونے پر دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ واقعات مانا کہ جھوٹے اور مجروح راویوں سے لئے گئے ہیں اور مانا کہ ان واقعات کی کوئی سند وغیرہ نہیں ہے لیکن جب یہ جھوٹے واقعات فلاں اور فلاں مصنف نے اپنی کتاب میں لکھ دیئے ہیں تو ان جھوٹے اور بے اصل واقعات کے سچا ہونے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟! کسی مشہور ڈاکو چور اچکے عادی مجرم کے لئے بھی کسی الزام کے ثبوت میں دنیا کی کوئی عدالت اس ننگ انسانیت اصول کو قبول نہیں کر سکتی جو مودودی صاحب نے اصحاب محمد ﷺ کو مجرم ثابت کرنے کے لئے زریں اصول کے طور پر تلقین کیا ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ جھوٹے اور مجروح راویوں سے نقل کردہ حالات اور ضعیف و منقطع سندوں سے لی ہوئی باتیں یا یونہی بے سند بیان کردہ باتیں' ان کا مطالعہ کرتے وقت اگر مطالعہ کرنے والے کی نگاہ مسلمان کی نگاہ ہے تو وہ ان بے اصل حالات اور بے سند باتوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرت کو کبھی ملوث نہیں کرے گا' علامہ اقبال رحمہ اللہ نے سچ فرمایا

نگاہ کی نامسلمانی سے فریاد

لیکن یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ موجودہ دور کی نفسیاتی فضاء نے عام طور پر مسلم ذہن کو دینی عصبیت سے محروم کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نوجوان کو اجنبی نظریات با آسانی متاثر کر لیتے ہیں اور نظریہ و خیال پر آوارہ مذاقی کی کیفیت چھائی رہتی ہے' ان حالات میں اگر نوخیز ذہن سبائی روایات قبول کریں تو تعجب کی بات نہیں ہے۔

البتہ! علماء حق کا یہ فرض ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاک سیرت کو مجروح اور داغدار کرنے والی جھوٹی اور من گھڑت روایات کی تنقید کریں اور نئی نسل کے لئے قرآن و سنت اور صحیح روایات سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا حقیقی نقشہ سامنے لائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص جنگ صفین کے بارے میں کہ:

نمبر ۱۔ زید کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مخالفین کفر پر تھے۔

نمبر ۲۔ عمرو کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور ان کے مخالفین خطاء پر تھے اور ان کی یہ خطاء بلا لحاظ ان کے مرتبہ صحابیت کے عام انسانوں کی خطاؤں جیسی تھی۔ ہرگز خطاء اجتہادی نہ تھی اور اس کیلئے تاریخ حوادثات بطور دلیل پیش کرتا ہے۔

نمبر ۳۔ بکر کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کفر پر تھے۔

نمبر ۴۔ جعفر کے نزدیک دونوں فریق حق پر تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ اور اس کے لئے تاریخی واقعات اور الصحابی کلھم عدول وغیرہ روایات سے استدلال کرتا ہے۔

نمبر ۵۔ اجمل کے نزدیک دونوں فریق حق پر تھے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ اور اس کے لئے یہ روایت بطور دلیل پیش کرتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ دونوں گروہ حق پر ہوں گے۔ مگر ان میں سے جو گروہ خوارج کو قتل کرے گا وہ اقرب الی الحق ہوگا اور خوارج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ نے قتل کیا۔

نمبر ۶۔ اکمل کے نزدیک زید اور عمرو کا نظریہ روافض کا نظریہ ہے۔ بکر اور جعفر کا نظریہ خوارج کا نظریہ ہے۔ اور اجمل کا نظریہ غیر جمہور اہلسنت کا نظریہ ہے۔ جبکہ جمہور اہلسنت والجماعت کا نظریہ ہے۔ کہ ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر۔ مگر ان کی خطاء خطاء اجتہادی تھی۔ جس کی بناء پر انہیں ملامت کرنا

ہرگز درست نہیں بلکہ حسب فرمان نبوی وہ اس خطاء پر بھی ایک اجر کے مستحق ہیں۔اور اس پر الصحابی کلھم عدول کی روایت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں۔کیونکہ خطاء اجتہادی عدل کے منافی ہرگز نہیں ہے۔اپنے نظریہ کی تائید کے لیے وہ قرآن پاک سے آیۃ استخلاف اور آیۃ تمکین پیش کرتا ہے۔اور اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن پاک کی آیۃ استخلاف اور خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ میں داخل ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس میں داخل نہیں۔کیونکہ آیۃ استخلاف میں منکم سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول آیۃ کے وقت مسلمان ہو چکے تھے۔جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نزول آیۃ استخلاف کے بعد مسلمان ہوئے۔نیز حضور نبی اکرم ﷺ نے خلافتِ نبوت کی جو مدت بیان فرمائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت اس میں بھی داخل نہیں ہے۔

ازراہ کرم وضاحت فرمائیے کہ:

نمبر۱۔ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان سے کون سا نظریہ صحیح اور مسلک اہلسنت والجماعت کے مطابق ہے؟

نمبر۲۔ قرآن پاک کی موعودہ خلافت (جو آیت استخلاف میں مذکور ہے) اور حدیث پاک کی خلافت نبوت (جس کی مدت تیس برس بیان کی گئی ہے) میں کیا فرق ہے؟

نمبر۳۔ آیت استخلاف کا حکم قیامت تک کے لئے عام ہے یا نزول آیت کے وقت موجود مسلمانوں کے لئے خاص؟ اگر عام ہے تو اس کے تحت اب تک کتنے خلفاء گزرے ہیں؟ اور اگر خاص ہے تو کن کن خلفاء کے لئے؟ نیز آیت میں مذکور منکم سے کیا مراد ہے؟

نمبر۴۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خلافتیں آیۃ استخلاف میں داخل ہیں یا نہیں؟

نمبر۵۔ یزید کو خلیفہ راشد کہنا کیسا ہے؟ نیز اس کے کفر وفسق اور اس پر لعن کرنے کے بارے میں جمہور اہلسنت والجماعت کا نظریہ کیا ہے؟

بینوا و توجروا

سائل حافظ عبدالحق خان بشیر (سیالکوٹ)

مذکورہ الصدر استفتاء میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر چھ نظریات کا ذکر ہے جن کو تمثیلاً زید، عمرو بکر، جعفر، اور اکمل کی طرف منسوب کیا گیا ہے ان چھ نظریات پر پانچ سوال قائم کئے گئے ہیں، جن میں سے پہلے سوال یہ ہے کہ:۔

"مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان میں سے کون سا نظریہ صحیح اور مسلک اہل سنت کے مطابق ہے"؟

ذیل میں ہم نے اسی پہلے سوال پر مفصل بحث کی ہے، باقی چار سوالوں کی طرف ہم بعد میں متوجہ ہوں گے۔

وما توفیقی الا باللہ وھو یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اکمل جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست اور مبنی برحق ہے اور اجمل بھی وہی بات کہہ رہا ہے جو اکمل کہہ رہا ہے لیکن تعبیر کے فرق نے ایک بات کو دو مختلف مفہوم دے دیئے جس کا سبب یہ ہے کہ قصہ خوانوں کی ستم ظریفی کہیے یا سازش سے واقعات کی حکایت سازی اس انداز سے کی گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم رائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت ان حکایات کے گورکھ دھندے میں کھوگئی اور اس حکایت سازی نے اتنے مغالطے پیدا کر دیئے کہ بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ 'حقیقت خرافات میں کھوگئی' مثلاً یہی دیکھیں کہ اکمل ایک صحیح بات کہہ رہا ہے اور آیۃ استخلاف سے استدلال کر رہا ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا آیت استخلاف سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے' تو گویا اکمل ایک صحیح بات کہہ رہا ہے لیکن حکایات کی خرافات نے بات اتنی الجھادی ہے کہ اکمل کو خود بھی یہ شعور نہیں کہ اس کی صحیح بات کی حقیقت کیا ہے اس لیے ہم سب سے پہلے چند ایسے اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جو صحیح صورت حال تک پہنچنے کی راہ آسان کر دیں۔

سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطالعہ میں احتیاط

یہ بات یاد رکھیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا حدود اربعہ قرآن کی نصوص قطعیہ نے واضح اور متعین کر دیا ہے لہٰذا صحابہ کی سیرت کے سلسلہ میں یا کسی بھی صحابی کی سیرت میں ہر ایسی روایت جو قرآن کی ان نصوص قطعیہ کے منافی ہو اس روایت کے جھوٹا' من گھڑت اور موضوع ہونے کی پکی دلیل ہے اور نصوص قرآنی چند نہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں البتہ ہم یہاں تفصیل میں نہیں جاسکتے اختصار کے پیش نظر چند آیتوں کو بطور مثال پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

سورۃ توبہ ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے شرف صحابیت سے بہرہ مند ہونے کی سعادت مندروحیں اپنا اعزاز حاصل کر چکی ہیں اس کے بعد اعلان فرمایا جاتا ہے۔

﴿والسا بقون الا ولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾

(توبہ آیت ۱۰۰)

"مہاجرین وانصار جو سابقون اولون ہیں اور وہ جو خوبصورتی سے ان کے نقش قدم پر چلے اللہ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے۔"

اس اعلان سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایسا کام ہرگز نہیں کرے گا جو اللہ کی خوشنودی کے منافی ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان (العیاذ باللہ) جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف جس کا صحابی ہونا معلوم و مسلم ہو ایسی بات منسوب کرنا جو اللہ کی خوشنودی کے دائرے میں نہ آتی ہو اس آیت کی تکذیب کرنا ہوگا۔ سورۃ حجرات بھی فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت بیان فرماتے ہوئے کہا۔

﴿لكن الله حبب اليكم الا يمان وزينه فی قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان اولئك هم الراشدون ٥﴾

(حجرات آیت ۸)

"اللہ نے تمہارے ہاں ایمان کو محبوب بنا دیا اور تمہارے دلوں میں اسے خوبصورت بنا دیا اور کفر اور گناہ کبیرہ وصغیرہ تمہارے ہاں قابل نفرت بنا دیئے بس یہی لوگ صحیح راہ پر ہیں۔"

اس آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ گواہی پیش کی گئی ہے کہ ایمان انہیں محبوب ہے اور ایمان کی بات انہیں خوبصورت لگتی ہے اور کفر نافرمانی حتیٰ کہ گناہ صغیرہ تک سے انہیں نفرت ہے لہٰذا کوئی ایسی روایت جس سے یہ معلوم ہو کہ فلاں صحابی میں ایک بات خلاف شریعت تھی وہ روایت قران کی اس آیت کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک شخص نے اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اپنایا جس سے اسے نفرت ہے یہ بات

نفسیاتی طور پر ناممکن ہے یا یہ کہیں گے کہ خلاف شریعت بات اس صحابی کے ہاں قابل نفرت نہیں رہی تو یہ آیت کی تکذیب ہے لہٰذا وہ روایت جس سے ایسا تاثر ملے جھوٹی اور من گھڑت ہوگی۔

سورہ آل عمران میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت بیان کرتے ہوئے ان کی سیرت کے بارے میں ایک جامع اصول دیا فرمایا:

﴿والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکرو اللہ فاستغفرو ا الذنو بھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصرو ا علی ما فعلوا وھم یعلمون ٥﴾ (آل عمران ۱۳۵)

''اور یہ وہ لوگ ہیں جب یہ کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنی ذات پر ظلم کریں تو اسی دم اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اسی وقت اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے گا اور جو وہ کر بیٹھے ہیں اس پر جانتے بوجھتے قائم نہیں رہتے''۔

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ معصوم نہ تھے وہ انسان تھے اور بشری تقاضوں کے نتیجے میں ان سے غلطیاں سرزد ہوتی تھیں لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطیوں کا تذکرہ ان کی مدح کے سیاق میں کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی غلطیاں ''رضی اللہ عنہم کے منافی نہیں تھیں حالانکہ ان غلطیوں میں کھلے گناہ بھی ہیں پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''ان فعلوا'' نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہوتا ''اگر وہ ایسا کریں'' یعنی غلطی کا امکان سمجھ میں آتا بلکہ ''اذفعلو'' فرمایا ہے کہ عملاً ایسا ہوتا ہے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم واقعی غلطیاں کرتے ہیں لیکن اس کے عملاً ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کی مدح فرماتے ہیں ناراض نہیں ہوتے، یہی بات ان کج دماغوں کے سمجھنے کی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے معصوم نہ ہونے کو بہانہ بنا کر ان کا تذکرہ عام جمہوری لیڈروں کے طرز پر شروع کر دیتے ہیں' غور فرمایئے اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کے اس سلبی پہلو کا تذکرہ مدح کے سیاق میں لائے ہیں اور ایسا معجزانہ اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ مدح کی انتہا کر دی' یعنی یہ لوگ وہ ہیں جن کے ارتکاب گناہ کا اختتام یاد الٰہی اور استغفار پر ہوتا ہے اور نفسیات پر یہ شعور حاوی ہو جاتا ہے کہ اللہ ہی ہے جو گناہ بخشتا ہے' اور یہی ادا اللہ کو پیاری ہے یعنی ان کا گناہ بجائے

خود ایک دوسری عظیم تر نیکی کا عنوان ہوتا ہے۔ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا گناہ بہت بڑا تھا لیکن جس نیکی کا وہ عنوان بنا وہ اتنی بڑی ہے کہ پورے شہر پر تقسیم کر دی جائے تو سب کو جنت میں لے جانے کے لیے تنہا یہ ایک نیکی ہی کافی ہے' غور کیجیے کہ ماعز کے سلبی اقدام نے پلٹ کر نیکی کی جس معراج پر اسے پہنچایا اگر وہ مثبت طور پر سو سال بھی محنت کرتا تو اس مقام عالی کو نہ پا سکتا' ان لوگوں کی یہی ادا ان کے رب کو پسند ہے اسی وجہ سے ان کے ارتکاب گناہ کا تذکرہ بھی مدح کے سیاق میں فرمایا ہے۔ رہی یہ بات کہ جان بوجھ کر کسی غلطی پر یہ لوگ قائم رہے؟ اس کی قطعی نفی فرما دی' لہٰذا ہر ایسی روایت جس سے کسی صحابی کے بارے میں یہ تاثر ملے کہ غلطی کرنے کے بعد یہ معلوم ہونے پر کہ یہ غلطی ہے پھر اس پر قائم رہا ایسی روایت جھوٹی اور من گھڑت ہوگی' کیونکہ وہ روایت قرآن کی اس آیت کی تکذیب کرتی ہے لہٰذا آیت جھوٹی نہیں ہوسکتی وہ روایت جھوٹی اور خانہ ساز ہے۔

یہ تین آیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا تعین کرنے کے لیے کافی ہیں اور یہ بطور مثال ذکر کی گئی ہیں ورنہ تو قرآن نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کو بڑی تفصیل سے نہایت کھول کر بیان کیا ہے لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت اس اصول کو پیش نظر رکھیں کہ آیا تاریخ میں بیان کیے جانے والے واقعات قران میں بیان کردہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سے مطابقت رکھتے ہیں؟ اگر مطابقت نہیں رکھتے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن بھی سچا ہو اور تاریخ اسلام کی کتاب میں لکھے گئے یہ قرآن مخالف واقعات بھی سچے ہوں دونوں میں سے ایک کو سچا کہنا پڑے گا' اگر کوئی یہ دلیل دے کہ یہ واقعات تاریخ کی مستند ترین کتب میں ہیں ان کو ہم کیسے جھٹلا دیں؟ عرض یہ ہے کہ کس نے کہا ان واقعات کو جھوٹا کہو' کہا یہ جا رہا ہے کہ آپ قرآن اور ان واقعات کو بیک وقت سچا نہیں مان سکتے دونوں میں سے ایک کو سچا ماننا ہوگا۔ قرآن کو یا ان واقعات کو چونکہ یہ واقعات تاریخ کی مستند ترین کتب میں درج ہو گئے لہٰذا آپ انہی کو سچا مانیں لیکن ان کے ساتھ آپ قرآن کو سچا نہیں کہہ سکتے۔

حکایت سازی کا فتنہ

یہ یاد رہے کہ سبائی فتنہ ایک خاص منصوبہ بندی اور گہری سازش کے تحت وجود میں آیا تھا ان کے پیش نظر ایسے عقائد گھڑ کر رائج کرنے تھے جو توحید اور نبوت کی جڑ کاٹ کر رکھ دیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت توحید کے جواب میں اور نظریہ امامت نبوت کے جواب میں کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیے گئے جس کے لیے حضرت علی کے فضائل میں من گھڑت احادیث کا طومار لانا بھی تھا حالانکہ ان کے حقیقی فضائل کے لیے احادیث صحیح کی کمی نہ تھی پھر سوء اتفاق کہ سیاسی اثر ورسوخ کی بناء پر بنو امیہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئے ان کے کردار کو نہایت گھناؤنا اور گھٹیا دکھانا ضروری قرار پایا اس خدمت کے لیے بھی ضروری تھا کہ روایات واقعات کا ایک جنگل اگایا جائے بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ روایات دونوں طرف سے گھڑی گئیں یعنی حامیان بنی امیہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں روایت گھڑی ہیں' یہ بات غلط نہیں ہے لیکن دونوں کے مابین ایک فرق ہے وہ یہ کہ بنو امیہ کے ہاں روایت سازی کا سبب جذبہ حمایت تھا جو فضائل میں مبالغہ کرسکتا ہے اور یہی کچھ ہوا ہے لیکن دوسری طرف سبائیت کے ہاں ایک مشن ہے ایک مستقل نصب العین ہے ایک نیا متوازی دین تیار کرنے کا ایک ہمہ گیر اور لامتناہی سلسلہ ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے کہیں زیادہ بنو امیہ کے عیوب ومثالب ہیں اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم پر اتہامات والزامات ہیں اور یہ سلسلہ روایات درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد شروع کیا گیا ہے، جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا تعلق ہے اس میں صحیح احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ کسی ضعیف حدیث سے تائید لینے کی ضرورت نہیں رہتی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑی اونچی شان کے صحابی ہیں'' کاتب وحی ہیں' امین ہیں' اور یہ سعادت اسی کو ملتی ہے جسے واقعتاً شرف صحابیت حاصل ہو' اور اللہ تعالی کی' جبریل امین کی' اور نبی ﷺ کی تائید حاصل ہو' بڑے صاحب مناقب ہیں لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقابل ہو تو سورج اور چراغ کی مثال ہے' اس حد تک تو بات صحیح اور درست ہے لیکن ظلم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب ہوں تو احادیث صحیح کے، بعد سبائیوں کی اختراعات بھی بلا چون وچرا قبول ہیں اس دلیل کے ساتھ کہ فضائل میں ضعیف

احادیث بھی قبول کی جاتی ہیں لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آئے تو اگر روایت ان کے عیوب وسیّئات سے متعلق ہوں تو بسر وچشم قبول کوئی نکیر نہیں کرتا خواہ عقل ونقل کے صریحاً خلاف کیوں نہ ہوں اور انہیں دائرہ صحابیت سے خارج کرنے والی کیوں نہ ہوں اور اگر ان کے مناقب کا بیان ہو تو کمزور روایات تو ایک طرف رہیں صحیح احادیث تک پہ نقد وجرح شروع ہو جاتی ہے۔ گویا ذہن یہ بن گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان صحیح طور پر بیان ہو سکتی ہی نہیں جب تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عیب نہ گنوائے جائیں یہ ایک نفسیاتی فضاء ہے جو زبردست سبائی پروپیگنڈے کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔

تاریخی روایات کی حیثیت

تاریخی روایات میں سند کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ تاریخی روایات کا تعلق پیش آمدہ واقعات کی حکایت ونقل سے ہوتا ہے جس میں نقل کرنے والے کے رجحانات، تاثرات اور نوعیت مشاہدہ کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے اگر ایک واقعہ کو نقل کرنے والے پانچ افراد ہوں گے تو وہ ایک واقعہ پانچ مختلف واقعات بن جائے گا' لہٰذا اگر یہ روایات عام تاریخی معلومات سے متعلق ہوں تو ان کو مان لینے یا نہ ماننے سے کچھ فرق واقع نہیں ہوتا' لیکن اگر ان واقعات کا تعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی سے ہو تو پھر ہم ان کو بلا چون وچرا نہیں مان سکتے ورنہ اس کی زد براہ راست نصوص قرآنی' ختم نبوت اور ضروریات دین پر پڑے گی لہٰذا وہ تمام روایات جو تاریخ کے اس مرحلہ سے تعلق رکھتی ہیں جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے غزوات ہیں ان کے سیاسی' معاشرتی' معاشی اور ثقافتی تصرفات ہیں اس مرحلہ کے بارے میں ان روایات کے اخذ وقبول کا واحد ذریعہ ہے درایت چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی دین حق کا متن ہے' سنت نبوی ﷺ کی کھلی کتاب ہے لہٰذا ان کے بارے میں تاریخی روایات میں سے صرف وہی روایت قبول کی جائے گی جو درایت کے حسب ذیل اصولوں پر پوری اترے گی۔

① کوئی روایت قرآن کی نص کے منافی نہ ہو،

② کوئی روایت صحیح حدیث کے منافی نہ ہو

③ کوئی روایت عقل سلیم کے منافی نہ ہو

④ کوئی روایت متعلقہ صحابی کی معروف سیرت کے منافی نہ ہو۔

ذیل میں ہم نے روایت کے ان اصولوں کے منافی ہونے کی ایک ایک مثال بیان کی ہے۔

نصوص قرآنی کے منافی ہونے کی مثال

صفین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بن عاص دونوں ثالث ہیں انکے بارے میں روایت یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب متفق علیہ فیصلہ سنایا تو عمر رضی اللہ عنہ بن عاص نے کھڑے ہو کر ایک دوسرا فیصلہ سنادیا اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ تیری مثال اس کتے کی ہے جو ہر وقت زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تیری مثال اس گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ انداز گفتگو جو نہایت ناشائستہ اور جاہلانہ ہے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بن عاص جیسے جلیل القدر اور مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کیسے ہوسکتا ہے جنہوں نے سالہا سال نبی ﷺ کے خدمت میں رہ کر تربیت پائی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں فرمایا:

"اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما"

سمجھ بوجھ سے عاری لوگ جب ان سے ہمکلام ہوتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔

عن اللغو معرضون فضول باتوں سے انہیں دلچسپی نہیں والحافظون لحدود اللہ حدود اللہ کے نگران ہیں والآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر (توبہ) نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے رکنے والے ہیں اولئک ھم المتقون بے شمار آیات ان کی مدح ان کے اخلاق کی تعریف میں نازل فرمائی ہیں تو کیا مندرجہ بالا روایت کی تطبیق ان آیات سے ممکن ہے؟ یقیناً نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ روایت محض جھوٹی اور خانہ ساز ہے۔

حدیث کے منافی ہونے کی مثال

نبی ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے خطبہ میں فرمارہے ہیں کہ فتنہ اٹھے گا اور اس میں یہ شخص حق پر ہوگا لہٰذا تم اس کا ساتھ دینا۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۱۰)

اور فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور خلیفہ کا قتل جسے ظلماً قتل کیا جائے گا جبکہ وہ حق کے مطابق دے رہا ہوگا'' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائیں گے لوگ اسے اتروانا چاہیں گے تم ہرگز نہ اتارنا۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۰۷) طبع لاہور

محاصرے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فتنہ بازوں کے خلاف جنگ کی اجازت چاہی گئی تو فرمایا 'جو کچھ مجھے اس موقعہ پر کرنا ہے وہ سب کچھ میرے خلیل ﷺ مجھے سمجھا گئے ہیں''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتنے کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مکمل اور غیر مشروط حمایت فرما رہے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی حمایت کا تاکیدی حکم دے رہے ہیں اور ان کے مطلقاً حق پر ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور فتنہ بازوں کو باطل پر قرار دے رہے ہیں جھوٹا ظالم اور قاتل قرار دے رہے ہیں' خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس موقعہ پر کیا کرنا ہے اس کی ہدایت فرما رہے ہیں' لہٰذا یہ فتنہ اگر نتیجہ ہوتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کمزور پالیسی کا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کسی عملی کمزوری کا اس میں کوئی دخل ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ نبی ﷺ اس کی نشاندہی نہ فرماتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے باز رہنے کی تلقین نہ فرماتے جبکہ اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو کچھ کرنا چاہیے وہ سب کچھ سمجھا رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کمزوری جو گویا فتنہ کا حقیقی سبب اور بنیاد تھی اس کا آپ ذکر ہی نہ فرمائیں لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ تمام روایات جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اقربا پروری میں کمزوری دکھائی' اور نا اہل عاملین کی کمزوری نے فتنہ کھڑا کر دیا یہ اور اس طرح کی دیگر روایات صحیح احادیث کے منافی ہیں لہٰذا جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

عقل سلیم کے منافی ہونے کی مثال

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سبائی گماشتوں نے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے جعلی اور فرضی خطوط لکھ کر مختلف علاقوں کو ارسال کیے کہ مدینے میں بہت ظلم ہو رہا ہے تم لوگ آؤ اور امیر المومنین کے خلاف جہاد میں ہماری مدد کرو اور امیر المومنین سے ہمیں نجات دلاؤ' اور وہاں کے لوگوں کی طرف سے مدینہ والوں کے نام خطوط لکھے گئے کہ امیر المومنین کے عامل بہت ظلم ڈھا رہے ہیں تم لوگ ہمیں ان عاملوں سے نجات دلاؤ یہ فرضی خطوط مدینہ والوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' امہات المؤمنین اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام پر گھڑے گئے تھے تاریخ نے تسلیم کیا ہے کہ یہ سب خطوط محض فرضی تھے اور کھلا فراڈ تھے لیکن اسی سلسلہ کا ایک فرضی خط جب فتنہ بازوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر گھڑا تو مسلمہ حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ خاص ایک یہ فرضی خط مروان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے لکھا ہے مقصد یہ تھا کہ خلیفۃ النبی رضی اللہ عنہ کی پاک سیرت پر ایک خائن شخص کو ذمہ داری سونپنے کا دھبہ لگایا جا سکے کیونکہ اگر خط کا الزام مروان پر ثابت ہو جاتا ہے تو اس کا خائن ہونا ثابت ہو گیا اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت نبوت کے لیے نا اہل ہونے کا تاثر دیا جا سکے گا' افسوس یہ ہے کہ اس روایت کے قبول کرنے والوں کو ان کی عقل نے یہ نہیں سمجھایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے لکھا جانے والا فرضی خط تو چلئے مان لیتے ہیں کہ مروان نے لکھ دیا لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور امہات المؤمنین کے ناموں سے لکھے جانے والے خطوط کن مروانوں نے لکھے ہیں؟ اور اگر یہ سب خطوط فتنے بازوں نے خود لکھے تھے تو کیا ان کے ہاتھ شل ہو گئے تھے؟ کہ مزید ایسا ہی ایک اور فرضی خط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے وہ نہیں لکھ سکتے تھے؟ کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر اس کی تہمت لگانے کی ضرورت پیش آئے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی طرف اس فرضی خط کی نسبت عقل سلیم کی رو سے نرا جھوٹ اور کھلا بہتان ہے۔

صحابی کی معروف سیرت کے منافی ہونے کی مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی یہ خصوصیت معروف و معلوم ہے کہ وہ کفر کے معاملہ میں بہت سخت اور حساس ہیں بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں ان کی منفرد رائے تھی کہ سب کو قتل کر دیا جائے ایک منافق جب نبی ﷺ کے فیصلے کے بعد آپ کے پاس فیصلہ لایا تو بلا تامل اسکی گردن اڑادی، لیکن تاریخ میں ہم یہ روایت دیکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ ایک تمیمی سردار مرتد ہونے کے بعد جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ گرفتار ہوا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے بڑے پیار سے سمجھایا کہ دیکھو زکوٰۃ بھی نماز کی طرح فرض ہے، وہ جواب میں کہنے لگا ہاں آپ کے ساتھی یعنی نبی ﷺ کا خیال یہی ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا نبی ﷺ میرے ساتھی ہیں آپ کے نہیں؟ ضراراس کی گردن اڑادو چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا اس پر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے۔ مالک بن نویرہ کو کیوں قتل کیا گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو فوراً معزول کرو اس کی تلوار سے خون آشامی کی بو آتی ہے۔ اس نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں مانے کیونکہ ان کے نزدیک جو ہوا تھا ٹھیک ہوا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد زمام اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا تو وہ یہی تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے منصب سے سبکدوش کر دیا کیونکہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا اس روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مالک بن نویرہ کے قتل پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونا کھلا جھوٹ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول ضرور کیا تھا اس کی وجہ آپ نے اپنے سرکاری مراسلے میں بتائی تھی کہ لوگوں کا اعتماد فتوحات کے سلسلہ میں اللہ کے بجائے خالد رضی اللہ عنہ پر نہ ہو جائے، مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا لہٰذا مالک بن نویرہ منافق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمدردی کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معروف سیرت سے مطابقت نہیں رکھتی لہٰذا یہ روایت جھوٹی ہے جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔

سبائی روایات کا جنگل

سبائی روایات کا ایک جنگل ہے یہ وسیع وعریض جنگل الٹی سیدھی جھوٹی روایات کی خاردار جھاڑیوں سے پر ہے یہ خاردار جھاڑیاں بہت گھنی ہیں اوران کی پیچ در پیچ شاخیں جنگل کے انچ انچ پر بچھی ہوئی ہیں ان کی ژولیدہ وپیچیدہ شاخوں میں کہیں کہیں پھول بھی اٹکے ہوئے ہیں جن کی پتیوں میں کتنے ہی خار پیوست ہیں' اب یہاں جھاڑی میں ہاتھ ڈال کر شاخوں کے الجھاؤں کو کھول کر اور کانٹوں کو پھول کی پتیوں سے علیحدہ کر کے پھول کو صحیح سالم نکال لینا جان جوکھوں کا کام ہے جس کے لیے آپ کو اپنے کپڑے تارتار اور بدن داغ داغ اور لہولہان کرنے کا خطرہ مول لینا ہوگا تب جا کر کہیں اس جنگل سے ایک آدھا پھول صحیح حاصل کرنے میں آپ کامیاب ہوسکیں گے پھر بھلا اس معمولی سے فائدہ کے لیے اتنی بڑی مصیبت کون کرے اس لیے عام طور پر یہی ہوتا آیا ہے کہ اس جنگل کے رہ نورد جنگل کا جنگل اٹھا کر جوں کا توں زیب قرطاس کر دیتے ہیں جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصویر اتنی بھیانک بنتی ہے کہ اس کے سامنے آج کے پاکستانی جاگیرداروں کا یہود پسند اور اغراض پرست سیاسی ٹولہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بھلے لوگوں کا گروہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ لوگ تھے جن کی قرآنی مدح وتوصیف تو اپنی جگہ ہے ہی ان کے اخلاق وسیرت اور کردار وعمل کے آثار نے انسانی معاشرے پر جو اپنے انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں آج چودہ صدی بعد بھی انہی کی روشنی ہے جو گمراہیوں میں بھٹکے ہوئے انسان کیلئے مشعل راہ ہے۔ جن کی مدح وتوصیف خودان کے رب نے فرمائی ہو اور آخری کتاب میں ان کی مدح وتوصیف کا خاص اہتمام فرمایا ہو اور خاتم النبیین ﷺ نے باقاعدہ وصیتیں فرمائی ہوں کہ ان کی سیرت کے بارے میں کور ذوقی کا ثبوت نہ دینا ان پاک سیرت اور بلند کردار ہستیوں کو قرآن کے بجائے ان سبائی روایات کی روشنی میں' دیکھنا پرکھنا انتہاء درجے کی کور ذوقی اور دین بیزار روش ہے یہ روش کسی یہودی کی ہونی چاہیے کسی مسلمان کی روش نہیں ہوسکتی'

ہمارے ہاں ان روایات کے قبول واخذ میں عملاً دو نظریے ہیں پہلا نظریہ یہ ہے کہ

طبقات ابن سعد تاریخ طبری' البدایہ ابن کثیر الکامل ابن اثیر وغیرہ کتب تاریخ اسلام کی مستند ترین

کتب ہیں لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ ان مصنفین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اپنی کتابوں میں بالکل بے اصل باتیں منسوب کردی ہوں ان مصنفین کی اس سے پہلے اور اس سے بعد کے ادوار کی روایات قابل اعتماد ہیں تو صرف اس دور کی کیوں قابل اعتماد نہیں لہٰذا ان مستند ترین اسلامی کتب تاریخ کی روایات کی روشنی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے اگر ان کے قول وعمل کی صحیح تعبیر ممکن ہو تو اسی کو اختیار کیا جائے ورنہ معقول تاویل کی حدود سے تجاوز کر کے کسی بزرگ کی غلطی کو چھپانے کے بجائے برملا کہنا چاہئے کہ فلاں بزرگ کا یہ قول وفعل غلط تھا۔

(خلافت وملوکیت ص ۳۰۸ ملخصا)

اس نظریہ کے واحد نمائندہ اور سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی تحریک اسلامی پاکستان ہیں اور انہوں نے اپنے اس نظریہ کو خلافت وملوکیت نامی کتاب کے آخر میں حسب عادت نہایت جادو آفریں اور مغالطہ انگیز اسلوب بیان کے ذریعہ ناواقف قارئین کے لئے اثر انگیز اور قابل قبول بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے یہاں ان کے نظریہ کے غلط یا صحیح ہونے سے بحث کی گنجائش نہیں ہے یہ ایک مستقل اور وسیع الذیل موضوع ہے جو مستقل تصنیف کا مقتضی ہے خدا کرے اس پر لکھنے کا موقعہ جلد نصیب ہو اس لئے یہاں صرف اتنا کہنے پر ہم اکتفاء کریں گے کہ اوپر جس دین بیزار روش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ نظریہ اس کی نمائندگی کرتا ہے...... دوسرے لوگ وہ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن ان آلودگیوں سے پاک رکھنا چاہتے ہیں لیکن سبائی روایات کے اس پر پیچ اور سلسلہ وار جنگل کو چھانٹ دینا بھی ان کے بس کا روگ نہیں لہٰذا وہ روایات کی ژولیدہ جھاڑیوں سے کچھ نوکیلے کانٹے جھاڑ کر انہیں نارمل بنانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ تو سارے ہی کانٹے ہیں کتنے جھاڑو گے جو باقی رکھو گے وہ بھی کانٹے ہی ہوں گے۔ سبائی روایات کی ان جھاڑیوں میں اگر کہیں پھول دیکھے جا سکتے ہیں تو وہ صرف نصوص قرآنی کی خوردبین لگا کر اور احادیث نبوی ﷺ کی مشعل لے کر ہی ممکن ہیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جن روایات کو آپ پھول قرار دے رہے ہیں وہ تو بہت ہی کم ہیں ان سے پوری بات نہیں بنتی، لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر سچی بات آپ کو اتنی معلوم ہے جس سے بات پوری نہیں بنتی تو کیا پھر یہ درست ہوگا کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بہت سی جھوٹی باتیں

اس لئے منسوب کردیں کہ کہانی مکمل ہو جائے؟......اس دوسری روش پر چلنے والے ہمارے عام مؤرخین ہیں اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں تاریخ دانی کے بجائے تاریخ بینی نے رواج پایا ہے۔

ایک مغالطہ

سبائی روایات کے حامی ایک یہ دلیل بھی لاتے ہیں کہ روایت سازوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیسے معاف کر دیا کیونکہ ان ہی تاریخ کی کتابوں میں ان کی سیرت بھی بیان ہوئی ہے ان کی سیرت میں وہ گھٹیا حرکات موجود نہیں ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں ہیں اگر روایات جعلی ہوتیں تو ان دونوں کو الزامات سے مستثنیٰ رکھنے سے سبائیوں کو کیا غرض؟ یہ سوال خود سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں اٹھایا ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۱۷)

لیکن یہ سوال سبائی سازش کی تحریکی تکنیک اور ارتقائی کیفیت سے ناواقف ہونے کا نتیجہ ہے لہٰذا حقیقی صورت حال سے آگاہ ہونے کے لئے سبائی سازش کے طریقہ واردات اور نوعیت اقدام سے متعارف ہونا ضروری ہے جس کے لئے ہم سبائی سازش کی مکارانہ قرارگاہ پر ایک نظر ڈالیں گے تاکہ اس مغالطہ کا ازالہ ہو جائے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری پر ابلیس تلملا اٹھا اور آپ کی دعوت حق کی سماجی قوت نے بت پرست معاشرے میں ہلچل مچا دی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ابلیس کی مکاری جو جتن کر سکتی تھی اس میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن دعوت حق کی راہ روک لینا ممکن نہ ہو سکا'

"جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا"

حق آیا اور باطل بھاگ گیا' باطل کو تو بھاگ جانا ہی تھا...... جب بات نہ بن پڑی تو منافقت اور سازش کی راہ اپنائی لیکن وحی الٰہی کے سامنے یہ چال بھی مات کھا گئی اور نامرادی

ورسوائی کے سوا کچھ پلے نہ پڑا آخر کار آپ ﷺ کی وفات کے سانحے کو غنیمت جان کر بغاوت کا نسخہ آزمایا انکار زکوٰۃ کا ہتھیار استعمال کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ضرب کلیمی نے ہوش ٹھکانے لگا دیئے اور منافقین سمجھ گئے کہ اسلام کے کسی رکن کو اپنی جگہ سے ہٹانا ممکنات میں سے نہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہت کم وقت ملا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منافقین نے ایک نیا داؤ آزمایا کہ قرآن کے معانی میں نئی راہیں پیدا کی جائیں تفسیری مفہومات کے ذریعہ ذہنوں کے الجھاؤ کا سامان پیدا کیا جائے چنانچہ صبیغ بن عسل تمیمی ایک دفعہ حضرت فارق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور "والذاریات ذروا" کے معنی کے بارے میں سوال کرنے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنہ کے بارے میں پہلے سے علم تھا اس لئے وہ ہر جملہ کے معنے بیان فرماتے اور ساتھ ہی فرماتے کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنے نہ سنے ہوتے تو میں یہ معنے نہ کرتا گویا سائل کی غرض بھانپ لینے کے بعد اس پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ سنت نبوی ﷺ ہی قرآن کی شارح ہے کسی من چلے کی اختراع کی یہاں گنجائش نہیں آیات کے معنے پوچھ چکا تو فرمایا کہ سو کوڑے لگاؤ جب کوڑے لگ چکے تو اسے کوفہ روانہ فرمایا اس ہدایت کے ساتھ کہ اس سے کوئی بول چال نہ رکھے مکمل بائیکاٹ کیا جائے چنانچہ ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا جو شیطان میرے سر میں گھسا تھا وہ اب بالکل نکل چکا ہے اور اب میں بالکل ٹھیک اور درست ہوں چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا اور فتنہ ختم ہو گیا۔ سازشی ٹولے کا جب یہ داؤ بھی ناکامی کے گھاٹ اتر گیا تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کو مختلف فیہ بنایا جانا ممکن نہیں اور نہ کتاب اللہ میں تحریف و ترمیم ممکن ہے، پھر کیا کیا جائے؟ تو فتنہ سازوں کے ابلیسی ذہن کی تختی پر ایک نئے امکان کا خاکہ ابھرا جس پر وہ بڑی چابکدستی سے عمل پیرا ہو گئے۔ وہ یہ کہ اب منافقین اور فتنہ سازوں نے ایک نیا داؤ آزمانے کا منصوبہ بنایا کہ دین کی ضروریات میں سے کسی چیز کو مختلف فیہ بنایا جانا ممکن نہیں قرآن وسنت کے بعد تیسری چیز جو دین میں سند ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے اخلاق و سیرت سنت نبوی ﷺ کا متن ہیں اگر ان کو مشکوک بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو دین کی بنیادیں ہل جائیں گی بلکہ دین کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آرہے گی اس کا طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم ذمہ داری کے مناصب پر فائز

ہیں ان کی شخصیتوں کو الزام تراشی کا نشانہ بنایا جائے یہی وہ ایام ہیں جب عبد اللہ بن سبا یہودی اس سازشی ٹولے میں شریک ہوتا ہے اور نو آباد شہر کوفہ ان سازشیوں کا مرکز بن گیا اس منصوبہ پردہ بڑی تیاری، بڑی احتیاط، بڑی ترتیب اور بڑی چابکدستی سے عمل پیرا ہوئے اور کوفے ہی سے اس کا آغاز کیا اور اس سازش کا سب سے پہلا نشانہ بننے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کے خلاف الزامات واعتراضات کی ایک طول وطویل فہرست لے کر سبائی ٹولہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت پہنچتا ہے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص قادسیہ میں وقت کے فرعون کسریٰ کے خلاف تاریخ کی سب سے بڑی جنگ میں مصروف تھے ایسے میں اس طرح کے مفت خور ٹولے کو واجب القتل ہونا چاہیے کیونکہ ایسے نازک موقعہ پر دشمن کا ایجنٹ ہی ایسی حرکت کا ارتکاب کر سکتا ہے لیکن یہ حکومت خلافت نبوت تھی، حکومت احسان تھی اس لئے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی شرارت کو سمجھ گئے تھے اور ان شرپسندوں سے یہ کہہ بھی دیا تھا کہ تمہاری اس حرکت کے ایک شریرانہ حرکت ہونے کے لئے اتنی دلیل کافی ہے کہ تم الزامات کی یہ دست آویز اس وقت لائے ہو جب سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اللہ کی راہ میں کفر کی سپر طاقت سے برسر پیکار ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود تمہاری درخواست کو میں زیر غور لاؤں گا اور سعد رضی اللہ عنہ سے باز پرس کروں گا! (طبری ج ۳، ص ۲۰۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کروائیں الزام سو فیصد جھوٹے ثابت ہوئے موقعہ پر نہ کوئی مدعی سامنے آیا اور نہ کوئی گواہ لیکن صفائی دینے کے لئے کوفہ شہر کی پوری آبادی موجود تھی لہٰذا بات ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی کسی شخصیت کو مورد الزام ٹھہرانے کے لئے سازشی طریق کار کے سلسلہ میں یہ پہلا تجربہ تھا اس لئے سازشی ٹولہ الزامات کی فہرست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا تاکہ ردعمل معلوم کیا جا سکے کہ یہ طریقہ کار مفید رہے گا یا نہیں ورنہ اگر سازشی ٹولہ الزامات کی فہرست حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جانے کے بجائے پروپیگنڈے کے میگزین میں چڑھا دیتا جیسا کہ اس کے بعد کی روش میں انہوں نے کیا تو آج حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان جھوٹے الزامات کی رو سے ان تاریخی کتابوں کی بدولت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی فہرست میں شامل ہوئے ہوتے جن کی سبائی روایتوں نے صحابیت ہی مشکوک بنانے کی کوشش کر ڈالی، بہرحال حضرت سعد رضی اللہ عنہ

پر الزامات کا سنا جانا تو عدل اسلامی کا لازمی تقاضا تھا لیکن ادھر منافقین کے مزے ہو گئے بات بن گئی واقعی شخصیتوں کو الزامات کے نشانے پر رکھ لینا ممکن ہے اور اس پردہ در گت نہیں بنتی جو دین کے کسی رکن کو ہلانے یا قرآن کی تحریف پر بنتی ہے لہٰذا اسی راہ کو اپنایا جانا ضروری قرار پایا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر تک شہر کوفہ کی یہ حالت ہو گئی کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ کو معزول کیا شکایت یہ تھی کہ انہیں سیاست نہیں آتی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کو مقرر کیا تو وہ انہیں قبول نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر میں ذرا غور کر لوں مسجد میں چلے گئے وہاں آنکھ لگ گئی جاگے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا امیر المومنین! معلوم ہوتا ہے کہ آپ پریشان ہیں! فرمایا! کیوں نہ ہوں ایک لاکھ کی آبادی کے شہر کوفہ کو کوئی امیر ہی پسند نہیں آتا! اور نہ وہ کسی امیر کو پسند آتے ہیں!۔ (البدایہ ج ۷، ص ۱۱۹)

یہ وہ ایام ہیں جب ابھی یہ فتنہ جنم لے رہا ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام تک یہ فتنہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچ چکا تھا، نبی ﷺ نے اس فتنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

" اللسان فیھا اشد من وقع السیف " (مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل ثانی)

''اس فتنہ میں زبان تلوار سے زیادہ تیز چلے گی'' اس تیز زبانی اور سبک لسانی نے کیا کیا کرشمے دکھائے اور کیا کیا غضب ڈھائے؟ اس بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے' یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ تاریخ کی ان کتابوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر وہ الزامات کیوں نہیں ملتے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن شعبہ" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر لگائے جاتے ہیں ہمارا کہنا یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے دور تک روایات سازی کا یہ مکروہ دھندا ابھی شروع ہی نہیں ہوا تھا کہ ان پر الزامات لگائے جانے کا سوال پیدا ہوتا' زبان کا تلوار سے زیادہ تیز چلنا فتنے کے زمانے کے بارے میں بتایا گیا ہے اور فتنہ کا وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے بعد شروع ہونا تھا تو جب ابھی زبان نے تلوار کی طرح چلنا شروع ہی نہیں کیا تھا تو ان کی سیرت میں جھوٹی روایات کا طوفان کہاں سے آ جاتا اس کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ متعین تھا جیسا کہ صحیح احادیث سے واضح ہے لہٰذا الزامات کی بوچھاڑ حضرت عثمان ﷺ کے زمانے سے شروع ہوئی آغاز جیسا کہ ہم نے

ذکر کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہو چکا تھا چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ الزامات کی زد میں آچکے تھے جس کے بعد روایات سازی کا ایک منظم ادارہ وجود میں آگیا جو ایک من گھڑت کہانی کو ایسے سلیقہ سے ترتیب دیتا ہے کہ پڑھنے سننے والے اسے بلا تامل سچ تسلیم کرلیں اور اس مکروہ سازش میں اس سازشی ٹولے کو بلا کی کامیابی حاصل ہوئی، ان کی اس کامیابی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جدید دور کا ایک عظیم مصنف جو اپنے محقق ہونے اور داعی اسلام ہونے کا بلند بانگ دعویٰ بھی رکھتا ہے وہ انہی سبائی روایات سے ترتیب دی ہوئی کتب کو تاریخ اسلام کی مستند ترین کتب کہہ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مدار انہی سبائی روایات کو قرار دے رہا ہے؟ اور تلقین فرمائی جارہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وعمل جو ان سبائی روایات میں مذکور ہے اگر اس کی کوئی صحیح تاویل ممکن ہوسکے تو ٹھیک ورنہ برملا یہ کہنا چاہیے کہ فلاں بزرگ کا یہ قول یا فعل غلط تھا' حالانکہ ان کتابوں کے مستند ہونے کی حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کتابوں کے مصنفین کو خود بھی اپنی ان کتابوں کے بارے میں مستند ترین ہونے کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خود آنموصوف بھی اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت زیر بحث نہ ہو تو پھر وہ ان کتابوں کو مستند قرار نہیں دیتے چنانچہ وہ حدیث کے کسی منکر کے جواب میں فرماتے ہیں جس نے تاریخ اسلام کی ان مستند ترین کتب سے استدلال کیا تھا" ....فرماتے ہیں پھر لطف یہ ہے کہ مصنف اپنے تمام نظریات کی بناء تاریخی استدلال پر رکھتا ہے حالانکہ اگر حدیث کی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں تو تاریخ ان سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔ حدیث میں تو ہمارے زمانے سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا آئمہ تک اسناد کا پورا سلسلہ موجود ہے خواہ وہ آپ کے نزدیک مشکوک ہی کیوں نہ ہو لیکن تاریخ کے پاس تو کوئی سند ہی نہیں ہے جن قدیم کتابوں کو آپ تاریخ کا سب سے زیادہ معتبر ذخیرہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ جن مصنفین کی طرف وہ منسوب ہیں انہی کی لکھی ہوئی ہیں اس طرح جو حالات ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی آپ کوئی ایسی سند نہیں رکھتے جن کی بناء پر ان کی صحت کا یقین کیا جاسکے۔ (تفہیمات اول طبع ہشتم ص ۳۰۶)

لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا معاملہ آیا تو یہی مجہول المعرفت کتابیں تاریخ

اسلام کی مستند ترین کتب قرار پاگئیں؟۔''جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے''اور دلیل یہ دی کہ ان مصنفین کی اس سے پہلے اور اس کے بعد کے ادوار کی روایات قابل اعتماد ہیں تو اس دور کی کیوں قابل اعتماد نہیں کاش انہوں نے غور کرنا گوارا کیا ہوتا کہ جب زبان کی تلوار ابھی چلی ہی نہ تھی تو اس دور میں یہ غلط روایات کہاں سے آتیں؟ اور جب یہ تلوار چل کر اپنا کام کر کے نیام میں جا چکی تو اس کے بعد کے ادوار کے لئے کسی کو روایت سازی کے تکلف سے کیا غرض تھی؟ سبائیوں کا مقصد تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت دینی کو مجروح کرنا اس کام کو انہوں نے باقاعدہ مشن کے طور پر حضرت عثمان کے دور سے شروع کیا اور ابو مسلم خراسانی کی ہاتھوں دور بنوامیہ کے اختتام پر ختم کر دیا جس کے بعد نظریہ امامت کی بنیاد پر سبائی مشن کا اگلا مرحلہ شروع ہوا جس میں عقائد و ایمانیات تک روایت سازی کے نرغے میں آ گئے حتی کہ ان حکایت سازوں نے وہ کمی بھی پوری کر دی جس کا ذکر خلافت وملوکیت کے مصنف نے حضرات شیخین ابوبکر وعمر کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ان کی سیرت میں وہ گھٹیا روایات تاریخ کی کتابوں میں کیوں نہیں ملتیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں مذکور ہیں۔

لٰہذا اگلی قسط کے سبائیوں نے جن کی حکایت سازی کا زمانہ چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اس کمی کو بڑی فراخ دلی سے پورا کیا ہے چنانچہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فارق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسی گھناؤنی روایات کے انبار لگا دیئے جو ان گھٹیا روایات سے کہیں گھٹیا ہیں جن کے حوالے خلافت وملوکیت کے مصنف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

اور اب کی روایت سازی اتنی غلیظ اور گندی تھی کہ اسے تقیہ کی چادر میں چھپا کے رکھنے پر مجبور ہونا پڑا حتیٰ کہ اس کا تاریخ کی عام کتب میں درج ہونا ممکن نہ تھا لٰہذا معلوم ہوا کہ روایت سازی کا یہ طوفانی ریلا اسی ایک دور میں تباہی مچاتا ہے اس لئے ایک مسلمان پر لازم ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت روایات کے اس جنگل سے صرف وہی پھول چنے جن پھولوں کو قرآن وحدیث کی عینک دکھائے باقی روایات بلاتامل بھاڑ میں جھونک دے اور اس طعنے سے ہرگز نہ گھبرائے کہ پھر تاریخ کی کتابوں کو ہم کدھر کریں؟ ساری کتابیں تو انہی روایات سے بھری پڑی ہیں!

مجتہد کی حیثیت

جن مسائل میں قران وسنت کی واضح دلیل نہ ہوانہیں غیر منصوص کہتے ہیں یعنی ان مسائل کے لئے قرآن میں یا حدیث میں کوئی نص (دلیل) وارد نہیں ہوئی' مسائل غیر منصوص میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ یہ معلوم کرنا مجتہد کا کام ہے مجتہد شریعت کے آداب وحدود کی پابندی کے ساتھ ان مسائل پر غور وخوض کے لئے ان نصوص شرعیہ کو سامنے رکھتا ہے جو اس طرح کے دیگر مسائل میں وارد ہیں اور اغراض ورجحانات سے بالاتر ہوکر پوری للٰهیت اور تقویٰ کے ساتھ غور وخوض کے بعد نتیجہ پر پہنچتا ہے' اب اگر ان مسائل پر غور وخوض کرنے والے مجتہد کئی ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کے نتائج بھی مختلف ہو جائیں گے' مثلاً مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور اسود دونوں تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں مغرب کی ایک نماز میں دونوں آخری رکعت میں شامل ہوئے امام نے سلام پھیرا تو دونوں اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رکعت پڑھ کر تشہد کیا اور اسود نے صرف آخر میں تشہد کیا دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں سے اپنے اپنے عمل کی وجہ پوچھی مسروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی تھی جب کہ تشہد دو رکعت کے بعد ہوتا ہے لہٰذا میں نے اپنی ایک رکعت پڑھ کے دو رکعتوں کے بعد والا تشہد کیا اور امام والا تشہد جو ایک رکعت کے بعد تھا وہ امام کی اقتداء میں ہونے کی مجبوری تھی' اسود رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے آخری رکعت امام کے ساتھ پڑھی اور میری پہلی دو رکعتیں باقی رہ گئی تھیں جن کے درمیان کوئی تشہد نہیں ہے لہٰذا میں نے ان دو رکعتوں کے درمیان تشہد نہیں کیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم دونوں نے ٹھیک کیا لیکن مجھے مسروق کا عمل زیادہ پسند ہے......اب دیکھئے یہاں مسروق اور اسود دونوں مجتہد ہیں دونوں کو ایک ہی مسئلہ درپیش ہے لیکن دونوں کا جواب مختلف ہے اور دونوں کا جواب صحیح ہے البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک کو ترجیح دیتے ہیں، اسی لیے اہل سنت کے یہاں دو مسلک ہیں یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم دونوں نے ٹھیک کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ...... "کل مجتهد مصيب" ہر مجتہد کی رائے صحیح اور درست ہے۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ

نے فرمایا مجھے مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا عمل زیادہ پسند ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے صحیح اور درست ہے اور اسود نے رائے قائم کرنے میں غلطی کھائی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ "المجتہد یصیب و یخطی" مجتہد کی رائے کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط بھی ہوسکتی ہے پہلا مسلک ہے امام غزالی' امام مزنی' قاضی باقلانی اور متکلمین میں سے اشاعرہ کا' جمہور معتزلہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن ان کا یہ اشتراک محض تعبیر اور عنوان کی حد تک ہے یعنی اس موقع پر مصیب کا جو مفہوم علماء اہل سنت لیتے ہیں معتزلہ کا مفہوم اس سے قطعی مختلف ہے دوسرا مسلک جمہور اہل سنت احناف اور شوافع کا ہے اور بعض معتزلہ کا بھی لیکن یہاں بھی معتزلہ کا اہل سنت کے ساتھ اشتراک محض تعبیر کا اشتراک ہے امام غزالی اپنے مسلک کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> "پیش آمد واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک متعین حکم ہے اسی حکم کی طرف جستجو کا رخ ہے کیونکہ طالب کے لیے کسی مطلوب کا ہونا لازمی ہے لیکن مجتہد کو اس بات کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ ہر حال میں اسی مطلوب کو پائے جو عنداللہ متعین ہے لہٰذا یہ اس حکم کو پالینے میں خواہ غلطی ہی کرے تب بھی یہ مصیب کہلائے گا اس لیے کہ جس کا وہ مکلف تھا یعنی جو بات اس کے ذمہ تھی اسے اس نے ٹھیک ادا کردیا اور جو اس کے ذمہ تھا وہ اس نے صحیح پالیا۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر امام اعظم کے اس قول کے تقریباً موافق ہے جو اصول بزدوری میں بایں الفاظ منقول ہے "کل مجتھد مصیب والحق عنداللہ واحد" "ہر مجتہد صحیح رائے پر پہنچتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حق ایک ہے گویا امام غزالی مجتہد کی خطا سے انکار نہیں فرمارہے بلکہ وہ جستجو کے پہلو کو مدنظر رکھ رہے ہیں اور جو حضرات امکان خطا کے قائل ہیں وہ بھی جستجو کے اعتبار سے مصیب ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ نتیجہ کا پہلو یعنی" الحق عنداللہ واحد " کو سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دونوں مسلکوں میں اختلاف لفظی نوعیت کا ہے۔

اجتہادی غلطی کیا ہے؟

مجتہد سے جو غلطی ہوتی ہے یہ عام غلطیوں جیسی نہیں ہوتی جیسا کہ غلطی کے لفظ سے محسوس ہوتا ہے اس کے برعکس یہ غلطی اجر وثواب والی غلطی ہوتی ہے اور یہ اجر وثواب کا تصور ہی مجتہد کے مصیب ہونے کا عنوان بنتا ہے' مثلاً ایک سفر میں دو صحابی تیمّم سے نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد نماز کے وقت ہی میں پانی مل جاتا ہے ایک کی رائے ہے کہ میں تیمّم کی صورت میں باوضو اور طاہر تھا لہٰذا میری نماز صحیح ادا ہوئی اور اب پانی مل جانے سے ادا شدہ نماز فاسد نہیں ہوسکتی لہذا میں نماز کیوں دہراؤں؟ دوسرے نے کہا تیمّم مجبوری تھی جو وقت کے اندر دور ہوگئی اب ہم وضو کر کے نماز ادا کرنے پر قادر ہیں تو کیوں نہ دوبارہ ادا کی جائے؟ لہٰذا اس دوسرے صحابی نے نماز دہرائی' جب مسئلہ نبی ﷺ کے حضور پیش ہوا تو آپ ﷺ نے نماز نہ دہرانے والے سے فرمایا کہ'' اصبت السنة واجزاتك صلوٰتك '' تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز ہوگئی دوسرے سے فرمایا'' لک الاجر مرتین'' تجھے اجر دوبار مل گیا' اس سے معلوم ہوا کہ حق اس نے پایا جس نے نماز نہیں دہرائی اور جس نے دہرائی اس نے غلطی کھائی لیکن آپ نے تعبیر کا پیرایہ ایسا لطیف اور بلیغ اختیار فرمایا کہ گویا آپ غلطی والے کو صحیح قرار دے رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلے کے لیے فرمایا تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز ہوگئی نماز ہوگئی تو ایک سادہ سی تعبیر ہے۔ جو معمول کے اجر کی حامل ہے لیکن جو آپ نے فرمایا تو نے سنت کو پالیا اس تعبیر نے نتائج کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا کیونکہ سنت کو پالینا ہی گوہر مقصود ہے اس گوہر مقصود کو پا کر اجر کے اعتبار سے کہاں پہنچے؟ اس کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے؟ جب کہ ادائے نماز کے اجر کا حقدار وہ پہلے ہو چکا ہے لیکن دوسرا اپنے اجتہاد میں مقصود اصلی یعنی سنت کو نہیں پا سکا تو اسے خطا کار قرار نہیں دیا بلکہ اس کی دوسری نماز بھی قبول فرمائی گئی لیکن اجر دوہرا ہونے کا ذکر فرما کر حوصلہ افزائی بھی فرمادی کہ تم نے ٹھیک کیا جو دوھرا اجر کما لیا اور نہایت لطیف اشارہ بھی فرمادیا کہ تیری پہلی نماز بھی ہوگئی تھی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن جب پڑھ لی تو اجتہاد کی برکت نے شرف قبولیت سے نواز دیا' گویا خطائے ماجور کی طرف بلیغ ترین اشارہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے خطا ہو جانے کی صورت میں اس کی

شخصیت میں کوئی عیب داخل نہیں ہو جاتا اور نہ اس کی شان میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حق پر نہیں گویا اسے کسی طرح کی طعن و تنقید کا ہدف بنانا صحیح نہیں بلکہ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ متعدد مجتہدین میں سے کون صحیح رائے پر پہنچا اور کس نے غلطی کھائی اس لئے تمام مجتہدین یکساں محترم ہوتے ہیں اور سبھی اجر کے حقدار ہیں سبھی دین کے ترجمان اور دین پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان میں اگر فرق ہے تو اجر کے نقطہ نظر سے ہے اور اجر اللہ تعالیٰ کے علم کی بات ہے نہ جانے دونوں میں سے اجر میں کون بڑھ جائے ایک مسئلہ میں ایک غلطی کھا رہا ہے کسی دوسرے مسئلہ میں دوسرا غلطی کھا رہا ہے لہٰذا سبھی کا احترام واجب ہے۔

اور اگر کسی مسئلہ میں جس کا خطا و صواب ہونا کسی طرح بعد میں ہم پر واضح ہو جائے تو ہم انہیں خطا یا صواب پر کہتے ہیں تو ان کی شان کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں اور ان کی کوتاہ عملی یا خوبی کردار کی بناء پر نہیں بلکہ ہمارا یہ کہنا بھی اس خاص مسئلہ میں جس میں ان کا خطا و صواب پر ہونا ہم پر ثابت ہوا اجر کے نقطہ نظر سے ہوا کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ افضل ترین شخص غلطی کھاتا ہے اور کم درجہ والا صحیح رائے پر پہنچتا ہے تو اس سے غلطی کھانے والے کی شان صحیح رائے والے سے کم نہیں ہو جاتی مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے مسئلہ پیش ہوا کہ: ایک شخص کا بکریوں کا ریوڑ رات کو چلا اور دوسرے کی کھیتی کا صفایا کر گیا جتنی قیمت کی کھیتی تھی اتنی ہی قیمت کی بکریاں تھیں لہٰذا وہ بکریاں لے کر حضرت داؤد علیہ السلام نے کھیتی والے کو دے دیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس فیصلہ سے اتفاق نہیں ہوا کیونکہ اس فیصلہ میں ایک فریق کی حق رسی تو ٹھیک ہو گئی لیکن دوسرا فریق کلیۃً محروم ہو گیا اس لئے حضرت سلیمان علیہ لسلام نے فیصلہ یہ کیا کہ بکریاں فی الحال کھیتی والے کے حوالے کی جائیں وہ ان سے نفع اٹھائے اور بکریوں کا مالک کھیتی میں محنت کرے جب کھیتی اس جوبن پر آ جائے جس حالت پر بکریوں نے کھائی تھی تو وہ اپنی بکریاں واپس لے لے اور کھیتی اس کے مالک کے حوالے کر دے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”ففهمنا ها سليمان“ صحیح فیصلہ ہم نے سلیمان کے فہم میں ڈال دیا۔ اب دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن مذکورہ مسئلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام اجتہاد میں غلطی کھاتے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام صحیح رائے پر پہنچتے ہیں تو اجتہاد کی یہ غلطی

حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں کمی لانے کا باعث نہیں بنی وہ اس کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام سے افضل ہی رہے...... لہٰذا معلوم ہوا کہ مجتہد غلطی بھی کرتا ہے لیکن اس کی غلطی رواجی غلطی نہیں ہوتی جس سے پرہیز لازم ہو اور بچا رہنا ضروری قرار پائے بلکہ مجتہد کی غلطی بڑی قابل قدر ہوتی ہے، دین حق ہوتی ہے، باعث اجر ہوتی ہے، اور معیار عمل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تقلید کرنے والا جو تحقیق کا ایسا ملکہ نہیں رکھتا جس سے مجتہد کے خطا و صواب میں تمیز کر سکے ایسا شخص مجتہد کی ہر رائے پر عمل کرنے میں اجر کا مستحق ہوگا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ مجتہد کے خطاء پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے خطاء پر ہونے کا لوگوں کو علم بھی ہوا کرے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مختلف مجتہدین کو دلائل کی روشنی میں بیک وقت حق پر قرار دیا جاتا ہے کیونکہ کسی ایک کے حق ہونے پر کی قطعی دلیل کسی کے پاس نہیں ہوتی مثلاً نبی ﷺ نے صحابہ ؓ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور تاکید کی کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں، لیکن نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو رائے مختلف ہو گئیں بعض کہنے لگے کہ آپ کا منشا تھا کہ اتنی تیز رفتاری سے جاؤ کہ عصر بنو قریظہ میں ہو یہ مطلب نہیں کہ راستے میں نماز کا وقت ہو جائے تو تب بھی نہ پڑھنا دوسرے کہنے لگے کچھ بھی ہو عصر کی نماز آپ ﷺ نے بنو قریظہ میں پڑھنے کا کہا ہے۔ لہٰذا کسی حال میں بھی یہ نماز ہم راستے میں نہیں پڑھیں گے چنانچہ فریقین نے اپنی اپنی رائے پر عمل کیا اور جب آپ ﷺ کے سامنے مسئلہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے دونوں فریقین میں سے کسی کو سرزنش نہیں کی یعنی دونوں کے عمل کو یکساں قرار دیا لہٰذا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فریقین میں سے صحیح ترین رائے کس کی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات کی حقیقت

حل طلب مسئلہ۔

اس تمہید کے بعد اب اکمل کے حسب ذیل جملوں پر غور کریں۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر مگر ان کی خطا خطائے اجتہادی تھی حسب فرمان نبوی ﷺ وہ اس خطا پر بھی ایک اجر کے مستحق ہیں،،

یعنی دونوں جویائے حق ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حق کی تلاش ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حق کی تلاش ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ دونوں ہی حق پا لینے میں بھی کامیاب ہوں۔ کیونکہ دونوں کی تدبیر مختلف ہے تو ظاہر ہے کہ نتائج بھی مختلف ہوں گے۔ صاحب کشف الاسرار نے جستجوئے حق کے اس اجتہادی عمل کی ایک مثال سے یوں وضاحت فرمائی ہے۔

جیسے کوئی مدفون چیز ہے کئی افراد اس کی تلاش میں لگ جاتے ہیں ان میں سے کسی ایک کی کوشش محض اتفاق سے اس کو پا لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ اس کا حقدار تو پا لینے والا ہی ہوگا لیکن طلب دونوں کی سچی طلب تھی اس لیے طلب صادق پر اجر کا حق دار وہ بھی ہوگا جو گوہر مقصود کو نہیں پا سکتا۔

ٹھیک یہی معاملہ یہاں ہے' مطلوب دونوں کا حق کو پا لینا ہے طلب دونوں کی صادق ہے لہٰذا طلب حق میں دونوں اجر کے حقدار ہیں لیکن اس طلب کا نتیجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رہا لہٰذا وہ اجر میں بڑھ گئے اس لیے نہیں کہ وہ افضل تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مفضول تھے بلکہ اس لیے کہ ان کی طلب صادق کا نتیجہ درست رہا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال میں مذکور ہوا گویا نتیجہ درست ہونے کا افضل یا مفضول ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔

اب ہم اس سوال کو زیر بحث لاتے ہیں کہ وہ کیا چیز تھی جس کے دونوں طالب ہوئے اور اس طلب پر دونوں نے اجر پایا پھر نتیجے کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طلب صحیح رہی لہٰذا اجر بڑھ گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طلب نے غلطی کھائی لہٰذا اجر اکہرا ہی رہا یہاں کئی مسائل ہیں جو اختلاف کا عنوان بننا چاہتے ہیں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ ہے۔

۲۔ جنگ صفین کا مسئلہ ہے۔

۳۔ فتنہ جو بھڑ گیا ہے اس کی سرکوبی کا مسئلہ ہے۔

۴۔ قصاص خلیفہ النبی کا مسئلہ ہے۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مسئلہ ہے۔

۶۔ قصاص کے طریق کار کا مسئلہ ہے۔

ان مسائل میں خلافت کا مسئلہ مختلف فیہ نہیں یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خلافت کے دعویدار نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے دوسرا مسئلہ جنگ صفین کا ہے دونوں فریق جنگ نہیں چاہتے ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ جنگ ٹل جائے۔

تیسرا مسئلہ فتنہ کی سرکوبی کا ہے دونوں فریق اس پر متفق ہیں دونوں کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ چوتھا مسئلہ قصاص خلیفۃ النبی کا ہے دونوں فریق قصاص کو ضروری سمجھتے ہیں۔ پانچواں مسئلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ہے۔ چھٹا مسئلہ خلیفہ النبی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے طریق کار کا ہے' یہی دو مسائل ہیں جو فریقین میں مختلف فیہ ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا اصحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہو جائے جس سے فتنہ کی سرکوبی میں مدد ملے گی تبھی حضرت عثمان کا قصاص ممکن ہو سکے گا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف یہ تھا کہ خلیفہ النبی رضی اللہ عنہ پر ایک باغی ٹولے کا حملہ آور ہو کر انہیں قتل کرنا منصب خلافت کی توہین ہے اور خلیفۃ النبی کی اجتماعی توہین ہے شعائر اللہ کی علانیہ توہین کی گئی ہے اس آوارہ مزاج فتنہ پرور باغی ٹولے پر گرفت فوری ہونی چاہیے ورنہ یہ ٹولہ قابو سے باہر ہو جائے گا اور اسلامی شعائر کی توہین اسی طرح ہوتی رہے گی خلیفۃ النبی رضی اللہ عنہ کا وقار عظمت باقی نہیں رہ جائے گا اور اس طرح اسلام اپنی آبرو اور ہیبت کھو بیٹھے گا یہ ٹولہ اس وقت پورے کا پورا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے ان کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے گھیراؤ سے نکل نہیں پا رہے اسی حال میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے تو اس کا سو فیصد فائدہ فتنہ پرور باغی ٹولے کو پہنچے گا اسلام یا امت مسلمہ کو نہیں' لہٰذا ضروری ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اس فتنہ جو ٹولے کے نرغے سے آزاد ہوں ان سے قصاص لیں یا انہیں ہمارے سپرد کریں ہم ان سے قصاص لے لیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گو یا عنوان اختلاف یہ قرار پایا کہ بیعت پہلے اور قصاص بعد میں یہی امت مسلمہ اور نظام اسلامی کے بہترین مفاد میں ہے۔

یہ مؤقف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔

قصاص پہلے اور بیعت بعد میں یہی امت مسلمہ اور نظام اسلامی کے بہترین مفاد میں ہے۔یہ مؤقف ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔

گویا زیر بحث اور حل طلب مسئلہ ہے خلیفۃ النبی ﷺ کا قصاص اور قتل خلیفہ کے لئے ابھرنے والے فتنے کی سرکوبی۔

اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں دونوں فریق مخلص ہیں اپنی غرض یا ذاتی مفاد دونوں میں سے کسی کے پیش نظر نہیں دونوں کی جدوجہد دونوں کے اقدام اسلام کے مفاد میں اور شریعت کے دائرے میں ہے دونوں طرف کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت موجود ہے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی رائے میں تنہا ہیں اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رائے میں تنہا ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم پھر دو حصوں میں تقسیم تھے ایک وہ جو غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے یعنی جب تک قاتلین سے قصاص نہیں لیا جائے گا تب تک وہ الگ تھلگ رہیں گے جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، زید بن ثابت، محمد بن مسلمہ، عمران بن حصین، ابو موسیٰ، اشعری صہیب عبداللہ بن سلام، حسان بن ثابت وغیرھم اور اکثر امہات المومنین، دوسرے وہ جو بیعت نہ کرنے کے ساتھ قصاص کا مطالبہ بھی کر رہے تھے جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم۔

مودودی صاحب کا اعتراف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم کتنی تعداد میں تھے؟ اس کی کوئی آخری مقدار کسی روایت میں درج نہیں لیکن قصاص خلیفۃ النبی علیہ السلام کا موقف دلائل کے اعتبار سے نہایت قوی تر موقف تھا اس سلسلہ میں جمل وصفین میں قتال کا جو سانحہ پیش آیا اسکا تعلق موقف کی حمایت یا مخالفت سے قطعاً نہیں تھا بلکہ وہ ایک علیحدہ سبائی سازش کا شاخسانہ تھا جیسا کہ اپنے مقام پر وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی برملا اعتراف کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہ کی تعداد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی' یہ دوسری بات ہے کہ مودودی صاحب اس حمایت کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیرت وکردار کی کمزوری کا عنوان دینا چاہتے ہیں جو ان کے ذوق کی ایک مجبوری ہے' دراصل ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے ضمناً انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا ہے اشکال یہ تھا کہ جب مودودی صاحب سبائی جھوٹ کو حقیقت قرار دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام عائد کر چکے تو یہی الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کہیں زیادہ سنگین صورت میں ان کے سامنے آیا' اس الزام کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے حالات میں کیا جب کہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے ان حالات میں وہ انہیں لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۷)

اہل حق کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف رائے خالصتاً ایک اجتہادی مسئلہ تھا ڈرامائی حالات نے ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جس نے جو کچھ بھی کیا وہ اس نے اپنے ایمانی فہم سے بھرپور کام لیتے ہوئے خالصتاً اللہ کی خاطر کیا اور اللہ کے ہاں وہ ماجور ہوا لیکن مودودی صاحب اس طرح ذکر فرما رہے ہیں کہ گویا یہ پاکستانی سیاست کا کوئی مفاداتی مسئلہ ہے اور اصحاب نبی اس مسئلہ میں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی کے ممبران ہیں جنہیں

لوگ لوٹے کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن یہ دکھا دی کہ ساری امت کے سربراہ اور خلیفۃ النبی ﷺ لیکن پوری امت میں رشتے داروں کے سوا کوئی ایسا حامی ہی نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکیں انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

نازک ترین صورت حال

''بنواز دکا سردار صبرہ بن شیمان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اٹھو اس شخص کے خلاف ہم ساتھ ہیں! انہوں نے جواب میں فرمایا ہم ایک ایسے معاملہ سے دوچار ہیں جو اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا ورنہ اس بارے میں ضرور قرآن نازل ہوا ہوتا یا اس میں نبی ﷺ کی کوئی سنت موجود ہوتی' کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس معاملہ کو چھیڑنا جائز نہیں وہ ہیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اور ہم کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑنا یا مؤخر کرنا درست نہیں۔

(الکامل ابن اثیر ج ۳' ص ۲۳۷)

''ابوسلامہ دالانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور پوچھا: کیا یہ لوگ جو خون کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر ان کے پیش نظر اس بارے میں اللہ کی رضا ہے تو کیا آپ کے نزدیک یہ کسی دلیل پر ہیں؟ فرمایا ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا اس کو مؤخر کرنے میں آپ کے پاس دلیل ہے فرمایا ہاں! ایک چیز جب نہ حاصل ہو سکتی ہو تو اس میں حکم یہ ہے کہ وہ صورت اختیار کرو جو زیادہ محتاط ہو اور جس کا نفع عام ہو!......اس نے پوچھا اگر کل کو ہم آپس میں ٹکرا جائیں تو پھر ہمارا اور ان کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا یقیناً میں یہ امید کرتا ہوں کہ ہم میں سے یا ان میں سے جو بھی قتل ہوگا جس نے اپنے دل کو اللہ کے لئے صاف کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کریں گے''۔

(الکامل ابن اثیر ج ۳' ص ۲۳۷)

''ابن ابورفاعہ بن رافع حاضر ہوئے اور پوچھا اے امیر المؤمنین! آپ کیا چاہتے ہیں اور ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ فرمایا! ہم جو چاہتے ہیں اور جو ہماری نیت ہے وہ ہے اصلاح اگر وہ ہم سے قبول کریں اور اس پر لبیک کہیں! اس نے کہا اگر وہ اس پر اثبات میں جواب نہ دیں؟ فرمایا! ہم انہیں معذور سمجھ کر چھوڑ دیں گے اور صبر سے کام لیں گے اس نے کہا اگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے؟ فرمایا! انہیں اس وقت تک چھوڑے رکھیں گے جب تک وہ ہمیں چھوڑے رکھیں گے اس

نے کہا اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا؟ فرمایا! ہم پھر بھی ان سے باز رہیں گے! وہ کہنے لگا تب ٹھیک ہے"(البدایہ ج ۷ ص ۲۲۳)

اہل کوفہ کے نام جو آپ نے خط لکھا اس میں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"فالا صلاح نرید و ننوی لتعود هذه الا مة اخوانا "......ہم صرف اصلاح چاہتے ہیں تاکہ یہ امت دوبارہ رشتہ اخوت میں منسلک ہو کر بھائی بھائی بن جائیں......حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا اماں جان! آپ اس شہر میں کس مقصد سے تشریف لائی ہیں؟ فرمایا: اے بیٹے! لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اس نے درخواست کی آپ طلحہ اور زبیر کو بھی بلوائیں چنانچہ وہ دونوں بھی تشریف لے آئے تو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کہنے لگے اس اصلاح کی وہ کیا صورت ہے جو تمہارے علم میں ہے وہ کیسے عمل میں آئے گی اللہ کی قسم ہم نے اگر اسے درست جانا تو ہم بھی اسے اختیار کرلیں گے اور اگر ہم نے اسے درست نہ جانا تو نہیں اختیار کریں گے! تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے وہ ہے حضرت عثمان کے قاتلین سے نمٹنا! اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑنا ہوگا۔" (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۵)

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برابری کا تصور رکھتے ہیں کہ آپ ان سے جھگڑتے ہیں؟ فرمایا:

نہیں اللہ کی قسم میں یقین سے جانتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہی خلافت کے حقدار ہیں لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کر دیا گیا اور وہ میرے چچازاد تھے میں تو صرف ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں تم علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دے اور میں اس کا فرمان بردار ہو جاؤں گا۔

(تاریخ ذھبی ج ۲ ص ۴۰۲ والبدایۃ ج ۷ ص ۳۲۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا "اے لوگو وہ اصحاب محمد ﷺ جو نبی ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ان لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں جو اللہ کے نبی ﷺ کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوئے' ہمارے ذمہ تمہارا ایک حق ہے اور وہ تمہارا حق میں

پورے خیر خواہانہ جذبے سے پورا کیے دیتا ہوں' صحیح رائے یہ ہے کہ اللہ کے سلطان کی توہین نہ کرو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کی جرات نہ کرو اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس میں جو سویا ہوا ہے جاگنے والے سے بہتر ہے اور جو اس میں جاگتا ہے وہ بیٹھے ہوئے سے بہتر ہے اور جو اس میں بیٹھا ہے وہ کھڑے ہوئے سے بہتر ہے اور کھڑا ہوا سوار سے بہتر ہے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہے تلواریں نیام میں کرلو نیزوں کی انیاں نکال دو کمانوں کے وتر توڑ دو اور مجبوروں کو' مظلوموں کو پناہ دو جب تک معاملہ درست نہیں ہو جاتا اور فتنہ مٹ نہیں جاتا اور فرمایا اور اگر جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تو اس وقت تک کسی کے خلاف نہیں لڑیں گے جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے فارغ نہیں ہو لیں گے وہ جہاں بھی ہوں اور جو بھی ہوں۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۳)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ہمارا ساتھ دینے کے بارے میں لوگوں کی حوصلہ شکنی کیوں کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم ہم اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے اور امیر المومنین ایسی شخصیت نہیں ہیں جن کے بارے میں کسی چیز کا اندیشہ کیا جائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ہوں تیری بات سچ ہے لیکن جس سے مشورہ پوچھا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے میں نے نبی ﷺ سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ یقیناً فتنہ آئے گا جس میں بیٹھا کھڑے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے اور ہمارے جان و مال آپس میں حرام قرار دیئے ہیں" (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۴)

ان تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صورت حال انتہائی نازک اور ناقابل فہم ہے' اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فرمانا بھی یہی تھا کہ یہ وہ فتنہ ہے کہ جب آتا ہے تو ناقابل فہم ہوتا ہے اور جب چلا جاتا ہے تو پھر واضح ہو جاتا ہے' اس فتنہ کے ناقابل فہم ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء مختلف ہوگئیں' بڑے موقف یہاں تین ہیں اور تینوں موقف ایک ہدف پر پہنچتے ہیں۔

تین موقف

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف پہلے بیعت مکمل ہوجائے پھر قصاص کے لیے قاتلین خلیفۃ النبی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالا جائے۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلحہ رضی اللہ عنہ ' اور زبیر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کا موقف پہلے قصاص لیا جائے پھر بیعت کی تکمیل ہو۔

③ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ' سعد بن ابی وقاص وغیرھم کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف فتنہ نا قابل فہم ہے لہذا نبی ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے کسی معاملہ میں کوئی دخل نہ دو اپنے کام سے کام رکھو اور فتنہ سے نجات پاؤ۔

ان تینوں میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف حق ہے کیونکہ وہ نبی ﷺ کی ہدایت و وصیت پر مبنی ہے جو حدیث کی تمام مشہور کتب میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف عبارات میں مفصل اور مختصر منقول ہے جن میں صحیحین صحیح ترمذی ' ابوداؤد ' مسند احمد اور طبرانی وغیرہ کتب ہیں ' ہم یہاں کنز العمال سے صحیح مسلم کی حدیث کا ترجمہ دیتے ہیں ' آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً فتنے ہوں گے سنو پھر ایک ایسا فتنہ ہوگا کہ اس میں جو لیٹا ہے وہ بیٹھنے والے سے بہتر ہوگا اور جو بیٹھا ہے وہ کھڑے سے بہتر ہوگا اور جو کھڑا ہے وہ چلنے والے سے بہتر ہوگا اور جو اس میں چل رہا ہے وہ اس کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا ' سنو جب فتنہ آجائے تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں میں لگ جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں لگ جائے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین میں لگ جائے اور جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو وہ اپنی تلوار کو لے اور اس کی دھار پر پتھر مار کر توڑ دے اس طرح فتنے سے نجات پا جائے اگر وہ نجات پا سکے۔ اے اللہ کیا میں نے بات پہنچا دی؟ اے اللہ کیا میں نے بات پہنچا دی؟ اے اللہ کیا میں نے بات پہنچا دی؟ (کنزل العمال ج ۱۱ ص ۱۱۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں مزید یہ ہے کہ اپنی کمانیں توڑ دو ' کمانوں کے وتر کاٹ دو ' اپنی تلواروں کو پتھر پہ مار کر بیکار کر دو اگر کوئی تمہیں قتل کرنے گھر میں گھس آئے تو آدم کے بیٹوں میں سے بہتر بیٹا بن جانا"۔ (کنزل العمال ج ۱۱ ص ۱۱۱)

اس میں شک نہیں کہ موقف حق یہی ہے کیونکہ صریح نصوص پر مبنی ہے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہے آپ کی ہدایت کے عین مطابق ہے لیکن پھر سوال یہ ہے کہ اس موقف کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ اپنایا؟

عرض یہ ہے کہ اس موقف کا اپنانا ممکن العمل نہیں تھا۔ کیونکہ یہ عمل افراد کا ہے جن کی ذمہ داری اونٹ چرانے' بکریاں چرانے' زمین جوتنے یا گھر میں گھس کر بیٹھ رہنے پر پوری ہونی ممکن ہے جبکہ ایک حکمران کی ذمہ داری کے تقاضے اس سے بہت مختلف ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مختلف اقدامات کا مطالبہ کر رہے ہیں' لیکن ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصاص کو موخر کرنا اور قاتلین پر فوری ہاتھ نہ ڈالنا وجہ اختلاف بن گیا' قاتلین بہت منظم تھے اور فتنے میں بڑے پکے اور ماہر تھے سالہا سال تک بڑی احتیاط اور بڑی مہارت سے تیاری کرتے رہنے کے بعد میدان میں آئے تھے بڑے جھوٹے عیار اور مکار تھے مدینہ طیبہ پر انہوں نے پوری طرح غلبہ حاصل کر لیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم حتی الامکان جنگ سے بچنا چاہتے تھے' مدینہ طیبہ حرم نبوی ﷺ تھا اس کے تقدس کا تقاضا تھا کہ اس کی حرمت کو ان ظالموں کی دست برد سے بچایا جائے لیکن یہ ظالم کسی چیز کا لحاظ پاس کرنا نہ جانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اس موقعہ پر مدینہ طیبہ میں قصاص کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنی پوزیشن کی وضاحت فرمائی اس سے مدینہ طیبہ کی نازک ترین صورت حال کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھائیو! جو تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میں کیا کروں ایسی قوم کا جو ہم پر مسلط ہیں اور ہمارا ان پر بس نہیں چلتا' یہ وہ ہیں جن کے ساتھ تمہارے غلام بھی میدان میں آ گئے ہیں اور تمہارے اعراب بھی ان کے شانہ بشانہ ہیں اور وہ تمہارے اندر موجود ہیں تمہارے ساتھ وہ جو چاہتے ہیں سلوک کرتے ہیں' اور جو تم چاہتے ہو تمہی بتاؤ کیا اس کی کسی چیز پر اپنی قدرت کا کوئی چانس رکھتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں فرمایا: میرے ساتھیو! نہیں اللہ کی قسم نہیں میری رائے تمہاری رائے سے مختلف نہیں! ان شاء اللہ! اور اس میں شک نہیں کہ یہ معاملہ جاہلیت کا معاملہ ہے اور یہ کہ ان لوگوں کی ایک طاقت ہے لیکن شیطان کی کوئی ایسی شریعت نہیں ہے کہ اس پر کاربند ہونے والا زمین میں ہمیشہ رہے گا اور یہ معاملہ ایسا ہے

کہ اگر اسے چھیڑا گیا تو لوگ کئی طریقوں میں بٹ جائیں گے ایک گروہ وہ ہوگا جس کی رائے تمہارے والی رائے ہوگی دوسرا گروہ وہ ہوگا جس کی رائے تم سے مختلف ہوگی تیسرا گروہ ہوگا جو نہ اس رائے کو قبول کرے گا اور نہ اس رائے کو لہٰذا جب تک لوگ پرسکون نہیں ہو جاتے اور دل اپنی جگہ نہیں آ جاتے تب تک تم لوگ میرے پیچھے پڑنے کے بجائے پرسکون ہو کر رہو اور دیکھو تم پر کیا بیتتی ہے پھر جو کرنا مناسب ہوگا کر لینا۔

صورت حال کی یہ وضاحت قریش کے لئے بہت ناگوار گزری خصوصاً بنوامیہ کے یہاں سے چلے جانے کے صدمے نے قریش کو انتہائی جذباتی بنا دیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو ہم خیال تھے وہ کہہ رہے تھے اگر معاملہ بڑھ گیا تو ہم ان شریروں سے بدلہ نہ لے سکیں گے دوسرے لوگ کہہ رہے تھے کہ جو ہمارے ذمہ ہے وہ تو ہم کر ڈالیں اس میں ہم تاخیر نہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود صاحب رائے اور صاحب امر ہیں انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ معاملہ دوسروں کی نسبت قریش کے لئے سنگین ترین ہوتا چلا جائے گا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب قریش کی اس نفسیاتی پریشانی کا علم ہوا تو تشریف لائے اور حمد و ثناء کے بعد قریش کے فضائل کا ذکر کیا اور یہ کہ مجھے تمہاری حمایت کی کس قدر ضرورت ہے اور میں کس قدر تمہارے لئے فکر مند ہوں اور جان دے دوں گا تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا' میں اتنا ہی کر سکتا ہوں اور اجر اللہ کے ہاں سے ہے اور اعلان کیا کہ جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں واپس نہیں جائے گا اس کی جان کی کوئی ضمانت نہیں!...... یہ اعلان سنتے ہی سبائی اور اعراب بپھر گئے اور کہنے لگے یہی کچھ کل ہمارے ساتھ ہونا ہے اگر آج ہم اس اقدام کو کامیاب ہونے دیں تو کل ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا"

(ابن جریر طبری ۳'ص ۴۵۸۔۴۵۹)

اس طویل روایت سے مدینہ طیبہ کی نازک ترین صورتحال کے علاوہ حالات کی اس انتہائی سنگینی کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو اہل مدینہ کی مایوسی' غم وغصہ' جذباتیت' اندیشہ ہائے مستقبل اور سبائی ٹولے سے نفرت کے باعث وجود میں آئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف فی الواقع ایک زیرک اور ذمہ دار حکمران کا موقف ہے اور منافقین کی غوغا آرائی بدامنی انارکی اور سفاکی پر قابو پانے کی واحد ممکن صورت ہے لیکن قتل خلیفۃ النبی ﷺ کی جذباتی فضاء میں کیا اس موقف کا سمجھ

میں آنا ممکن تھا؟ یا آسان تھا؟

روایات کا الجھاؤ جو آج ہے اس وقت نہیں تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات پر یا ان کے عُمّال پر یا ان کے نظام حکومت پر اعتراضات کی بھرمار جو آج تاریخ کے صفحات کی زینت ہے یہ ساری گندگی اس وقت صرف فتنہ پردازوں کے تخیلات میں بھری ہوئی تھی اور عملی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا خلیفۃ النبی کی پاک سیرت شفاف نظام حکومت اور عمال خلیفہ کی حسن کارکردگی لوگوں کے سامنے تھی اور وہ ان کے دلوں کو گرویدہ کئے ہوئے تھی کہ یکا یک بدنہاد منافقوں کا وہ ٹولہ جو مسجد ضرار کے انہدام کے وقت سے ناکامی کے زخم چاٹتا آ رہا تھا وہ اپنے داؤ میں کامیاب ہو جاتا ہے اور نہایت سنگدلی اور ظالمانہ طریقے سے خلیفۃ النبی ﷺ کو حرم نبوی ﷺ میں شہید کیا جاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کی ساری نجاستیں خلیفۃ النبی ﷺ کی سیرت طاہرہ میں انڈیل دی جاتی ہیں مدینہ طیبہ پر اسی منحوس گروہ کا تسلط ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں یہی غالب ہیں باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے سامنے بے بس ہیں جس کی بڑی وجہ حرم نبوی ﷺ کے تقدس کو خونریزی کی آلودگی سے بچانا بھی ہے اس بے بسی کا اندازہ کیجئے اس واقعے سے کہ بصرے والوں کی طرف سے بصرے کے قاضی کعب بن سور کو مدینہ طیبہ اس غرض سے بھیجا جاتا ہے کہ وہ تحقیق کر کے بتائے کہ طلحہ زبیر رضی اللہ عنہما سے واقعی جبراً بیعت لی گئی تھی؟ مسجد نبوی ﷺ میں وہ بھرے مجمع میں یہ سوال دوہراتا ہے لیکن کسی میں جواب کا حوصلہ نہیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔" ہاں! ہاں! یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے بیعت نہیں کی تھی مگر جب انہیں مجبور کیا گیا"

(طبری ج ۵ ص ۴۸۴)

"یہ سننا تھا کہ لوگ اسامہ پر جھپٹ پڑے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اٹھے جب لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ اب اسامہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے گا تو حضرت محمد بن مسلمہ نے جرأت کر کے اعلان کیا کہ ہاں! ہاں! واقعی ایسا ہی ہے ہٹ جاؤ اس شخص کو کچھ نہ کہو ادھر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے نرغے سے نکال لینے میں کامیاب ہو گئے اور ان کو گھر لے آئے اور فرمانے لگے تو جانتا تو ہے کہ ام عامر کو حماقت ہی آتی ہے (یہ کوئی ضرب المثل ہے جو محاورے میں بولی جاتی ہے) کیا آپ کو وہ خاموشی گوارا نہیں جو ہم

نے گوارا کر رکھی ہے؟ اسامہ کہنے لگے نہیں اللہ کی قسم میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ معاملہ اس انتہاء تک پہنچ چکا ہے جو میں اب دیکھ رہا ہوں'' (طبری ج ۳' ص ۴۸۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ: ''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو لوگوں کا معاملہ حالات کے رحم و کرم پر تھا اور سبائیوں کی صوابدید پر تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں تھا ان کے بڑے وہی خارجی تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا حضرت علی ان سے حقیقت میں بہت نفرت کرتے تھے لیکن وہ منتظر تھے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی موقع آئے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان پر قابو پائیں تا کہ ان سے اللہ کا حق لیا جائے لیکن جب معاملہ اسی طرح چلتا گیا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حاوی ہو گئے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان سے روک دیا''

(طبری ج ۳' ص ۴۸۴)

اس حوصلہ شکن ، اندوہناک ، الم انگیز نفسیاتی فضا میں ملیح بن عوف سلمی جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں: ''اے ابو عبد اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا امیر المومنین پر ظلم ڈھایا گیا بالآخر انہیں قتل کر دیا گیا بلا کسی الزام اور بلا کسی عذر کے! ملیح بن عوف نے پوچھا یہ کس نے کیا؟ فرمانے لگے: مختلف شہروں کے آوارہ گردوں اور مختلف قبائل کے اوباشوں نے اور غلاموں اور اعراب نے ان کی پشت پناہی کی، ملیح نے کہا پھر آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟...... فرمایا: ہم لوگوں کو اٹھائیں گے تا کہ اس محترم خون کا بدلہ لیا جائے کہیں یہ خون رائیگاں نہ جائے کیونکہ اگر اس کو رائیگاں جانے دیا گیا تو پھر ہمیشہ ہمارے درمیان اللہ کے سلطان (حکومت) کی توہین ہوتی رہے گی جب لوگوں کو اس طرح کی خرمستیوں سے باز نہیں رکھا جائے گا تو کوئی امام نہیں بچے گا جسے یہ چوٹ قتل نہ کر ڈالے گی اور فرمایا: اللہ کی قسم اسے چھوڑ دینا نہایت سنگین ہوگا تم نہیں جانتے کہ یہ کہاں تک چلے گا'' (طبری ج ۳، ص ۴۸۴)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کو خطاب فرما رہے تھے حمد و ثناء کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان فرمائے مدینہ طیبہ کے فضائل بیان فرمائے اور حرم نبوی ﷺ کی اس توہین کا ذکر کیا جو منافقین کے ہاتھوں ہوئی اور جو سلوک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روا رکھا گیا اسے نہایت سنگین قرار دیا اور ان کے خون کا بدلہ لینے کی دعوت دی اور فرمایا:

یقیناً اس میں اللہ کے دین کو عزت دینا ہے اللہ کے سلطان کو عزت دینا ہے مظلوم کے خون کے بدلے کا معاملہ اللہ کے حدود میں سے ایک حد ہے اور یہ حقیقت ہے اگر تم نے اللہ کی اس حد کو ترک کر دیا تو تمہاری کبھی کوئی حکومت قائم نہیں ہوگی اور نہ تمہارا کوئی نظام ہوگا‘‘

(طبری ج ۳، ص ۴۸۱)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے خطاب میں فرمایا: لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر جھوٹے بہتان باندھتے رہے اور ان کے عاملین میں عیب نکالتے رہے اور مدینہ طیبہ میں ہمارے پاس آتے تھے اور عاملین کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتاتے تھے اس کے بارے میں ہم سے مشورہ لیتے اور ہماری بات کو اپنے معاملات کی درستی کے لئے اچھا سمجھتے تھے لیکن جب ہم اس معاملہ کی چھان بین کرتے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو بے گناہ پاکدامن اور باوفا پاتے اور ان کو فسادی اور جھوٹا پاتے ان کے مقاصد وہ تھے جنہیں یہ ظاہر نہیں کرتے تھے پھر جب انہوں نے غلبہ کی قوت حاصل کر لی تو خلیفۃ النبی ﷺ پر چڑھائی کر دی اس کے گھر میں گھس کر اس پر حملہ بول دیا اور خون جو محترم تھا اور مال جو محترم تھا اور حرم نبوی ﷺ جو محترم تھا سب کی بے حرمتی کر ڈالی بلا کسی الزام کے اور بلا کسی عذر کے! سنو وہ بات جو مناسب اور لائق ہے اور جس کے سوا کوئی دوسری بات مناسب اور لائق نہیں، وہ ہے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالنا اور اللہ کی کتاب کو قائم کرنا‘‘

(طبری ج ۳ ص ۴۸۱)

ناقابل فہم صورت حال

معصوم ومظلوم خلیفۃ النبی ﷺ کے قتل کی غم انگیز ساعتیں ان کے گھر بار کو سنگدلی اور بے شرمی سے لوٹے جانے کا بھیانک منظر' حرم نبوی ﷺ پر کریہہ صورت قابل نفرت' منحوس چہروں کا غلبہ' قتل خلیفہ کا بدلہ لینے کے لئے سینوں میں غم وغصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ' مدینۃ النبی ﷺ میں شعائر اسلام کی بے حرمتی اور اس کی تلافی کے لئے شدت احساس کی بے تابیاں اس سفاکی اور انارکی کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے مایوسیوں کے اندھیرے' ہوش وخرد پر شدت جذبات کے پہرے اس پر مستزاد سفاکانہ کرتوت کے بعد اوباشوں کا طوفان بدتمیزی' نفسیاتی فضاء کی اس پیچیدہ ونازک کیفیت کو سامنے رکھیں پھر حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما اور ام المؤمنین کے موقف پر غور کریں جو انہوں نے اپنے خطابات میں بیان کیا تب اس کا صحیح وزن صحیح اہمیت معلوم ہوگی ٹھیک یہی موقف شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا.......... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف فی الواقع ایک حد درجہ زیرک اور مدبر انسان کا موقف ہے جس کے تدبر اور زیرکی پر نفسیاتی فضاء کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے لیکن اس کا بروئے کار آنا مبنی ہے جذبات کے ٹھہراؤ اور امیدوں کی بہار پر جب کہ یہاں کی فضاء جذبات کے طوفانوں اور مایوسیوں کی باد صرصر کے نرغے میں ہے ایسے میں وہ بات باسانی سمجھ میں آتی ہے جو جذبات کے تقاضے پورے کرتی ہو اور امیدوں کی جوت جگاتی ہو یہ خصوصیت حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما ' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف میں تھی اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہ نتائج کی کیفیت پر تھی جس پہ جھانک لینے کی راہ میں نفسیاتی فضاء کے دبیز پردے حائل ہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں نہ آسکا چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو طبری کی روایت کے مطابق ''یہ معاملہ اہل'' مدینہ پر بہت شاق گزرا لہٰذا وہ ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے...... اور وہ کہہ رہے تھے اللہ کی قسم ہمیں کیسے کرنا چاہے؟ ہم کچھ نہیں جانتے!!! اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہمارے فہم سے بالا ہے لہٰذا ہم گھر میں بیٹھے رہیں گے جب تک معاملہ ہمارے لئے واضح اور روشن نہیں ہو جاتا'' (طبری ج ۳' ص ۴۶۶)

حتی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو اہل بیت میں سے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف سے اتفاق نہیں کر پائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا اتفاق نہ کرنا ناگوار گزرا چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام حرملہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوفے بھیجا حرملہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں: فرماتے ہیں مجھے اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوفے کسی کام سے بھیجا اور فرمایا وہ آپ سے ضرور پوچھیں گے اور کہیں گے کہ آپ کے ساتھی (اسامہ رضی اللہ عنہ) کو کس چیز نے پیچھے رکھا؟ تو تم ان سے کہنا کہ اسامہ یہ کہتا ہے کہ اگر آپ شیر کے جبڑوں میں ہوں تو مجھے اس بارے میں آپ کے ساتھ ہونا محبوب ہوگا۔لیکن یہ معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو میری سمجھ میں نہیں آرہا'' اور تو اور آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کے مسلک کی طرف مائل ہیں چنانچہ جب جمل میں سبائیوں نے اچانک جنگ شروع کر دی اور فریقین انتہائی کوشش کے باوجود جنگ کو روکنے میں ناکام ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شدت جذبات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگایا اور فرمایا: ''اناللہ'' یا حسن اس کے بعد کس بھلائی کی امید کی جائے؟ اور فرمایا: اے حسن! کاش تیرا باپ آج سے بیس سال پہلے مر چکا ہوتا! حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ابا جان! میں نے آپ کو اس سے روکا تھا؟ فرمایا اے بیٹے! میں نہیں سمجھتا تھا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا''۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت بیزار ہو کر فرمایا: کتنی عجیب بات ہے کہ میری نافرمانی کی جاتی ہے اور معاویہ کی بات مانی جاتی ہے''

(تاریخ الاسلام ذھبی ج ۲، ص ۱۴۱ ۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ: ہم اصحاب محمد ﷺ فتنہ کو زیادہ بہتر جانتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ فتنہ جب آتا ہے تو ناقابل فہم ہوتا ہے جب چلا جائے تو واضح ہو جاتا ہے'' گویا صورت حال اتنی پیچیدہ اور ناقابل فہم تھی کہ اس میں صحیح فیصلہ کرنا اور صحیح رائے تک رسائی حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہو رہا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کا مختلف آراء پر عمل پیرا ہونا ان کے کسی ذاتی رجحان کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ خالص اللہ کے لئے امت کی بہتری کے لئے دین کی بھلائی کے لئے آخرت میں جوابدہی کے پورے احساس کے ساتھ اپنے فہم و دانش سے جس رائے کو انہوں نے صحیح دیکھا اس پر وہ چلے اور اس پر چلنے میں وہ کسی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے۔

ایک اشکال

اب تک کے بیان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل خلیفۃ النبی ﷺ کے فتنہ کے بارے میں تین موقف واضح اور مبرہن ہو گئے تینوں موقف اپنے دامن میں وافر شرعی دلائل لئے ہوئے ہیں لیکن ان میں جیسے کہ پہلے مذکور ہوا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی رائے کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف احادیث کی صریح نصوص پر مبنی ہے اس بناء پر ذہن میں یہ سوال خلجان پیدا کرتا ہے کہ جب اس فتنہ کے بارے میں ایسی صریح نصوص موجود تھیں تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھا کیونکہ ان صریح نصوص کی موجودگی میں کسی دوسرے موقف کو اختیار کرنے کی گنجائش موجود ہی نہیں رہتی! یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے بصرے کا قصد کیا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں پابند رہنے کا مشورہ دیا تھا اور نکلنے سے روکا تھا چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا! ''اے امیر المومنین اس شہر سے نہ نکلئے اللہ کی قسم اگر آپ اس شہر سے نکل گئے تو مسلمانوں کی حکومت دوبارہ کبھی اس شہر کی طرف واپس نہیں ہوگی'' خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ طیبہ سے نہ نکلنے کا عرض کیا تھا اور بصرہ کی طرف اقدام نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا بلکہ اس وقت تک بیعت سے کنارہ کش رہنے کا مشورہ دیا تھا جب تک تمام شہروں سے بیعت کا متفقہ مطالبہ نہ آ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی اس امر کی گنجائش تھی کہ وہ ایک فرد کی حیثیت سے اپنے گھر بیٹھتے اور حدیث نبوی ﷺ کے ارشاد گرامی پر عمل پیرا ہوتے جب لوگ متفق ہو جاتے تو اختلاف و انتشار کا اندیشہ ختم ہو جاتا پھر بیعت قبول کرتے اور اگر بیعت کر ہی لی تھی تو فتنہ کی طغیانی کے عرصہ تک مدینہ طیبہ میں رہ کر فرائض انجام دیتے جس سے حدیث نبوی ﷺ کا منشاء پورا ہوتا ؟...... غرض یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ جس پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا ہوئے بلاشبہ صحیح اور مشہور حدیث ہے لیکن حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے ''ستکون فتنۃ'' ...... ایک فتنہ اٹھے گا ...... یہ فتنہ کب ہو گا ؟ اور قتل خلیفۃ النبی ﷺ کا فتنہ کیا اسی کا مصداق ہے یا یہ مستقبل کا کوئی دوسرا فتنہ ہے؟ یہ

سوالات ایسے تھے جن میں اختلاف کی گنجائش تھی کیونکہ مذکورہ حدیث شریف میں فتنہ کے کسی مقرر وقت کی نشان دہی نہیں کی گئی چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا اور اس فتنہ کو اس حدیث کا مصداق تسلیم نہیں کیا' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری جامع کوفہ میں ممبر پر یہی حدیث سنا کر لوگوں کو فتنے سے بچ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے کی تلقین فرما رہے تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر کہنے لگے: اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس اکیلے کو کہا ہے کہ تو اس فتنہ میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہے۔

(البدایۃ ج ۷' ص ۲۲۴)

اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ایک شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑا لوگوں میں تو تکار شروع ہو گئی تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سب کو ٹھنڈا کیا اور پھر فرمایا کہ: اے لوگو! میری بات مانو اور اقوام عرب میں سے بہترین قوم بن جاؤ جن کے زیر سایہ مظلوم کو ٹھکانا ملتا ہے اور جن میں خوفزدہ کو امن نصیب ہوتا ہے فتنہ جب آتا ہے تو ناقابل فہم ہوتا ہے اور جب جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے"

(البدایۃ ج ۷' ص ۲۲۴)

یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی رائے کی تغلیط نہیں فرمائی بلکہ اپنی رائے کے مطابق بات کرتے ہوئے فتنہ کو ناقابل فہم فرما کر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے عذر کی نشاندہی فرما دی اور اپنے موقف کی تائید کرتے ہوئے لوگوں کو اس پر ثابت قدمی سے جمے رہنے کی تلقین فرمائی' ایسے ہی حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر فرمایا: حق تو وہی ہے جو حضرت امیر (ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا لیکن لوگوں کے لئے کسی امیر کا ہونا تو بہرحال ضروری ہے جو ظالم کی سرکوبی کرے اور مظلوم کی حق رسی کرے اور منتشر جماعت کی شیرازہ بندی کرے۔ (ایضاً)

گویا وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے موقف کو درست قرار دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی ایک اور شرعی دلیل سے توثیق فرما رہے ہیں اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان کی اس دلیل کی تردید نہیں فرماتے' گویا تینوں فریق شرح صدر سے اپنے اپنے موقف پر قائم ہوتے ہوئے دوسرے فریق کے موقف کو غلط قرار دینے کی جسارت نہیں کر رہے کیونکہ انہیں مسئلہ کے اجتہادی

ہونے کا احساس ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ سراسر اجتہادی ہے؟ رہا یہ سوال کہ جب معاملہ کلیۃ اجتہادی ہے تو کیسے معلوم ہوا کہ فلاں صحیح تھا اور دوسرا خطائے اجتہادی پر تھا؟ عرض یہ ہے کہ یہ بات ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوئی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے ایک قوم کا ذکر کیا جو اس وقت نکلیں گے جب لوگ اختلاف کی وجہ سے کئی گروہوں میں بٹ جائیں گے ان کو پھر وہ قتل کرے گا جو اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں سے حق کی طرف زیادہ قریب ہوگا۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۸۴)

اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ فتنہ کی وجہ سے جب اختلاف رونما ہوگا تو اس سے متعدد گروہ وجود میں آئیں گے چنانچہ اوپر جو حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے گزری ہے اس میں آپ ﷺ نے فتنہ کے سد باب کے سلسلہ میں اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے والوں کے لئے کئی نسبتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سویا ہوا' جاگنے والا' بیٹھا ہوا' کھڑا ہوا چلنے والا دوڑنے والا اور سب کے لئے فرمایا ''خیر اس سے معلوم ہوا کہ فتنے کے انسداد کی تدابیر میں رائے مختلف ہوں گی اور ہر صاحب رائے اپنے اخلاص کی بناء پر صفت خیر سے متصف ہوگا گویا یہ اختلاف حق و باطل کا نہیں بلکہ انسداد فتنہ کے طریق کار کا ہے لیکن اس فتنہ کا انسداد چونکہ ممکن نہ ہو سکے گا بلکہ انسداد کی کوششیں اس میں مزید شدت کا سبب بنیں گی لہٰذا اس سلسلہ کی مساعی میں جو جتنا پیچھے رہے گا اتنا ہی بہتر اور خیر میں رہے گا اور چونکہ تمام تر مساعی احساس فرض کا نتیجہ ہیں اس لئے خیر سے محروم کوئی بھی نہیں رہے گا' پھر ان میں سے ایک جماعت نکلے گی جس کو مارقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی دین سے پار نکل جانے والے اس جماعت مارقہ کو وہ گروہ قتل کرے گا جو دو گروہوں میں اقرب الی الحق ہوگا یعنی حق سے زیادہ قریب' دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ان مختلف گروہوں میں پھر دو گروہ نمایاں ہوں گے چنانچہ یہ دو گروہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ ام المؤمنین اور حضرت معاویہ کا گروہ اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ ہیں ان دو گروہوں میں پھر آپ ﷺ نے ''ادنیٰ الی الحق'' حق سے زیادہ قریب اس گروہ کو فرمایا جو جماعت مارقہ کو قتل کرے گا وہ گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے جنہوں نے خارجیوں کو قتل کیا اور یہی جماعت مارقہ تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے گروہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ حق کی

طرف زیادہ قریب ہے پھر زیادہ قریب ہونے کی تعبیر سے معلوم ہوا کہ شاید یہاں ایک تیسرا گروہ ہے جو "علی الحق" یعنی حق پر ہے' گویا اب یہاں تین گروہ ہو گئے۔

① الطائفة الا ولی پہلا گروہ "علی الحق" یہ گروہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم رائے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جنہوں نے "النائم فیھا خیر من الیقظان" والی حدیث کو پیش نظر رکھا اور "احملو اذ کر کم والزموا بیوتکم"......اپنے آپ کو گم نام کر لو اپنے گھروں میں پابند ہو کے رہ جاؤ......فرمان نبوی ﷺ کو عمل کا معیار بنایا لیکن یہ عمل افراد کے لئے ہے خلیفۃ النبی ﷺ کے لئے ممکن العمل نہیں جسے اجتماعی زندگی کو کنٹرول کرنا ہے۔

② الطائفۃ الثانیہ دوسرا گروہ: اقرب الی الحق' یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے جو خلفاء ثلاثہ کے بعد افضل امت ہیں اور خلیفہ النبی ﷺ ہیں۔

③ الطائفۃ الثالثۃ تیسرا گروہ' قریب الی الحق یہ گروہ حضرت ام المومنین' عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ النبی ﷺ فی الدنیا والآخرۃ اور زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما افضل الامتہ بعد خلفاء الراشدین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ھادیا مہدیا کا ہے سبھی اللہ کے محبوب اور پیارے بندے تھے سبھی کا مقصد سبھی کی کوشش فتنہ کی سرکوبی اور فتنہ کا سد باب تھا سبھی کا نصب العین اللہ کی رضا اور سبھی کے پیش نظر امت کی بہتری' بھلائی' فلاح و بہبود اور خیر خواہی تھی' آپس میں بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے تدبیریں مختلف تھیں جس سے عمل کے راستے مختلف ہو گئے' سبائی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت سب کے مشترکہ دشمن تھے پروپیگنڈا مہم میں وہ بڑے ماہر تھے انہوں نے روایات سازی کے مکروہ دھندے کے ذریعہ ان نفوس طاہرہ کی سیرتوں کا جو چاہا نقشہ تیار کیا اسی بات سے شیطان نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسی کے وہ کارندے تھے۔

اب تک کی بحث سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو گئی کہ قتل خلیفۃ النبی ﷺ کے سانحہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیدا ہونے والے اختلاف کی نوعیت اس سے قطعی مختلف ہے جو عام طور پر پروپیگنڈے اور شور شرابے میں ہم سنتے ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سب گروہوں کی مساعی کا ہدف محض اصلاح تھا تو پھر جمل وصفین کی جنگیں کیوں پیش آئیں جب کہ اختلاف رائے سے عہدہ برآ ہونے کے اس سے بہتر اور مفید طریقے ہو سکتے تھے؟

لہٰذا اب ہم اس سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں! اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

جنگ جمل کیوں ہوئی؟

جمل وصفین کے جہاں تک ایک اہم ترین اور اندوہناک تاریخی واقعہ ہونے کا تعلق ہے یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے لیکن جہاں تک اس کی افسانوی تصویر کا تعلق ہے تو اس میں من گھڑت روایات' جھوٹ افتراء اور بہتان کی وہ بھرمار ہے کہ توبہ بھلی! لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرت کی آبرو کی خاطر اس جھاڑ جھنکار میں پڑنا ہی ٹھہرا تو یہ تنبیہ کرنا ایک بار پھر ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سلسلہ وار تاریخی واقعات کا محض ایک حصہ نہیں ہے بلکہ یہ دین حق کا متن ہے۔ شریعت اسلامی کا دوسرا نام صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت ہے لہٰذا شریعت مطہرہ کی طرح مطہرہ ہے اس لئے ان دونوں جنگوں کا مطالعہ کرتے وقت مطالعہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جنہیں ہم تمہید میں ذکر کر آئے ہیں۔ یعنی ہر وہ روایت من گھڑت اور جھوٹی سمجھی جائے جو قرآنی نصوص سے متصادم ہو' یا حدیث نبوی ﷺ کے معارض ہو یا درایت یعنی عقل سلیم کے منافی ہو اور یا متعلقہ صحابی کی معروف سیرۃ سے مناسبت نہ رکھتی ہو۔

خلافت راشدہ میں شخصی آزادی:

اس کے بعد اس شخصی آزادی کا بھی ہلکا سا خاکہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے جس کا دائرہ خلافت راشدہ کی برکت سے لامتناہی حدوں تک وسیع تھا۔ حدود اللہ اور حقوق اللہ کو مجروح کئے بغیر ہر شخص کو آزادی تھی کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے کہے اور جیسے چاہے رہے۔ لیکن محدودیتوں سے ناآشنا جمعیتوں اور برکتوں کا منبع یہ آزادی منافقوں کو راس نہیں آئی انہوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اس کی ناقدری کی اور فتنہ وفساد کا ذریعہ بنایا اور انسانیت کے اس مقدس حق کو ہمیشہ کے لئے مجروح کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی سلطنت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ مغرب میں مراکش اور مشرق میں مکران اور کابل جنوب میں نائجیریا اور شمال میں وادی فرغانہ یعنی آباد دنیا کے تقریباً اسی (۸۰) فیصد حصہ پر حضرت عثمان کی حکومت تھی۔ اور فتوحات کا دائرہ ابھی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا' ایک طرف خلافت راشدہ کے مبارک نظام میں تقریر و تحریر کی کھلی آزادی جس کی کوئی مثال اس کے بعد چشم فلک نے نہیں دیکھی' اور خوشحالی کا سیلاب جو قیصروں اور کسراؤں کے خزانوں تک عوام الناس کی رسائی کی بدولت امڈا چلا آ رہا تھا دوسری طرف منافقوں اور غداروں کا طائفہ جو بظاہر مسلمان ہی کہلاتے تھے لیکن قومی تعصب کی بناء پر عربوں کے خلاف خصوصاً قریش کے خلاف سینے میں حسد کی آگ بھڑکتی تھی اور قریش کی بالادستی کے خلاف انتقام کی آگ میں جلتے تھے ایک مثال سے اس کا اندازہ کریں۔

حضرت سعید بن العاص کی عوامی مجلس میں ایک خنیس نامی شخص کہنے لگا کہ حضرت طلحہ کی سخاوت حیرت انگیز ہے!! حضرت سعید فرمانے لگے جس کے پاس ''نشاستہ'' جیسی جاگیر ہو وہ کیوں نہ سخی ہو اگر ایسی جاگیر میرے پاس ہوتی تو تم لوگ عیش و عشرت کے مزے لوٹتے اس پر خنیس کا نوعمر بیٹا عبدالرحمٰن کہنے لگا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ آل کسریٰ کی جاگیر کا کوفہ کے ساتھ ساتھ ساحل فرات کا سارا علاقہ آپ کو مل جائے' وہاں پر موجود اوباشوں کا ٹولہ کہنے لگا اللہ تیرا منہ توڑے دانت ایک نہ رہے اللہ کی قسم! ہمیں تیرا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ لڑکے کا باپ کہنے لگا یہ بچہ ہے اس پر تم زیادتی نہ کرو' وہ کہنے لگے یہ ہماری زمینیں اس کے حوالے کرنے کی آرزو رکھتا ہے؟ باپ کہنے لگا تمہارے لئے وہ اس سے بھی کہیں زیادہ آرزوئیں رکھتا ہے وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اس کو تو نے سکھایا ہے بس پھر کیا تھا دونوں باپ بیٹے کی پٹائی شروع ہو گئی حضرت سعید کے چھڑاتے چھڑاتے انہوں نے مار مار کر دونوں کو بے ہوش کر دیا۔ مارنے والوں میں اشتر نخعی ابن ذی الحبکہ جندب صعصعہ ابن الکواء کمیل اور عمیر بن ضابی تھے۔ (ابن جریر طبری ج ۳ ص ۲۳۱)

اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور جمل و صفین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے یہ واقعہ ۳۳ ہجری میں پیش آیا جس کے دو اڑھائی سال بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔

گویا انہوں نے آزادی کے معنی مادر پدر آزادی سمجھ لئے تھے جبکہ خلافت راشدہ وہ مبارک حکومت تھی جس میں ہر شخص کو مکمل آزادی تھی۔ اس بارے میں ایک عام آدمی اور خلیفۃ النبی میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ دوسری طرف حدود اللہ میں قطعاً کوئی رعایت نہ تھی اس بارے میں بھی ایک عام آدمی اور خلیفۃ النبی میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ لیکن یہ اوباشوں کا ٹولہ حدود اللہ میں بھی من مانی کرنے کی آزادی چاہتا تھا۔ چنانچہ حکیم بن جبلہ نامی ایک ڈاکو تھا جو بصرہ سے باہر وارداتیں کرتا تھا اور ذمی غیر مسلموں کو لوٹ لیتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی گئی تو انہوں نے اسے حدود بصرہ میں پابند کئے جانے کا حکم فرمایا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا' عبداللہ بن سبا منافق پہنچ گیا۔ اور دیگر ہم پیالہ وہم نوالہ بھی جمع ہو گئے۔ ایک اور سرغنہ حمران بن ابان نامی شخص جس نے ایام عدت میں ایک عورت سے شادی رچالی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے سرزنش کی اور دونوں میں جدائی کر دی۔ حضرت عبداللہ بن عامر نے ابن سبا کو بصرے سے نکال دیا لیکن وہ اس عرصہ میں اوباشوں کے گروہ کو منظم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر کوفہ پہنچا وہاں سے بھی نکال دیا گیا لیکن وہاں بھی اپنا گروپ منظم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں سے مصر پہنچا وہاں اسے ٹھہرنے کی سہولت میسر آئی وہاں سے کوفہ وبصرہ کے سازشیوں کو بذریعہ خط وکتاب اور پیغام رسانی تربیت دیتا رہا۔ مصر میں وہ بنفس نفیس موجود تھا اس کا ساحرانہ اسلوب گفتگو' حالات کا عیارانہ تجزیہ ناصحانہ انداز کا طرز تنقید' مومنانہ' متقیانہ اور عارفانہ بہروپ اور قول زور کی دل فریبی میں ماہرانہ دسترس یہ اس کے دام تزویر کے وہ حلقے ہیں جو ہمرنگ زمین ہونے کی بناء پر بعض اہل بصیرت کی نگاہوں تک کو دھوکا دے گئے۔ اوباشوں کا تو ذکر ہی کیا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس کے دام ہمرنگ زمین سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

یہاں ان حالات کا تجزیہ وتنقید مقصود نہیں یہ ایک الگ موضوع ہے جو بجائے خود تحقیق وتنقید کا متقاضی ہے لیکن اس وقت ہمیں اپنے مدعا کو جمل وصفین تک محدود رکھنا ہے اس لئے یہ مثالیں ان حالات کا ایک عمومی نقشہ سامنے لانے کے لئے پیش کی گئی ہیں جو ان جنگوں کا سبب بنے۔

خلافت علی منہاج النبوہ یعنی خلافت راشدہ کا ایک خاص امتیاز یہ تھا کہ شخصی آزادی پر اس وقت تک کوئی قدغن نہیں لگائی جاتی تھی جب تک وہ حدود اللہ وحقوق العباد سے نہ ٹکرائے پھر حقوق العباد میں بھی خلیفۃ النبی اپنے ذاتی حقوق کے بارے میں احسان کی روش پر کاربند رہتے

ہیں۔ انہیں برا بھلا کہو' گالی دو' تنقید کرو' الزام لگاؤ' بدنام کرو اور گریبان پکڑو لیکن جواب میں در گزر کرنا' معاف کرنا اور صبر کرنے کے علاوہ کوئی سزا یا انتقامی کاروائی آپ نہیں دیکھیں گے۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ جو عبداللہ ابن سبا کے دام تزویر میں پھنس گئے تھے یہ دونوں نوجوان اہل روم کے خلاف بحری جنگ میں مسلمان فوج میں موجود ہیں۔ لیکن جہاد کی غرض سے نہیں۔ بلکہ ابن سبا ملعون کے زیر اثر مسلمان فوج کے حوصلے پست کرنے کے لئے نظم کو خراب کرنے کے لئے منفی پروپیگنڈے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مخالفانہ مہم چلانے کے لئے فوج میں انتشار پھیلانے اور فساد ڈالنے کے لئے۔ حالانکہ یہ بحری جنگ تاریخ کی انتہائی نازک اور خطرناک ترین جنگ تھی۔ اس جنگ میں ایسی خطرناک حرکت ایک ایسا بھیانک جرم ہے جو موت سے کم سزا کا متقاضی نہیں لیکن آزادی رائے کا یہ عالم ہے کہ اتنے بڑے سنگین جرم کا ارتکاب مسلسل کیا جا رہا ہے اس کے باوجود ان دونوں حضرات کی آزادی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن ابی سرح انہیں صرف یہ تنبیہ کر کے رہ جاتے ہیں کہ تم لوگ اس حرکت سے باز آ جاؤ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ امیر المومنین میری کاروائی سے اتفاق کریں گے تو میں تمہیں سزا دیتا اور قید کر دیتا۔ (طبری ج ۳' ص ۳۲۴۲/ البدایہ والنھایہ ج ۷ ص ۱۴۹/ الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۸)

آزادی کی اس مبارک و پاکیزہ فضاء میں اسلامی معاشرہ انسانیت کے ارتقا کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا کہ منافقوں کو یہ بات نہ بھائی انہوں نے اس آزادی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنی ناپاک اور گندی ذہنیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اوباشوں' بدمعاشوں اور آوارہ گردوں کا ایک گروہ منظم کیا' بدمعاشوں کا یہ فتنہ پرور گروہ لباس زور کے متقیانہ بہروپ میں اپنی مکاری'' عیاری' جھوٹ فریب' دغابازی اور جعل سازی کی غلاظتیں دامن میں سمیٹے مدینۃ النبی پر اچانک حملہ آور ہو گیا اور خلیفۃ النبی کو نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا گویا امت کی خوش بختی کی شاہ رگ پر چھری چلا دی تب سے لے کر اب تک امت اس ہلاکت خیز سانحہ کی تلخ کامی سے ناشاد ہے برباد ہے۔

جنگ جمل:

حضرت عثمان کی شہادت امت مسلمہ کے لئے اس قدر اندوہناک سانحہ تھا کہ اس کی الم انگیزی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوش اڑا دیئے اب کیا کیا جائے؟ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا تاریخ

کے اس نازک ترین مرحلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے فہم وفراست' تقوی و دیانت اور بہی خواہی دین وملت کے جذبہ سے جو کچھ کیا وہ ایک ایسا عظیم ترین کارنامہ ہے کہ منافقین کی بھیانک ترین سازش کے نتیجہ میں جو ملت کا شیرازہ بکھر گیا تھا اسے خون کے دریا سے گزر کر دوبارہ اتحاد و یگانگت کے رشتہ میں پرودیا اس کا راستہ روکنے کے لئے منافقین نے دوبار خون کے دریا کا بند توڑا۔لیکن دونوں دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوری جرأت مومنانہ کے ساتھ باندھ دیا اگرچہ انہیں اس کے لئے خود خون میں نہانا پڑا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ کی صورتحال:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو مدینہ طیبہ پر اوباشوں کا قبضہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت اسی حال میں ہوئی۔لہٰذا انہیں حالات پر قابو نہیں تھا اوباشوں کے گھیراؤ میں بے بس تھے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کے چنگل سے نکلیں لیکن یہ اسی صورت ممکن تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی کثرت آپ کے گرد جمع ہو جاتی جس سے اوباشوں کا زور ٹوٹ جاتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان اوباشوں پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن اوباشوں کا ٹولہ جو ابن سوداء کی کمان میں چل رہا تھا ہر وقت چوکنا تھا اس لئے وہ کسی حال میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑنے کا روادار نہ تھا۔صاحب البدایہ والنھایہ فرماتے ہیں۔

فلما بو یع لعلی و صا ر حظ الناس عنده بحكم الحال و غلبة
الرائی لا عن اختيار منه لذلك رؤس اولئك الخوارج الذين قتلوا
عثمان مع ان عليا فی نفس الا مر يكر هم ولكنه تربص بهم الدو
ائـر و یو دلو تمكن منهم ليا خذ حق الله منهم ولكن لما وقع الا
مر هكذا و استحو ذوا عليه' وحجبوا عنه علية الصحابه۔

(ج ۷ ص ۲۲۹)

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو لوگوں کا معاملہ اس وقت حالات کے رحم وکرم پر تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی بات تھی یہی وجہ ہے کہ ان خارجیوں کے

سربراہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا حالانکہ حضرت علی فی نفسہ ان سے نفرت کرتے تھے لیکن وہ ان کے بارے میں حالات کے پلٹا کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔''

اور حضرت علی کی خواہش تھی کہ ان پر قابو پا لیا جائے تا کہ ان سے اللہ کا حق لے سکیں لیکن یہ امر وقوع پذیر نہ ہوسکا۔ اور وہ آپ رضی اللہ عنہ پر حاوی رہے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ سے ملنے سے روک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پیچھا چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کر دیکھی لیکن بات نہیں بنی۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا۔

''اے لوگو! اعراب کو اپنے اندر سے نکال دو وہ اپنے اپنے پانی پر چلے جائیں لیکن سبائیوں نے صاف انکار کر دیا اور اعراب بھی ان کے پیچھے تھے انہوں نے انہی کا حکم مانا''۔ (الکامل ج ۳ ص ۱۹۶)

حضرت طلحہ' وزبیر رضی اللہ عنہما نے بصرہ اور کوفے سے فوج لانے کی کوشش کی اور پیش کش کی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے مصلحت کے خلاف سمجھا۔ (الکامل ج ۳' ص ۱۹۶ طبری ج ۳ ص ۴۵۹)

یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت میں تامل ہوا اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ اب کوئی دوسرا زیادہ اہل تھا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے خیال میں موجود صورت حال جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی آزادانہ قدم اٹھانے کا اختیار نہ رکھتے ہوں بیعت بے سود ہوگی بلکہ یہ بیعت ان اوباشوں کو اور مضبوط کر دے گی جو حضرت علی پر حاوی ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بیعت سے پہلے قاتلین سے قصاص لیا جائے۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیعت سے کنارہ کش رہے ان میں کعب بن مالک' مسلمہ بن مخلد' حسان بن ثابت' محمد بن مسلمہ' نعمان بن بشیر' زید بن ثابت' رافع بن خدیج' فضالہ بن عبید' کعب بن عجرہ' قدامہ بن مظعون' عبداللہ بن سلام' مغیرہ بن شعبہ' صہیب' سلمہ بن سلامہ' اسامہ بن زید اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

(البدایہ ج ۷ ص ۲۲۶)

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ بیعت نہیں کی بلکہ ہر کاروائی سے کنارہ کش ہو گئے گویا ان کے نزدیک موجودہ صورت حال یہ وہ فتنہ تھا جو'' الزموا بیوتکم '' (اپنے گھر میں

پابند ہو کے رہ جاؤ) فرمان نبوی کا مصداق ہے لہٰذا وہ اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ ان کے علاوہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو وہاں قیام پذیر تھے وہ بھی اس موقف پر قائم رہے کہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے بلکہ انہوں نے قاتلین سے خود قصاص لینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ام المؤمنین اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکہ معظمہ میں تھے یا فریضۂ حج کے لئے گئے ہوئے تھے ان کی اکثریت اس مؤقف پر عمل پیرا ہوئی۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی وہ بھی مختلف رائے پر عمل پیرا تھے ان میں وہ تھے جن کی بیعت غیر مشروط تھی اور وہ تھے جن کی بیعت مشروط تھی۔ پھر جنہوں نے مشروط بیعت کی وہ بھی دو حصوں میں تھے ایک جنہوں نے یہ شرط کی کہ وہ کسی کاروائی میں حصہ نہیں لیں گے اور غیر جانبدار گھر میں عافیت سے رہیں گے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری وغیرھم۔ دوسرے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے یہ شرط عائد کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی فرصت میں قاتلین عثمان سے قصاص لیں گے۔ اس مؤقف پر حضرت طلحہ اور زبیر اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے دراصل یہ لوگ بیعت نہ کرنے والوں اور قصاص لینے والوں میں سے تھے لیکن جب خارجی دباؤ کے سبب بیعت پر مجبور ہوئے تو انہوں نے بیعت کے ساتھ یہ شرط عائد کر دی چنانچہ بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ جب پہلا خطبہ دینے کے بعد گھر تشریف لے گئے تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ "اے علی! ہم نے حدود اللہ کے قائم کرنے کی شرط پر بیعت کی ہے اور یہ لوگ حضرت عثمان کے خون میں شریک ہیں انہوں نے اپنی جانوں کی حرمت ختم کر لی ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے بھائیو! (جو تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میں کیا کروں ان لوگوں کا جو ہم پر مسلط ہیں اور ہم ان پر مسلط نہیں ہیں اور اس پر غضب یہ ہوا کہ ان کے ساتھ تمہارے غلام بھی میدان میں آگئے اور تمہارے اعراب بھی ساتھ شامل ہو گئے وہ سب تمہارے درمیان موجود ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں تمہیں چلاتے ہیں' کیا تم کہیں ایسی گنجائش دیکھتے ہو کہ جو تم چاہتے ہو اس میں سے کسی بات پر تمہارا بس چلتا ہو؟ سب کہنے لگے نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میری رائے بھی ٹھیک وہی ہے جو تمہاری رائے ہے انشاء اللہ! اور یقیناً یہ معاملہ جاہلیت کا معاملہ ہے اور فرمایا لوگ پر سکون ہو جائیں دل اپنی جگہ پر آ جائیں اور حقوق حاصل کر لئے جائیں تب تک تم سکون سے بیٹھو

اور دیکھو کہ حالات کیا بنتے ہیں اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے پھر تم لوگ یہ مطالبہ کرنا۔

یہ بات قریش کو ناگوار گذری اور وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے بعض کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر یہ معاملہ بڑھ گیا تو ہم ان شرپسندوں پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور بعض کہہ رہے تھے جو کچھ ہمارے ذمہ ہے وہ تو ہم کریں اس میں تاخیر روا نہیں رکھنی چاہیے۔" (طبری ج ۳، ص ۴۵۸، الکامل ج ۴، ص ۱۹۵)

"جو کام ہمارے ذمہ ہیں وہ ہم کریں" یہی رائے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی تھی اسی لئے وہ مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے اصلاح احوال کی گنجائش نہ پا کر عازم مکہ ہوئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت علی کی بیعت کا معاملہ تکمیل کو پہنچ گیا تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کبار صحابہ کی معیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور حدود اللہ قائم کرنے اور حضرت عثمان کے قصاص لینے کا مطالبہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ فی الحال ان لوگوں کی ایک طاقت ہے اور ان کے حامی و مددگار ہیں۔ اس لئے فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۲۷ طبع لاہور)

ثمرہ بحث

مذکورہ تصریحات سے جو امور واضح ہوئے وہ یہ ہیں۔

① حضرت علی اوباشوں کے سخت گھیراؤ میں تھے اور اس گھیراؤ سے نکلنے کی ابھی کوئی سبیل نہیں تھی۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ ان اوباشوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی مناسب تدبیر کے ذریعہ ان اوباشوں کے گھیراؤ سے نکلنا چاہتے تھے اور اس کے لئے بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ فتنہ جس حد تک بڑھ چکا ہے وہیں رک جائے اس سے آگے نہ بڑھنے پائے اور اسے یہیں روک کر اس پر کنٹرول کیا جائے۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی عظیم جماعت ان کے گرد جمع ہو جائے تاکہ اوباشوں کی نفری کمزور رہ جائے پھر ان پر ہاتھ ڈالا جائے۔

(۹) حضرت علی چاہتے تھے کہ جب تک مطلوبہ تائید وحمایت انہیں حاصل نہیں ہو جاتی تب تک صحابہ پرسکون رہ کر انتظار کریں اور اس معاملہ کے کسی پہلو کو حرکت نہ دیں اس وقت اس معاملہ کے کسی بھی پہلو کو حرکت دینے کا مطلب جلتی پہ تیل چھڑکنے کا کام کرے گا۔

فتنہ کی ناقابل فہم صورت حال

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ''بقول ان الفتنه اذا اقبلت شبهت و اذا ادبرت تبینت ''فتنہ جب آتا ہے تو ناقابل فہم ہوتا ہے اور جب جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ وقت فتنہ کی آمد کا وقت تھا اس لئے وہ ناقابل فہم تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کا کونسا طریقہ صحیح اور مناسب ہے۔ کسی ذاتی غرض کا عمل دخل نہ حضرت علی کے اقدام میں تھا۔ نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدام میں تھا نہ حضرت طلحہ وزبیر اور ام المومنین کے اقدام میں تھا اور نہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقدام میں تھا جو الزموا بیوتکم'' کے مصداق پر عمل پیرا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے محض اللہ کی رضا کے پیش نظر اپنی اپنی فہم کے مطابق فتنہ سے عہدہ برآ ہونے کا دینی فریضہ انجام دیا جس پر یہ تمام لوگ اجر کے مستحق قرار پائے۔ غرض حضرت علی کا یہ موقف فتنہ کی آمد کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ناقابل فہم تھا اور اس وقت کی نفسیاتی فضاء میں یہ موقف کسی مفید اور مثبت نتیجہ کا حامل معلوم نہیں ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت طلحہ وزبیر نے فتنہ کے سدباب کی خاطر مناسب اقدام کے لئے اوباشوں کے نرغے سے نکل جانا ضروری سمجھا جس کے لئے انہیں مدینہ طیبہ کو خیرباد کہنا پڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فاستاذنه طلحة والزبير في الاعتمار فاذن لهما فخرجا الى مكة و تبعهم خلق كثير و جم غفير.

''حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمرہ کی اجازت چاہی انہوں نے اجازت دے دی پھر جب وہ مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو لوگوں کا جم غفیر ان کے ہمراہ چل پڑا۔'' (البدایہ ج ۷ ص ۲۱۸)

ابن کثیر کی اس روایت سے لوگوں کی بے چینی، پریشانی اور عدم اطمینان کا اندازہ کیا

جا سکتا ہے۔ حضرت طلحہ وزبیر جب مکہ پہنچتے ہیں تو وہاں امہات المؤمنین اور حج کے لئے آئے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم پہلے ہی سے اسی عام پریشانی میں مبتلا تھے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ”مکہ معظمہ میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت جمع تھی حضرات امہات المؤمنین بھی موجود تھیں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقریر کے لئے کھڑی ہوئیں اور لوگوں کو خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے آمادہ کرنے لگیں' اور ان اوباشوں نے خلیفۃ النبی کے قتل ناحق کا جو ارتکاب جرم کیا ہے اس کا ذکر کرنے لگیں کہ انہوں نے شہر حرام کی بے حرمتی کی ماہ حرام کی بے حرمتی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کا انہوں نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔ ناحق خون ریزی کی مال لوٹے۔ لوگوں نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی پکار پر لبیک کہا اور یہ کہ اس معاملہ کی اصلاح کی خاطر وہ جو رائے بھی دیں گی دل و جان قبول کریں گے اور کہنے لگے آپ جدھر قدم اٹھائیں گی ہم آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ بعض نے مشورہ دیا کہ ملک شام جایا جائے بعض دوسرے کہنے لگے کہ شام کے لئے معاویہ رضی اللہ عنہ کافی ہیں وہاں ان کا مکمل کنٹرول ہے اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ ہیں۔ بعض لوگ کہنے لگے مدینہ جانا چاہیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کریں کہ وہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کریں تا کہ انہیں قتل کر دیا جائے بعض کی رائے یہ تھی کہ بصرہ جایا جائے اور اسی رائے پر اتفاق ہوا۔“ (البدایہ ج ۷ ص ۲۱۸)

طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ سے آئے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملے انہوں نے پوچھا پیچھے کیا حال ہے وہ کہنے لگے ہم تو مدینہ سے بھاگ کر نکلے ہیں۔ وہاں کے اوباشوں اور اعراب سے جان چھڑا کر آئے ہیں اور ہم نے ان لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ حیرت میں گرفتار ہیں نہ وہ حق کو حق جانتے ہیں اور نہ باطل کو باطل جانتے ہیں اور نہ خود کو کسی کام سے باز رکھتے ہیں حضرت ام المؤمنین نے فرمایا اٹھ کھڑے ہو ان اوباشوں کے مقابلہ کے لئے۔

(الکامل ج ۳ ص ۲۰۷ الطبری ۳ ص ۴۲۹)

صورت حال پر طویل غور وفکر کے بعد اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ بصرہ جایا جائے۔ حضرت ام المؤمنین نے کہا کہ اے لوگو! اس میں شک نہیں کہ یہ ایک عظیم ترین حادثہ ہے اور بدترین حرکت ہے اس بارے میں اپنے بصری بھائیوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو۔

(طبری ج ۳ ص ۴۷۲)

صبرہ بن شمیان کے پوچھنے پر حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا ورنہ اس بارے میں قرآن نازل ہوا ہوتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی سنت موجود ہوتی اب حال یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس معاملے کو چھیڑنا جائز نہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے وہ جوان کے ساتھ ہیں اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس معاملہ کو چھوڑ دینا یا مؤخر کر دینا قطعاً مناسب نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اس قوم (قاتلین عثمان) کو چھوڑ دینا واقعی ایک شر ہے لیکن یہ شر اس سے کہیں بڑے شر سے بہر حال بہتر ہے۔

(الکامل ج ۳ ص ۲۲۷)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یقیناً یہ وہی فتنہ ہے جس کے بارے میں ہمیں بتایا جاتا تھا ان کا خادم کہنے لگا آپ اسے فتنہ بھی کہتے ہیں اور اس میں جنگ بھی کرتے ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ بھائی بات یہ ہے کہ ہم بہت غور کرتے ہیں لیکن کچھ نہیں سوجھتا' کوئی معاملہ آج تک ایسا پیش نہیں آیا جس میں کبھی کوئی الجھن پڑی ہو جب بھی کوئی بات پیش آئی تو میں اپنے قدم رکھنے کی جگہ تک سے باخبر رہتا ہوں سوا اس ایک معاملہ کے کہ میں یہ تک نہیں سمجھ پا رہا کہ اقدام کرتے وقت آگے بڑھ رہا ہوں یا پسپا ہو رہا ہوں۔ (طبری ج ۳' ص ۴۹۲)

اہل مدینہ کہنے لگے:

"لا واللہ ما ندری کیف نصنع فان ھذا الا مرلمشتبہ علینا و نحن مقیمون حتی یضیئ لنا و یسفر"۔

"نہیں اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے کہ کیسے کریں اس میں شک نہیں کہ یہ معاملہ ہمارے لئے ناقابل فہم ہے اور ہم گھر پر ہی رہیں گے جب تک یہ معاملہ واضح اور روشن نہیں ہو جاتا۔ (طبری ج ۳' ص ۴۲۲)

ثمرۂ بحث

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ.....

① تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بلا استثنا اس فتنہ کے مناسب حل کے لئے فکر مند تھے۔

② تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ قاتلین عثمان واجب القتل ہیں۔

③ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ قاتلین سے قصاص لیا جانا ضروری ہے۔

④ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا خاتمہ کئے بغیر امت کی شیرازہ بندی ممکن نہیں۔

⑤ قاتلین عثمان سے قصاص کیسے لیا جائے؟ یہ بات مختلف فیہ تھی۔

⑥ حالات کے بپھرتے طوفان کا حدود اربعہ کیا ہے؟ طول عرض کیا ہے؟ اس پر کہاں اور کس طرف سے روک لگائی جائے یہ بات نا قابل فہم تھی۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے واضح اور مبرہن تھا لیکن حالات کی ظاہری تصویر اس حال کو قبول نہیں کرتی تھی۔

⑧ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھاری اکثریت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مختلف سوچ رکھتی تھی۔

⑨ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سوچ جذباتی انداز نہیں رکھتی تھی بلکہ نہایت گہرے غور وفکر کے بعد ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے۔

⑩ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت عامی قسم کے سطحی عقل ودانش کے افراد پر مشتمل نہیں تھی۔ بلکہ یہ وہ لوگ تھے کہ خلفاء اربعہ کے بعد تا قیامت پوری امت میں ان کی کوئی دوسری مثال نہیں پائی گئی۔ فہم وفراست میں دانش وتدبر میں، دور اندیشی ومعاملہ فہمی میں، علم ومعرفت میں، اخلاق وکردار میں، سیرۃ وتقویٰ میں دیانت وامانت میں، صداقت وعدالت میں نصح وخیر خواہی میں احساس وفرض شناسی میں، صبر وتحمل میں عفوو درگزر میں، بے غرضی وبے لوثی میں، اخلاص وایمان میں، حق گوئی وحق جوئی میں۔

علی رضی اللہ عنہ تو خیر علی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی شان محتاج بیان نہیں۔ لیکن جنہوں نے ان کی رائے سے اختلاف کیا وہ کوئی معمولی ہستیاں نہیں کہ یہ گمان کیا جائے کہ وہ کسی مفاد یا کسی تعصب کا

شکار ہو گئے یا وہ کسی شیطانی چال کے چکر میں آ گئے۔ العیاذ باللہ انہوں نے جو بھی قدم اٹھایا بڑی زیرکی سے نتائج و عواقب پر نگاہ رکھتے ہوئے' باہمی مشورے اور سوچ و بچار کے بعد امت اور دین اسلام کی بہتری و خیر خواہی کی خاطر' فریضہ دینی کی بجا آوری کے لئے اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اٹھایا۔

لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ نتائج بھی وہی آتے جو انہیں مطلوب تھے۔ کیونکہ نتائج پھر تقدیر کے رحم و کرم پر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اقدام انتہائی مدبرانہ اور انتہا درجہ کی دور اندیشی پر مبنی تھا اور اپنے پورے اعتماد سے فرما رہے تھے "اما الذی نرید و ننوی فالا صلاح" کہ ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہے اصلاح۔ (طبری ج ۳ ص ۴۹۴)

یعنی وہ اپنے اقدام کے نتیجہ میں اصلاح کے لئے پر امید ہیں۔ لیکن جب نتائج آئے تو بڑی حسرت سے کہہ رہے تھے۔ " واللہ لو ددت انی مت من قبل الیوم بعشرین سنۃ "

(الکامل ج ۳' ص ۴۹۴)

ٹھیک یہی حسرت بھرے الفاظ اس موقع پر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی زبان پر جاری ہوئے

" واللہ لودت انی مت من قبل الیوم بعشرین سنۃ "

اللہ کی قسم یہ میری سچی آرزو ہے کہ کاش میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا مر گئی ہوتی۔ (ایضاً)

دراصل حالات کی تبدیلی اتنی اچانک اور ڈرامائی تھی کہ یکا یک عہدہ برآ ہونے کی سبیل واضح ہونا آسان بات نہ تھی یہ حالات نے کوئی نئی کروٹ نہیں لی تھی بلکہ الٹی قلابازی کھائی تھی اس کی مثال بالکل ایسی تھی جیسے نصف النہار پر چمکتا نور برساتا سورج یکا یک بجھ جائے اور گھور اندھیری رات چھا جائے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ واقعہ اچانک پیش نہیں آیا بلکہ یہ کھچڑی عرصہ چھ سال سے پک رہی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی موثر نوٹس نہیں لیا ایسے لوگ تاریخ کا مطالعہ دن کی روشنی میں نہیں بلکہ اندھیری رات میں بتیاں بجھا کر کرتے ہیں اس وقت یہ بات ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کریں گے جب پھر کبھی شہادت عثمان پر لکھیں گے تو وہاں یہ حقیقت بتائیں گے کہ سازش زیر زمین ۳۴ ھجری میں پروان چڑھی لیکن منظر

عام پر ۳۵ھ شوال تک کوئی فتنہ یا بدامنی کا کوئی معاملہ موجود نہیں تھا اور پورے عالم اسلام میں پبلک سطح پر کہیں بھی کوئی بے چینی کی بات نہیں تھی لیکن یہاں بات ہو رہی ہے جمل و صفین کی۔

بصرہ کی طرف:

غرض یہ کاروان مکہ جو ہزاروں نفوس پر مشتمل تھا بصرے کی سمت عازم سفر ہوا مقصد تھا قاتلین عثمان کی سرکوبی تاکہ فتنے کو مزید پھیلنے سے روکا جا سکے اور بصرہ قاتلین کا بڑا مرکز تھا۔ بصرہ سے فارغ ہو کر پھر کوفے جانا تھا۔ اگر یہاں فتنہ کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو گویا بڑی حد تک نقصان کی تلافی ہو گئی اور گویا سمجھ لو کہ پھر سے امت میں شہادت عثمان سے پہلے والے پرسکون و پرامن حالات لوٹ آئے لیکن' بسا آرزو کہ خاک شدہ سازش کرنے والا ہمیشہ داؤ پر ہوتا ہے اور مقابل شخص داؤ سے بے خبر نارمل حالات میں ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب کاروان مکہ کی روانگی کا سنا تو وہ مدینہ سے چل پڑے مقصد یہ تھا کہ کاروان مکہ کو بصرہ پہنچنے سے پہلے مل لیا جائے تاکہ انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے باہم مشاورت سے مناسب حل کے لئے مشترکہ لائحہ عمل طے ہو جائے لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا حضرت علی سے پہلے کاروان مکہ بصرہ پہنچ گیا۔

ماءِ حوأب:

کہتے ہیں کہ جب کاروان مکہ ایک جگہ سے گذر رہا تھا تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا حضرت ام المؤمنین نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی جگہ ہے عرض کیا گیا کہ یہ ماءِ حوأب ہے یہ سنتے ہی ام المؤمنین چیخ اٹھیں "انا للہ وانا الیہ راجعون" واقعی میں ہی وہ ہوں میں نے نبی ﷺ سے سنا جبکہ آپ کی ازواج آپ کے پاس تھیں آپ فرمانے لگے کاش! میں یہ جان سکتا کہ تم میں سے کون "ماءِ حوأب" کے کتے بھونکائے گی۔ پھر ام المؤمنین نے اسی وقت اپنا اونٹ بٹھا دیا اور فرمایا مجھے واپس لے چلو میں آگے نہیں جاؤں گی قافلہ رک گیا ایک دن ایک رات اسی طرح گزر گئے آخر دوسرے روز حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ماء حواب نہیں ہے جس نے کہا ہے جھوٹ بولا ہے لیکن ام المومنین نہیں مانیں اور وہیں رکی رہیں بالآخر عبداللہ بن زبیر کہنے لگے بھاگو! بھاگو! علی بن ابی طالب آپہنچے۔ چنانچہ سب بصرہ کی طرف چل دیئے۔

(الکامل ج ۳، ص ۲۱۰)

ایک بات جس کا یاد رکھنا بہت ضروری ہے اور جس کو پیش نظر رکھے بغیر آپ تاریخ کے مطالعہ سے کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے وہ یہ کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے اطلاعات ونشریات کا قلمدان مستقل طور پر سبائیوں نے سنبھال لیا تھا سلسلہ واقعات میں وہی خبر منظر عام پر آئے گی جسے وہ لانا چاہیں نفس الامر میں اس کی کوئی حقیقت موجود ہو یا نہ ہو یعنی سراسر جھوٹ ہی کیوں نہ ہو اسے عین حق اور سچ بنا کر دکھاویں گے یہی ''ماء حواب'' کا مذکور واقعہ جھوٹ کو سچ کر دکھانے کی ایک عمدہ مثال ہے ویسے تو اس واقعہ کی اپنی نامعقولیت اور گھناؤنا انداز اس روایت کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے جبکہ طبری نے اس واقعہ کی اصلی حقیقت بھی کھول کر بیان کر دی ہے۔ ابن جریر کی تصریح کے مطابق خاندان بنوفزارہ کی ایک معزز خاتون ام زمل سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ جو عیینہ بن حصن بن حذیفہ کی چچازاد بہن تھیں یہ ایک غزوہ میں خاندان کی دیگر خواتین کے ساتھ گرفتار ہوئیں اور ام المؤمنین کی خدمت میں رہیں بعد میں اپنے گھر چلی گئیں ان کے ایک بھائی غزوہ ذی قرد میں جہنم رسید ہو گئے تھے جب نبی ﷺ کے سانحہ وفات کے بعد فتنہ ارتداد اٹھا تو یہ بھی مرتد ہو گئیں اور عیینہ بن حصن بھی مرتد ہو کر طلیحہ اسدی سے جا ملا جب طلیحہ کو شکست ہوئی تو عیینہ بن حصن گرفتار ہو گیا تو ام زمل نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور طلیحہ اسدی کے لشکر کے تمام بھگوڑے ادھر ادھر سے سمٹ کر ام زمل کے پرچم تلے جمع ہو گئے اس میں شبہ نہیں کہ ام زیل بڑی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں اور اپنے خاندان میں اس قدر معزز تھیں کہ یہ بات مشہور تھی کہ جو ام زمل کے اونٹ کو ہاتھ لگا دے اسے سو اونٹ انعام! چنانچہ یہ خاتون حضرت خالد بن ولید کے مقابلہ میں بڑی بے جگری سے جم کر لڑی اور حضرت خالد بن ولید ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد اس خاتون کو جہنم رسید کر سکے۔ اس ام زمل کے بارے میں امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ جب یہ ایک دن مدینہ طیبہ میں خاندان بنوفزارہ کی دیگر خواتین کے ساتھ موجود تھیں۔

وقد کان النبی ﷺ دخل علیھن یوما فقال ان احدا کن تستنج کلاب الحوائب فعلت سلمیٰ ذالك حین ارتدت و طلبت بذالك الثار فسیرت فیما بین ظفر و الحواب لتجمع الیھا فتجمع الیھا کل فل و مضیق علیه من تلك الا حیاء من غطفان و ھو ازن

و سلیم و اسد وطی"

"اور ایک روز نبی ﷺ خاندان بنوفزارہ کی ان عورتوں کے پاس آئے آپ نے فرمایا تم میں سے ایک حواب کے کتے بھونکائے گی چنانچہ کتے بھونکانے کا یہ کام سلمٰی نے کر دکھایا جب وہ مرتد ہوئیں اور انتقامی جذبہ لے کر میدان میں آئیں تو وہ مقام ظفر اور حواب کے درمیان بار بار آتی جاتی تھیں تا کہ لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کرلے جس کے نتیجہ میں بنوغطفان، ھوازن سلیم، اسد اور بنوطی قبائل کے تمام بھگوڑے اور وہ جن کی ناکہ بندی کردی گئی تھی سب ام زمل کے گرد جمع ہو گئے۔" (طبری ج ۲، ص ۴۹۱)

ایسی صریح روایت کے بعد اب مذکورہ بالا روایت کی نامعقولیت بیان کرنے کی حاجت باقی نہیں رہی صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہوگا کہ کتے بھونکانے جیسی نا قابل رشک صورت حال ام زمل سلمٰی جیسی منحوس عورت کے حسب حال ہی ہوسکتی ہے نہ کہ ام المؤمنین جیسی پاک صفت و پاک سیرت مبارک خاتون کے شایان شان۔

کاروان مکہ حدود بصرہ میں:

غرض یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی جس کی وضاحت بہت ضروری تھی بات یہ ہورہی تھی کہ کاروان مکہ اپنا اصلاحی پروگرام لئے بصرہ پہنچا انہیں کسی بات سے کوئی غرض نہ تھی صرف قاتلین عثمان پر ہاتھ ڈالنا تھا جن کی ایک تعداد بصرہ اور کوفہ میں تھی بصرہ میں ان سے نمٹ کر کوفہ جانا تھا۔ قافلہ بصرہ کے باہر جا کر رک گیا حضرت عبداللہ بن عامر کو شہر میں بھیجا تا کہ بعض خاص لوگوں سے قاتلین عثمان کی گرفتاری کے لئے تعاون حاصل کیا جائے۔ حضرت عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ بصرے کی حالت بھی شرپسندوں نے نارمل باقی نہیں رہنے دی تھی، شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کے گزرنے والے چار ماہ میں صورت حال میں بے حد انتشار پیدا کر دیا گیا تھا حضرت عثمان بن حنیف نے حضرت عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو حضرت ام المومنین کی خدمت میں بھیجا تا کہ معلوم کریں کیا مقصد ہے۔ حضرت ام المومنین نے انہیں بتایا کہ:

مختلف شہروں کے اوباشوں نے اور مختلف قبائل کے بدمعاشوں نے رسول اللہ ﷺ کے حرم پر چڑھائی کی اور اس میں بدعات پیدا کیں اور ارباب بدعات کو ٹھکانا دیا جس سے وہ اللہ اور رسول ﷺ کی لعنت کے حق دار بنے مزید برآں یہ کہ امام المسلمین کو بلا کسی الزام کے قتل کر ڈالا۔ خون حرام کو انہوں نے حلال سمجھ کر بہایا' مال لوٹا ماہ حرام کی اور بلد حرام کی حرمت خاک میں ملادی آبروئیں پارہ پارہ کر دیں اور ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی قیام پذیر ہوئے جنہیں ان کا ٹھہرنا گوارا نہیں تھا یہ نقصان در نقصان دینے والے تھے نہ ان سے نفع ہو سکتا تھا اور نہ یہ متقی تھے نہ یہ باز رہ سکتے تھے اور نہ یہ بے خطر تھے۔ لہٰذا میں نکلی ہوں کہ مسلمانوں کو بتاؤں وہ کرتوت جو انہوں نے کئے ہیں اور یہ کہ ہمارے پیچھے لوگ کس پریشانی میں مبتلا ہیں اور اس صورت حال کی اصلاح کے بارے میں انہیں کیا کرنا چاہئے پھر یہ آیت پڑھی۔ (ترجمہ) ''ان کی زیادہ تر گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اس شخص کے جو صدقے کا حکم دے یا نیکی کرنے کا یا لوگوں کے مابین اصلاح کا'' فرمایا ہم اصلاح کے لئے اٹھائیں گے ان سب کو جنہیں اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دیا ہے چھوٹے بڑے مرد عورت سب کو نیکی کی طرف اقدام کرتے ہوئے۔

یہ ہماری صورت حال ہے ہم اسی کا حکم دیتے ہیں اور اسی پر ابھارتے ہیں اور منکر سے ہم روکتے ہیں اور اس کو بدل ڈالنے پر ہم تمہیں آمادہ کرتے ہیں۔

یہاں سے یہ دونوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ان سے پوچھا آپ کیسے تشریف لائے انہوں نے فرمایا۔ خون عثمان کا بدلہ لینے' انہوں نے کہا آپ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پہ بیعت نہیں کی؟ وہ فرمانے لگے ہاں کی ہے لیکن اس حال میں کہ تلوار میری گردن پر تھی' اور اب بھی میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں توڑتا بشرطیکہ وہ ہمارے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان حائل نہ ہوئے۔

پھر یہ دونوں حضرات حضرت زبیر کے پاس گئے ان سے بھی یہی سوال و جواب ہوئے جو حضرت طلحہ سے ہوئے پھر یہ حضرت ام المؤمنین سے اجازت لے کر واپس حضرت عثمان بن حنیف کے پاس پہنچے اور انہیں صورت حال سے آ گاہ کیا وہ سن کر فرمانے لگے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اسلام کی چکی گھوم گئی اور دیکھو کہ یہ کون سی چال چلتی ہے۔ (طبری ج ۳' ص ۴۸۰)

کاروان مکہ بصرہ میں:

کاروان مکہ یہاں سے روانہ ہو کر بصرہ میں مقام مربد میں پہنچ کر قیام پذیر ہوا وہاں لوگ بصرہ سے آ آ کر جمع ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ حضرت عثمان بن حنیف بھی مربد کے بائیں حصہ میں آ کر ٹھہرے ان کے ساتھ بھی بہت سے لوگ تھے جن میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا حضرت طلحہ نے فرمایا! حمد و ثناء کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا۔ ان کی فضیلت بیان کی' مدینہ طیبہ کی فضیلت بیان کی اور جو کچھ وہاں عمل میں لایا گیا اس کی سنگینی کا ذکر کیا اور خون کا بدلہ لینے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اسی میں اللہ کے دین کی اور اس کے سلطان کی عزت ہے مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ حدود اللہ میں سے اللہ کی ایک حد ہے۔ اور اگر تم اس حد کو پورا کرتے ہو تو تم نے ٹھیک کیا اور تمہارا امر تمہاری طرف لوٹ آئے گا۔ اور اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو کبھی تمہاری حکومت نہ ہو گی اور نہ کوئی تمہارا نظام ہو گا۔ یہی تقریر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ مربد کے دائیں والے کہنے لگے' ان دونوں نے سچ کہا' بہتر کہا اور حق کہا اور حق کا حکم دیا۔ بائیں طرف والے کہنے لگے جھوٹ کہا غلط کہا باطل کہا اور باطل کا حکم دیا۔ لوگوں میں تو تو میں میں ہو گئی خاک اڑی سنگ باری ہوئی پھر ام المومنین نے خطاب فرمایا آپ کی آواز بہت اونچی اور بارعب تھی آواز اس طرح بلند ہو رہی تھی گویا نہایت عظیم ترین خاتون مصروف خطاب ہے۔ حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے تھے اور ان کے عاملین میں عیب نکالتے تھے اور ہمارے پاس مدینہ طیبہ آتے تھے اور عاملین کے بارے میں جو کچھ بتاتے تھے اس میں ہم سے مشورہ طلب کرتے تھے اور اصلاح احوال کے لئے جو کچھ کہتے تھے اسے سراہتے تھے پھر جب ہم چھان بین کرتے تھے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو پاکدامن بری الذمہ اور وفا شعار پاتے تھے اور انہیں غلط کار جھوٹے

پاتے تھے۔ جس غرض کے لئے یہ دوڑ دھوپ کر رہے تھے وہ وہ نہ تھی جسے ظاہر کر رہے تھے وہ اپنی تعداد بڑھانے میں کامیاب ہو گئے تو اس پر (امیر المومنین پر) چڑھ دوڑے اور اس کے گھر پر حملہ کر دیا اس کے محترم خون، محترم مال اور محترم شہر کو حلال قرار دیا اور بلا کسی الزام اور بلا کسی عذر انہیں شہید کر دیا اور سنو! وہ بات جو مناسب ہے اور جس کے بغیر کوئی دوسری بات مناسب نہیں وہ ہے۔ قاتلین عثمان پر گرفت کرنا اور کتاب اللہ کو قائم کرنا (اور یہ آیت تلاوت فرمائی) آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے" (آلایہ)

یہ تقریر سن کر حضرت عثمان بن حنیف کے ساتھی دو حصوں میں بٹ گئے ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ ام المومنین نے سچ فرمایا اور نہایت نیک بات کہی۔ اور اللہ کی قسم وہ نیکی لے کر ہی آئی ہیں۔ دوسرے کہہ رہے تھے تم جھوٹ کہتے ہو اللہ کی قسم جو تم کہہ رہے ہو ہم نہیں سمجھ پا رہے ان دونوں گروہوں میں تلخی ہو گئی ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا سنگ باری کی دھول اڑائی۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب صورتحال دیکھی تو نیچے اتر گئیں اور مربد کے دائیں جانب جتنے لوگ تھے وہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف سے جدا ہو کر نیچے کی طرف چلے گئے اور مربد کے موضع دباغین میں رک گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کے ساتھی وہیں آپس میں دست و گریباں ہوتے رہے۔ بعد میں ایک گروہ ام المومنین کی طرف آ گیا اور ایک گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کے ساتھ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف ان کے ہمراہ چلتے ہوئے جب اس گلی کے نکڑ پر پہنچے جو مقام دباغین کے دائیں جانب ہے جو مسجد کی گلی کہلاتی ہے تو ان لوگوں نے کاروان مکہ پر حملہ کر دیا۔

(طبری ج ۴، ص ۴۸۱-۴۸۲)

کاروان مکہ پر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا حملہ

حملے کا سبب یہ ہوا کہ حکیم بن جبلہ ایک گھڑ سوار فوجی دستہ لے کر نکلا اور آتے ہی اس نے حملہ کر دیا ام المومنین کے قافلہ والوں نے بھی اپنے نیزے لہرائے تا کہ وہ رک جائیں لیکن نیزے چلائے نہیں مگر وہ نہیں رکے نہیں باز آئے اور باقاعدہ جنگ شروع کر دی اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قافلہ والے ہاتھ روکے ہوئے صرف اپنا بچاؤ کر رہے تھے اور حکیم مسلسل اپنے دستہ کو ہلہ شیری دے رہا تھا اور ان پر چڑھتا جا رہا تھا۔ اور یہ کہہ رہا تھا کہ آج قریش کو ان کی بزدلی اور ان کا جذباتی اقدام یقیناً ہلاک کر کے رہے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہل قافلہ سے کہا دائیں طرف ہٹ جاؤ وہ یہاں سے ہٹ کر مقبرہ بنی مازن میں قیام پذیر ہو گئے اور لوگ بھی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر رات حائل ہو گئی اور لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے یہاں ابوالحریا نامی ایک شخص آیا اس نے ام المومنین رضی اللہ عنہا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو اس جگہ سے زیادہ بہتر جگہ پر قیام کرنے کا مشورہ دیا اس کا یہ مخلصانہ مشورہ پسند کیا گیا لہٰذا یہاں سے کوچ کر کے مقبرہ بنی حصن میں آ گئے یہ وہ جگہ ہے جو دارالرزق (غلہ گودام) کے ایک سائیڈ میں ہے رات یہیں گزری خطرے کے پیش نظر تیاری بھی کرتے رہے اور لوگ آ آ کر ان میں شامل ہوتے رہے صبح ہونے تک دارالرزق کے گراؤنڈ میں ایک لشکر جمع ہو چکا تھا ادھر حکیم بن جبلہ (ہاتھ میں نیزہ منہ میں بکواس) چلا آ رہا ہے ایک شخص نے پوچھا یہ کس کو گالی دے رہے ہو کہنے لگا عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس نے کہا گندی ماں کے بیٹے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو گالی دیتا ہے؟ اس نے اس کو قتل کر دیا آگے ایک عورت ملی اس نے پوچھا کون ہے جس کو تو گالی دینے پر مجبور ہے؟ کہنے لگا عائشہ۔ وہ کہنے لگی خبیث ماں کے بیٹے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو تو گالی دیتا ہے اس نے اس عورت کو بھی قتل کر دیا پھر آگے چلا اور جاتے ہی جنگ چھیڑ دی طلوع آفتاب سے لے کر سورج ڈھلنے تک نہایت خونریز جنگ ہوئی اور عثمان بن حنیف کے گروہ کا وہ قتل عام ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے زخمی دونوں طرف لاتعداد تھے اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا منادی کرنے والا مسلسل اعلان کر رہا تھا کہ ہاتھ روک لو لیکن دوسرا فریق مانتا ہی نہیں تھا۔ حتی کہ جب ان کی بری طرح درگت بن گئی تب انہوں نے صلح کی پیشکش کی جس کو قبول کر لیا گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۴۸۳)

حکیم بن جبلہ نے جب اس عورت کو قتل کیا تو بنو عبد القیس ناراض ہو گئے کیونکہ وہ ان کے خاندان کی تھی لہٰذا انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا انہوں نے کہا کل بھی تو نے یہی خباثت کی اور آج بھی۔ اب اللہ ہی تجھ سے انتقام لے گا۔ پھر قاتلین عثمان نے دیکھا کہ ہم اکیلے رہ گئے ہیں اور بصرے میں اب کوئی ٹھکانہ نہیں تو وہ سب اتفاق کر کے عثمان بن حنیف کے گرد جمع ہو گئے اور دارالرزق کے پاس ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قافلہ پر حملہ آور ہوئے ام المومنین نے اپنے حامیوں سے کہا کہ تمہارے خلاف جنگ کرنے والوں کے سوا کسی کو قتل نہ کرنا اور اعلان کروا دیا۔ جو قاتلین عثمان میں سے نہیں ہیں وہ ہمارے مقابلہ میں نہ آئیں ہمیں صرف قاتلین عثمان ہی مطلوب ہیں۔ اور جنگ میں پہل کسی کے خلاف بھی نہیں کریں گے۔ لیکن حکیم بن جبلہ نے جنگ چھیڑ دی۔ (طبری ج ۱۳ ص ۴۸۷)

اس جنگ میں وہ تمام قاتلین عثمان قتل ہو گئے جنہوں نے بصرے میں پناہ لے رکھی تھی سوا ایک حرقوص بن زبیر کے جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے قبیلے بنو سعد میں پناہ لے لی تھی۔ (طبری ج ۳ ص ۴۸۸)

حکیم بن جبلہ بصرہ میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا سرغنہ تھا اس کی سیرت کے بارے میں امام طبری فرماتے ہیں۔ حکیم بن جبلہ ایک ڈاکو تھا جب لشکر محاذ جنگ سے واپس ہوا کرتا تو یہ ان سے پیچھے کھسک جاتا اور سرزمین فارس میں فساد برپا کرتا اور ذمی غیر مسلموں میں لوٹ مار کر کے واپس آ جاتا چنانچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں نے یکساں طور پر اس کی شکایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ اس شخص کو اور دیگر اس جیسوں کو حدود شہر کا پابند کر دیں یہ لوگ اس وقت تک بصرہ سے باہر نکلنے نہ پائیں جب تک تم یہ نہ جان لو کہ ان کی عادتیں سنور گئی ہیں جونہی ان پر پابندی لگی تو عبداللہ بن سودا یہودی پہنچ گیا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ عنصر میرے کام کا ہے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۶۸)

کاروان مکہ کی بصرہ شہر میں یہ بہت بڑی کامیابی تھی اہلیان بصرہ نے اس بارے میں بہت تعاون کیا طبری فرماتے ہیں حضرت طلحہ و زبیر کی طرف سے منادی کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ جس کسی قبیلہ میں کہیں کوئی ایسا شخص ہو جس نے مدینۃ النبی ﷺ میں جنگ کا ارتکاب کیا

ہے اسے ہمارے پاس لے آؤ کہتے ہیں انہیں لایا جا رہا تھا جس طرح کتوں کو کھینچ کر لایا جاتا ہے اور وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ حرقوص بن زہیر کے سوا کوئی بچ کر نہ جا سکا۔

(طبری ج ۳، ص ۴۸۸)

اس قابل رشک اور خوشگوار کامیابی کے بعد ان حضرات نے اہل شام، اہل کوفہ، اہل مدینہ اور اہل یمامہ کے نام خطوط روانہ کیے تاکہ وہ لوگ بھی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں تاکہ ان فتنہ بازوں کی جڑ کٹ جائے اس بارے میں حضرت ام المومنین ؓ کا خط بہت جامع اور بہت طویل ہے لیکن حضرت طلحہ و زبیر ؓ کا خط بہت مختصر ہے ہم یہاں اسی کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

پہلے انہوں نے بصرہ آپریشن کی روائیداد لکھی اور اس کے نتائج کی تفصیل لکھی۔ اور لکھا کہ ہم نکلے ہیں جنگ کا خاتمہ کر دینے کے لئے اور کتاب اللہ کو قائم کرنے کے لئے اور حدود اللہ کو ہر بڑے چھوٹے کثیر و قلیل سب میں یکساں طور پر قائم کرنے کے لئے حتی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی وہ ہو جو ہمیں اس اقدام سے واپس لوٹائے لہٰذا اہل بصرہ کے نیک اور معزز لوگوں نے اس مقصد کے لئے ہم سے بیعت کی اور شر پسندوں اور بدمعاشوں نے ہماری مخالفت کی چنانچہ انہوں نے ہمیں اسلحہ کی زبان میں جواب دیا ان کی بکواس اس حد تک پہنچی کہ کہنے لگے کہ ہم ام المومنین ؓ کو یرغمال بنائیں گے۔ اس ثبوت کے لئے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ حق ہے اور حق پر تم آمادہ کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کا رویہ اپنانے کا بار بار موقعہ دیا۔ حتی کہ جب ان کے لئے کوئی عذر اور کوئی حجت باقی نہ رہا۔ تو امیر المومنین ؓ کے قاتل بپھر گئے۔ اور اپنی قتل گاہوں کی طرف خود ہی نکل آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرقوص بن زہیر کے سوا ان میں سے کوئی بچ کے نہ جا سکا۔ اور انشاء اللہ اس شخص سے بھی اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے۔ اور ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتے کہ خدارا! تم بھی اس طرح اٹھ کھڑے ہو جس طرح ہم اٹھے ہیں اور ہم بھی اور تم بھی اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملیں گے کہ ہمارا عذر قبول ہوگا۔ اور ہم وہ فریضہ ادا کر چکے ہونگے جو ہمارے ذمے ہے۔ (طبرہ ج ۳، ص ۴۸۹)

ثمرۂ بحث

① اس خط کے مندرجات سے واضح ہے کہ اس فتنہ میں (جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بقول "فتنة عمياء صماء تطا خطامها" اندھا بہرا فتنہ جو اپنی مہار پاؤں تلے روندتا چلا آ رہا ہے) حضرت طلحہ و زبیر ام المومنین رضی اللہ عنہا اور ان کے ہم رائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فتنہ کی سرکوبی کے لئے اور اصلاح حال کے لئے جو اقدام کیا اس کے نتائج سے وہ تا این دم پوری طور مطمئن ہیں۔ اور اپنے اس اقدام کے صحیح اور درست ہونے پر انہیں پورا شرح صدر حاصل ہے۔ گویا وہ ایک بہت بڑے دینی فریضے سے عہدہ برآ ہوئے ہیں جو ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دوسروں کو بھی بڑی دلسوزی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنے اس دینی فریضے سے عہدہ براہونے کے لئے اسی لائحہ عمل پر عمل پیرا ہوں۔

② اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کی ممکن حد تک یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے' اور جنگ کے امکان کو ہر صورت روکا جائے جبکہ بدمعاشوں کی واحد غرض یہ تھی کہ جنگ بہر صورت برپا ہو۔ اور جنگ نہ ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہنے دیا جائے۔

③ حضرت عثمان بن حنیف بصرہ کے گورنر تھے بدری صحابی تھے باغی ٹولے نے کاروان مکہ کو دیکھتے ہی اپنے بارے میں حالات کی نزاکت کو بھانپ لیا اور حضرت عثمان بن حنیف کا گھیراؤ کر لیا حضرت عثمان بن حنیف، کسی معاملہ میں تعرض نہیں کر رہے تھے لیکن باغی انہیں مقابلہ میں لانا چاہتے تھے۔ مخلصین حضرت عثمان بن حنیف کو زبیر رضی اللہ عنہ و طلحہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں لانا چاہتے تھے۔ دونوں فریق باہم دست وگریباں ہوئے۔ بالآخر مخلصین ادھر سے چھوڑ کر زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما سے آ ملے۔ اور حضرت عثمان بن حنیف باغیوں کے نرغے میں گھرے رہ گئے۔

④ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما حالات کو قابو میں لانا چاہتے تھے۔ لیکن باغی ٹولہ بلا اشتعال

جنگ چھیڑ کر حالات کو بدنظمی کے حوالہ کرنا چاہتا ہے تا کہ یہ حضرات اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہ کرسکیں حالات کو بگاڑنے کے لئے یہ تک حرکت کرڈالی کہ حضرت عثمان بن حنیف کی ڈاڑھی نوچ ڈالی گئی تا کہ مخلص اہل ایمان اس کے ردعمل میں اشتعال میں آ کر حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں لیکن اس پروپیگنڈے کے باوجود لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ یہ حرکت کس نے کی ہے حضرت عثمان بن حنیف بچارے اس سلوک کے بعد کنارہ کش ہو گئے اور حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے اس گھٹیا حرکت کو بہت براجانا۔ لیکن تاریخی اسلوب بیان میں تاثر یہ دیا گیا ہے گویا یہ کام زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے کروایا ہے جو صریحاً جھوٹ ہے۔

⑤ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے خطاب گفتگو اور مکتوب گرامی میں یہ بات واضح ہے کہ کاروان مکہ کوئی ایسا قدام نہیں کرے گا جس سے حالات اصلاح کی بجائے بگاڑ کی طرف پلٹیں اور جرم کی سنگینی کا احساس پیدا کر کے مجرموں کے خلاف فضا ہموار کرنا ہے۔ تا کہ مسلم معاشرہ نفسیاتی طور پر مجرموں کو قبول کرنے سے انکار کردے۔

⑥ کاروان مکہ کی سوچ یہ ہے کہ اگر سبائی مجرموں کے بھیانک جرم کا فوری نوٹس نہ لیا گیا اور عام مسلمانوں کو اس جرم کی سنگینی اور گھناؤنے پن سے آگاہ نہ کیا گیا تو سبائی فتنہ انگیز اپنے پروپیگنڈے سے ذہنوں کو خلیفۃ النبی ﷺ کے بارے میں مسموم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کے نتیجہ میں خلافت نبوت ﷺ کی استنادی حیثیت مجروح ہو جائے گی جو دین کا حلیہ بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔

⑦ جنگی کاروائی کی کوئی بات نہ ان کے طریق کار میں ہے اور نہ نیت وارادہ میں ہے اور نہ وہ نفسیاتی طور پر اس کے لئے آمادہ ہیں اور نہ انہیں سبائیوں کی تیز دستی کا اندازہ ہے کہ وہ کاروان مکہ کے بصرہ پہنچنے تک اپنی سازشی کاروائیوں کو کس خطرناک حد تک آگے بڑھا چکے ہوں گے۔

⑧ کاروان مکہ کا مقصد یہ تھا کہ خلیفۃ النبی ﷺ کے سبائی قاتل معاشرے کی تائید وحمایت اور ہمدردی سے محروم ہو کر تنہارہ جائیں تا کہ انہیں ختم کیا جانا آسان ہو اور جو فتنہ انہوں

نے کھڑا کیا ہے اس کا سدباب ممکن ہوسکے۔

⑨ اس طریق کار کے ذریعہ بصرہ اور کوفے میں اگر انہیں بے یارو مددگار بنادیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گردان کا گھیرا ٹوٹ جائے گا جس کے بعد ان سے بآسانی قصاص لیا جاسکے گا۔

⑩ سبائی گماشتوں نے اپنے خلاف پیدا ہونے والی اس صورت حال کی نزاکت کو بھانپ لیا لہٰذا انہوں نے کاروان مکہ کو اپنے اصلاحی منصوبے کو بروے کار لانے کا موقعہ ہی نہیں دیا اور بلا کسی تمہید کے کاروان مکہ پر حملہ آور ہوگئے اور یکطرفہ جنگ شروع کردی اس کے باوجود کاروان مکہ نے بڑے حوصلہ کا ثبوت دیا اور جنگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی حتیٰ کہ دفاعی عمل کو بھی صرف اپنے بچاؤ تک محدود رکھا گیا تا کہ جہاں تک ممکن ہو فتنہ کو بڑھنے سے روکا جاسکے اور اصلاحی منصوبے کو بروئے کار لایا جاسکے۔

۱۱۔ لیکن جب سبائی فتنہ بازوں نے پر امن دفاعی عمل کو بھی ناکام کردیا تو اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ رہا کہ اصلاح حال کی خاطر سبائیوں پر ہاتھ اٹھایا جائے لہٰذا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی جو کاروان کے امیر ہیں کاروان مکہ کو سبائیوں کے قتل عام کی اجازت دے دی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قاتلین عثمان کے علاوہ کوئی اور قتل کی زد میں نہ آنے پائے۔

۱۲۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کا فائدہ یہ ہوا کہ حکیم بن جبلہ سمیت تقریباً وہ سب سبائی مارے گئے جو قتل خلیفۃ النبی ﷺ کے جرم میں ملوث تھے اور اب انہوں نے بصرہ میں پناہ لے رکھی تھی صرف حرقوص بن زہیر سبائی بھاگنے میں کامیاب ہوگیا ورنہ اس سے پہلے کاروان مکہ کے شرکا یکطرفہ طور پر قتل اور زخمی ہو رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام

یہ ذکر پہلے آ چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب کاروان مکہ کی روانگی کا علم ہوا تو وہ بھی مدینہ سے چل پڑے مقصد یہ تھا کہ انہیں بصرے سے ادھر ہی روک لیا جائے۔اور باہمی مشاورت سے اس پیچیدہ صورت حال کا کوئی حل نکالا جائے۔ابن جریری طبری فرماتے ہیں ''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ خبر ملی کہ وہ لوگ عراق کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بلا تاخیر مدینہ سے نکل پڑے اور انہیں امید تھی کہ وہ ان حضرات کو عراق پہنچنے سے پہلے ہی پالیں گے اور انہیں اس اقدام سے باز رکھ سکیں گے۔لیکن جب آپ مقام ربذہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرات آگے جا چکے ہیں لہٰذا پھر آپ نے کئی روز تک وہیں قیام کیا یہاں آپ کو یہ خبر ملی کہ ان حضرات کا ارادہ بصرہ جانے کا ہے۔اس خبر سے آپ کی پریشانی دور ہو گئی اور کہنے لگے کہ اہل کوفہ کو مجھ سے بہت محبت ہے اور عرب کے سرکردہ اور بڑے لوگ کوفہ ہی میں رہتے ہیں''۔ (طبری ج ۳، ص ۴۹۴)

درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف اور اس کے لئے ان کے اقدامات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ:

① کسی مرحلہ میں اور کسی حال میں بھی جنگ کی نوبت نہ آنے پائے نہ کاروان مکہ کے خلاف اور نہ اہل شام کے خلاف۔ارباب فتنہ نے جو رخنہ ڈال دیا ہے اس کا سدباب نہایت تحمل، تدبر، زیرکی اور کسی حسن تدبیر سے کیا جائے۔

② منافقین کے نرغے سے نکلنے کی مناسب تدبیر کی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مخلصین کی بھرپور قوت اپنے گرد جمع کی جائے جس کے مقابلے میں فتنہ باز کمزور پڑ جائیں پھر ان پر ہاتھ ڈالا جائے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے۔

③ یہ کام مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر مناسب نہیں اور ممکن بھی نہیں کیوں کہ منافقین ساکنان مدینہ کو تو قابو میں لے چکے ہیں جنہیں وہ دباؤ سے نکلنے نہیں دے رہے اور اگر باہر سے قوت مہیا کی جائے تو جنگ کا امکان پیدا ہو سکتا ہے جبکہ مدینہ حرم نبوی ﷺ ہے جہاں جنگ کرنا حرم نبوی ﷺ کی توہین ہے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی باہر

سے فوج لانے کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوچ یہ تھی کہ اپنے گرد مخلصین کی قوت جمع کرنے اور منافقین کے نرغے سے آزاد ہونے کے لیے مدینہ سے نکلنا ضروری ہے۔

⑤ مدینہ میں جو بھی آئے گا وہ اوباشوں کے کنٹرول میں ہوگا تو فائدہ کچھ نہیں۔ آزاد رہے گا تو مقابلہ کی صورت پیدا ہوگی۔ جس سے تصادم کی نوبت آنے کا اندیشہ ہے جس سے حرم نبوی ﷺ کا تقدس مجروح ہوگا۔

⑥ مدینہ سے باہر جو بھی آئے گا آزاد حیثیت سے شامل ہوتا جائے گا اگر منافقین مقابلہ کی صورت پیدا کریں گے تو مار کھائیں گے۔

⑦ مخلصین کی قوت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ اعتماد اہل کوفہ پر تھا۔

⑧ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ان مقاصد کو خفیہ رکھ رہے تھے تاکہ کہیں منافقین دفاعی داؤ چلانے پر نہ اتر آئیں۔

یہی وجہ ہے کہ مدینہ سے نکلتے وقت منافقین برملا یہ تاثر دے رہے تھے کہ وہ کاروان مکہ کے خلاف جنگ کے لئے نکل رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس تاثر کی تردید میں چشم پوشی سے کام لیتے رہے جس سے یہ تاثر ابھرا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے نکلنا اہل شام اور کاروان مکہ کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے تھا اسی تاثر کے پیش نظر اہل مدینہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے سے معذرت کردی تھی۔ (الکامل ج ۳، ص ۲۰۵۔۲۲۱ طبری ج ۳ ص ۴۲۲)

لیکن جب مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے تو مقام ربذہ میں پہنچ کر آپ نے واشگاف الفاظ میں بتادیا کہ ہم جنگ کی نوبت کسی صورت نہیں آنے دیں گے۔

مقام ربذہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیام:

ربذہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما کا قافلہ بصرہ کی طرف آگے نکل گیا ہے تو آپ نے وہیں قیام فرما کر آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا اور اہل کوفہ کے نام محمد بن جعفر کے ہاتھ ایک خط ارسال کیا انہیں لکھا کہ تمام شہروں پر میں نے تمہیں چنا ہے۔ اور جو حوادث پیش آئے ہیں ان میں میں نے تمہیں پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ کے دین کے معاون

ومددگار بن جاؤ، ہمارے ہاتھ مضبوط کرو اور ہماری حمایت میں اٹھ کھڑے ہو۔ ہمارا مقصود و مدعا اصلاح ہے۔ تاکہ امت دوبارہ رشتہ اخوت میں منسلک ہو کر بھائی بھائی بن جائیں اور جس نے اس بات کو محبوب جانا اور اس کو ترجیح دی تو اس نے درحقیقت حق سے محبت کی اور حق کو قابل ترجیح جانا اور جس نے اس بات سے نفرت کی تو اس نے درحقیقت حق سے نفرت کی اور حق کی تحقیر کی۔

دونوں قاصد کوفہ روانہ ہو گئے اور حضرت علی یہاں ضروری تیاری میں مصروف رہے مدینہ والوں کو دوبارہ پیغام بھیجا وہاں سے ضروری ساز و سامان، سواری، اسلحہ وغیرہ جو مطلوب تھا وہ پہنچ گیا اس طرح یہاں آپ کی پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی تب آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے ایک تقریر فرمائی۔ فرمایا:

اے لوگو! اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت ہمیں عزت بخشی اور اس کے طفیل ہمیں بالانشین کیا اور اس کے ذریعہ ہمیں بھائی بھائی بنا دیا جبکہ ہم پہلے ذلیل و رسوا تھے تعداد میں قلیل تھے آپس میں بغض و عناد تھا، دوری اور بیگانگی تھی پھر دین اسلام کی دی ہوئی یہ عزت لوگوں کا معیار عمل بن گئی اور جب تک اللہ نے چاہا لوگ اس روش پر عمل پیرا رہے اسلام ان کا دین تھا خود ان میں حق موجود تھا اللہ کی کتاب ان کا امام تھی حتی کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا سانحہ پیش آیا یہ ان لوگوں کے کرتوت کا نتیجہ تھا جو شیطان کی انگیخت پر اٹھے تھے تاکہ شیطان کی یہ انگیخت امت میں کشیدگی پیدا کر دے۔ سنو! یہ امت لازماً فرقوں میں بٹ کے رہے گی جیسا کہ پہلی امتیں بٹتی رہی ہیں جو کچھ ہونے والا ہے اس کے شر سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر دوبارہ فرمایا کہنے لگے جو کچھ ہونے والا ہے اسے ہر صورت ہو کے رہنا ہے اور سنو! یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان تہتر فرقوں میں بدترین فرقہ وہ ہوگا جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے گا لیکن میرے عمل پر عمل پیرا نہیں ہوگا۔ تم خود یہ جان چکے ہو اور مشاہدہ کر چکے ہو لہٰذا تم اپنے دین پر پکے رہو اور نبی ﷺ کی ہدایت کو راہنما بناؤ اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کرو اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے قرآن پر پیش کرو پھر جو قرآن کی رو سے معروف قرار پائے اس پر جم جاؤ اور جو منکر قرار پائے اسے رد کر دو اور اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے امام و حکم ہونے پر راضی ہو جاؤ۔ (طبری ج ۳، ص ۴۹۴/ الکامل ج ۳، ص ۲۲۴)

جب ربذہ سے چلنے لگے تو رفاعہ بن رافع کا لڑکا کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا اے امیر المومنین آپ کیا چاہتے ہیں اور ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ فرمایا: جو ہم چاہتے ہیں اور جو کچھ ہماری نیت میں ہے وہ ہے صرف اصلاح! بشرطیکہ وہ ہم سے قبول کریں۔ اور اصلاح کی خاطر ہماری پکار پر لبیک کہیں وہ کہنے لگا اگر وہ اصلاح کی خاطر ہماری پکار پر لبیک نہ کہیں؟ فرمایا ہم انہیں معذور سمجھ کر چھوڑ دیں گے وہ کہنے لگا اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے فرمایا ہم انہیں چھوڑ دیں گے جب تک وہ ہمیں چھوڑے رکھیں گے۔ جب تک وہ ہمیں چھوڑ رکھیں گے۔ اس نے کہا اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا فرمایا ہم ان سے بہر حال باز رہیں گے یعنی کسی حال میں بھی ہم جنگ نہیں کریں گے وہ کہنے لگا تب ہم چلتے ہیں۔ (طبری ج ۳ ص ۴۹۴/ الکامل ج ۳ ص ۲۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف سفارت بھیجنا:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ربذہ سے کوچ فرما کر مقام فید میں پہنچے تو کوفہ کا ایک شخص عامر بن مطر نامی ملا آپ نے اس سے کوفہ کے حالات دریافت فرمائے اور پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا" وہ کہنے لگا کہ اگر آپ اصلاح چاہتے ہیں تو ابوموسیٰ اصلاح ہی کا حامی ہے اور اگر آپ جنگ چاہتے ہیں تو ابوموسیٰ جنگ کا قطعاً حامی نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! ہم اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے" (طبری ج ۳ ص ۴۹۵/ الکامل ج ۳ ص ۲۲۵)

جب کوفے والوں کی طرف سے دونوں محمد حوصلہ افزا جواب نہ پا کر واپس ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا بات پھر بھی نہ بنی بالآخر حضرت حسن کو بھیجا جن کے ہمراہ حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انہیں سینے سے لگایا حضرت حسن نے پوچھا اے ابوموسیٰ آپ لوگوں کو ہم سے بددل کیوں کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم تو اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے کسی بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ ابوموسیٰ نے فرمایا میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ہوں تو نے سچ کہا ہے لیکن جس سے مشورہ پوچھا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ فتنہ آئے گا جس میں بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر ہوگا' کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا' چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا اور اللہ

تعالیٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے اور ہمارے جان و مال آپس میں ہم پر حرام قرار دیئے ہیں'' پھر ابوموسیٰ نے لوگوں کے سامنے مؤثر تقریر فرمائی۔ اے لوگو! میرا کہا مانو اور تم عرب کی اصلیت کو اپنا لو مظلوم کو تمہارے ہاں ٹھکانا ملے اور خوف زدہ کو امن نصیب ہو۔ ہم اصحاب محمد ﷺ بہتر جانتے ہیں جو کچھ ہم نے آپ سے سنا ہے۔ فتنہ جب آتا ہے نا قابل فہم ہوتا ہے اور جب جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے اور یہ فتنہ عظیم ترین فتنہ ہے یہ پیٹ کی متعدی بیماری کی طرح شمال' جنوب' مشرق و مغرب میں پھیلے گا۔ پھر کبھی تھم جایا کرے گا معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ کہاں سے آیا اور کہاں جاتا ہے زیرک و سنجیدہ آدمی کو ایسا بنا دے گا جیسے وہ کل کا ناداں بچہ ہو تم اپنی تلواریں نیام میں کر لو اپنے نیزے توڑ دو اپنے تیر پھینک دو اپنی کمانوں کے وتر کاٹ دو اور اپنے گھروں میں پابند ہو کے رہ جاؤ۔ اور جب قریش دار الہجرۃ سے نکلے بغیر باز نہ آئیں تو انہیں چھوڑ دو وہ خود ہی اپنا شگاف بند کر لیں گے اور رخنہ کا سد باب کر لیں گے اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی یہ کوشش ان کی اپنی بھلائی کے لئے ہے اگر نہیں کیا تو اس کی مصیبت بھی وہی بھگتیں گے تم مجھے اپنا خیر خواہ جانو اور مجھ سے روپوش نہ ہو جاؤ اور میرا کہا مانو تمہارے دین و دنیا دونوں بچ جائیں گے۔ اور جو اس فتنہ میں ہاتھ ڈالے گا اسے اس فتنہ کی آگ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

زید بن صوحان نے اپنا ٹنڈا ہاتھ لہراتے ہوئے کہا اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) تو دریائے فرات کا رخ موڑ دے جہاں سے وہ آ رہا ہے ادھر کو واپس کر دے تاکہ وہ اس دھانے پر لوٹ جائے جہاں سے وہ نکلا ہے اگر تو ایسا کرنے پر قادر ہو سکا تو پھر یہ مقصد بھی حاصل کر سکے گا لہٰذا تو اس بات کو چھوڑ جس کو پا سکنا تیرے بس میں نہیں لوگو! چلو امیر المومنین کے ہمراہ نکلو تم حق کو پالو گے حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے فرمانے لگے اس میں شک نہیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تم سے محبت رکھتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سیدھی راہ ملے تم سے ایک بات کہتا ہوں' دیکھو وہی حق بات ہے۔ دیکھو جو حضرت امیر (ابوموسیٰ) نے کہا اس میں شک نہیں کہ صحیح بات وہی ہے لیکن کاش اس کو پالینے کی کوئی سبیل ہو اور جو کچھ زید نے کہا ہے تو زید اس معاملہ میں بس زید ہی ہے اس کو اپنا خیر خواہ نہ جانو حقیقت یہ ہے کہ جو فتنہ میں دخل اندازی کرے گا وہ فتنہ سے بچ نہیں سکے گا اور وہ بات جو صحیح اور درست بات ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایسی امارت کا

ہونا ضروری ہے جو لوگوں کا انتظام کر کے ظالم کو روکے' مظلوم کو عزت دے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو اس وقت سربراہ ہیں اور ان کی پکار انصاف کی پکار ہے اور ان کی دعوت اصلاح کے لئے ہے۔لہٰذا اس معاملہ میں صاحب بصیرت اور "اہل دانش بن کر نکلو"۔ (طبری ج ۳ ص ۴۹۸)

ثمرہ بحث

ان طویل اقتباسات سے جو بات واشگاف ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پروگرام میں جنگ کا ہر امکان منفی ہے وہ صرف اصلاح احوال اور امت میں اتحاد و یگانگت چاہتے ہیں۔

② اصلاح احوال کا کیا لائحہ عمل ان کے ذہن میں تھا؟ اس کو وہ الم نشرح کرنے کے بارے میں محتاط ہیں۔

③ اصلاح کے پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے گرد ایک مضبوط افرادی قوت جمع کرنے کے لیے بیحد فکر مند ہیں۔

④ عنوان میں اصلاح ہے اور افرادی قوت کے لیے دوڑ دھوپ ہے یہ دونوں باتیں بظاہر متضاد ہیں اسی لیے مدینہ والوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے میں شرح صدر حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ افرادی قوت کا خیال جنگ کا نقشہ سامنے لے آتا تھا جس کے ساتھ اصلاح کا عنوان سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اسی بناء پر کوفہ والے بھی شش و پنج میں رہے چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں بڑی محنت اور تگ و دو سے کام لینا پڑا پھر بھی اگر حضرت قعقاع بن عمرو کی شائستہ اور سلجھی ہوئی وضاحت نہ آتی تو ذہنی الجھنوں کا دور ہونا آسان نہ تھا۔

امید کی کرن

غرض حضرت قعقاع بن عمرو کی گفتگو کے بعد لوگوں کی نفسیات میں ایک خوشگوار تبدیلی آئی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو اپنے امیر کی دعوت پر لبیک کہو اور اپنے بھائیوں کے پاس چلو اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ کے لیے چلنے والے مل جائیں گے لیکن اللہ کی قسم اگر اہل عقل و دانش اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں تو یہ فوری حالات کیلئے ایک مثالی بات ہوگی اور انجام کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا تم ہماری دعوت پر لبیک کہو اور جس مصیبت میں ہم اور تم مبتلا کر دیئے گئے ہیں اس میں ہماری مدد کرو اب لوگوں نے اثبات میں جواب دیا اور راضی ہو گئے بعض اور لوگوں نے بھی حضرت حسن کی تائید میں تقریریں کیں۔ان میں اشتر نخعی بھی تھا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر شروع کر دیا تو مقطع بن ہیثم عامری کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ چپ ہو جا اللہ تیرا چہرہ مسخ کرے کتا بھونکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔اور لوگ بھی جذبات میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے لہٰذا اسے بیٹھنا پڑا مقطع بن ہیثم کہنے لگے اللہ کی قسم ہم آئندہ یہ برداشت نہیں کریں گے کہ کوئی نابکار ہمارے آئمہ کا ذکر اپنی ناپاک زبان پر لائے اس وقت ہم پر لازم ہے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہوں اگر یہ چوٹ جو ہمیں لگی ہے علی رضی اللہ عنہ کو قبول کرنے پر ہمیں راضی نہ کر سکی تو نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ایک عام آدمی ہماری مجلسوں میں بے تکی زبان چلانے پر جری ہو جائے گا۔ لہٰذا اس بات کو قبول کرو جس پر تمہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آمادہ کر رہے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہنے لگے شیخ نے سچ کہا اے لوگو میں کل ہی روانہ ہو رہا ہوں لہٰذا جو جانا چاہے میرے ساتھ چلے چنانچہ نو ہزار آدمی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں تیار ہو گئے۔

(طبری ج ۳،ص ۵۰۰)

گویا مقطع بن ہیثم نے اشتر نخعی کو جھڑک کر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے صدمہ سے مجروح دلوں پر مرہم رکھ دیا اور لوگوں کے جذبات میں اتر کر بات کی تو فوراً قبول ہو گئی گویا پوری امت کی نفسیاتی فضا یہ بن گئی کہ صرف وہی بات قبولیت کا درجہ پا سکتی ہے جس پر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا حوالہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں۔ لیکن فی الحال ان کی مجبوری ہے جس کی بناء پر

وہ یہ حوالہ استعمال نہیں کر سکتے اگر وہ ایسا کریں تو بجائے فائدہ کے نقصان متوقع ہے لہٰذا وہ اس کے لیے مناسب وقت کے منتظر ہیں۔ اہل کوفہ مقام ذی قار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا استقبال کیا انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا اے اہل کوفہ تم نے عجم کی قوت وشوکت اوران کے بادشاہوں کو زیر کیا اوران کے جم گھٹوں کو منتشر کیا حتیٰ کہ آج ان کی وراثت تمہارے زیر تصرف ہے لہٰذا تم نے اپنے علاقے کو مالا مال کر دیا اور دوسروں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد بھی کی اور میں نے تمہیں دعوت دی ہے کہ تم ہمارے ساتھ آ جاؤ اپنے بصری بھائیوں کے پاس چلیں۔ پھر اگر وہ اپنا پروگرام ترک کر کے ہماری طرف لوٹ آتے ہیں تو یہی ہم چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ نہیں مانتے تو ہم ان سے نرم رویہ ہی رکھیں گے اوران سے علیحدہ رہیں گے جب تک وہ ہم پر ظلم کا آغاز نہ کریں اور ہم کوئی ایسی بات نہ چھوڑیں گے جس میں اصلاح کا شائبہ ہو مگر ہم اس کو ترجیح دیں گے ہر اس بات پر جس میں فساد ہو۔ انشا اللہ۔ (طبری ج ۳، ص ۵۰۲)

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو کو طلب فرمایا اوران سے کہا تم زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اورانہیں اتحاد و یگانگت کی دعوت دو چنانچہ حضرت قعقاع بن عمرو بصرہ تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا اماں جان! اس شہر میں آپ کیسے تشریف لائی ہیں؟ فرمایا اے بیٹے لوگوں میں اصلاح کی غرض سے' عرض کیا اماں جان زبیر رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لیں تا کہ آپ میری اوران کی بات سن لیں' ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو بلا بھیجا وہ دونوں بھی تشریف لے آئے تو قعقاع بن عمرو نے بات شروع کی فرمانے لگے میں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے عرض کیا ہے کہ آپ اس شہر میں کیسے تشریف لائیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں میں اصلاح کے لیے تم دونوں اس بارے میں کیا کہتے ہو ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تائید میں یا مخالفت میں؟ وہ فرمانے لگے ہم حمایت میں ہیں' قعقاع بن عمرو نے کہا یہ فرماؤ اس کی صورت کیا ہوگی؟ اللہ کی قسم ہماری سمجھ میں آ گیا تو ہم بھی اصلاح کی یہی صورت اپنا لیں گے اور اگر ہم نے اس کو غلط جانا تو ہم اس کو نہیں اپنائیں گے وہ دونوں فرمانے لگے کہ اصلاح کی صورت ہے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر گرفت اگر اس کو ترک کر دیا گیا تو یہ قرآن کو ترک کرنا ہوگا اور اگر اسے بروئے کار لایا گیا تو قرآن کو زندہ کرنا ہوگا۔ قعقاع بن عمرو

کہنے لگے کہ تم لوگ اس سے پہلے اہل بصرہ میں سے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر چکے ہو لیکن ان کے قتل سے پہلے جو تمہاری پوزیشن تھی وہ آج کی نسبت زیادہ مضبوط تھی تم نے چھ سو آدمی قتل کیے اور ان کے لیے چھ ہزار ناراض ہو کر تم سے علیحدہ ہو گئے تم حرقوص بن زہیر کو ڈھونڈ رہے ہو اور چھ ہزار افراد اس کا تحفظ کر رہے ہیں اب اگر تم اسے چھوڑ دیتے ہو تو تم نے قاتل عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا جس کے لیے تم اٹھے ہو اور اگر تم ان سے جنگ کرتے ہو تو تم خود اس امر محذور میں پڑ گئے جس سے تم بچنا چاہتے ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ معاملہ کہیں بڑا ہے اس معاملہ سے جسے تم ناگوار سمجھ رہے ہو اور تم نے یہاں کے بنو مضر و بنو ربیعہ کے قبائل کو بھڑکا دیا اور اپنے خلاف جنگ پر انہیں اکٹھا کر دیا ہے اور جس طرح یہ اوباش اس عظیم سانحہ اور گناہ کبیرہ پر مجتمع ہوئے تھے اب ان اوباشوں کی نصرت کے لیے تمہارے خلاف یہ قبائل مجتمع ہو گئے ہیں' ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ کیا کہتے ہیں قعقاع بن عمرو نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کا حل ہے حالات کا پرسکون ہونا جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو ان میں پھوٹ پڑ جائیگی لہٰذا اگر تم ہم سے بیعت کر لو تو یہ خیر و برکت کی علامت ہے اور رحمت کے آثار ہیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیا جا سکتا ہے اور اس امت کے لیے عافیت و سلامتی کی بات ہے اور اگر تم نہیں مانتے اور اسی روش پر بضد رہنا ہے تو یہ شر کی علامت ہے اور اس خون کا بدلہ ضائع ہو جائے گا۔ اور اللہ کی طرف سے امت کو ایک ایسا جھٹکا لگے گا جو امت کو ہلا کے رکھ دے گا جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکے گی لہٰذا تم لوگ عافیت کو ترجیح دو اور بھلائی کی کنجیاں بن جاؤ جیسے تم پہلے سے چلے آ رہے ہو نہ ہمیں مصیبت میں ڈالو نہ خود مصیبت میں پڑو ورنہ یہ مصیبت ہم تم سب کو چاروں شانے چت کر ڈالے گی میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہی ہے اور اسی کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہوں اور یہ حادثہ جو پیش آیا ہے ایسا حادثہ ہے جس کی سنگینی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہ عام معاملات جیسا معاملہ نہیں ہے نہ یہ ایک فرد کا قتل ہے جسے کسی ایک آدمی نے یا ایک گروہ نے یا ایک قبیلہ نے قتل کیا ہو ام المومنین رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے تو نے بہت اچھی بات کی اور صحیح بات کی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں اور وہ تیری رائے پر ہوں تو پھر یہ معاملہ بالکل ٹھیک ہو گیا اور سنور گیا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو نے اس صورت حال سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا تو وہ یہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔

جب حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمر ام المومنین رضی اللہ عنہا اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس سے واپس لوٹے اور بتایا کہ ان کی رائے بھی اصلاح احوال میں وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور اونچے کھڑے ہو کر خطاب کیا اللہ کی حمد وثناء اور درود شریف کے بعد جاہلیت اور اس کی بدبختی اور اسلام اور اس کی خوش نصیبی کا ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد امت پر اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا ذکر کیا جو خلیفہ اول اور اتحاد و جماعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے کیا پھر دوسرا خلیفہ جو اس کے بعد عطا کیا گیا پھر تیسرا خلیفہ جو اس کے بعد عطا کیا گیا پھر یہ حادثہ پیش آیا جس کا ارتکاب اس امت کے خلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں محض دنیا مطلوب تھی اور جنہوں نے حسد کیا ان لوگوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت کی بناء پر دنیا کے خزانوں سے مالا مال کیا تھا اور ان لوگوں نے اشیاء کی حقیقتوں کو پلٹ دینا چاہا بہر حال اللہ تعالی اپنے امر کو پورا کرے گا اور جو وہ چاہے گا وہ مصیبت آ کے رہے گی اور سنو کل میرے ساتھ کوئی ایسا شخص ہرگز نہ جائے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی معاملہ میں کسی طرح کی کچھ بھی مدد کی ہو یہ بے وقوف لوگ اب اپنے آپ کو مجھ سے بے نیاز کر لیں۔

ثمرہ بحث

① حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ دونوں بہترین مشیر اور معاون حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میسر آئے تیسرے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تینوں حضرات نے ناسازگار اور پیچیدہ ترین صورت کو صحیح رخ پر لانے میں بڑے تحمل اور تدبر اور دیدہ وری سے محنت کی۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر بھی اپنی انا کا مسئلہ پیدا نہیں ہونے دیا اور تینوں حضرات کے مشوروں اور کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اصلاح کے ہدف کو پیش نظر رکھ کر بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔

③ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی قابل فہم وضاحت کے بعد حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اسے بلا تامل قبول کر لیا جس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت سب کا موقف ایک ہی تھا ورنہ جس طرح حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ خطوط سے واضح ہے کہ انہیں اپنے اس اقدام پر شرح صدر حاصل

ہے اور وہ اپنے اس اقدام میں نہایت کامیاب جا رہے ہیں ایسی صورت حال میں انہیں بلا تامل اپنے موقف سے دستبردار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

④ مدینہ طیبہ میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے کوفہ وبصرہ سے لوگوں کو حمایت کے لئے لانے کی پیش کش حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پیش کش کو قبول نہیں فرمایا تھا جس سے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے ضروری سمجھا کہ وہ خود کو اس نرغے سے نکال لے جائیں لیکن وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پیش کش کو قبول نہ فرمانا حرم نبوی کے تقدس کی خاطر تھا تاہم اس وقت آپ کے اس بارے میں مصلحتانہ سکوت سے غلط فہمیاں پیدا ہو جانا ایک نفسیاتی تقاضا تھا۔

⑤ اہل کوفہ کی حمایت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو افہام وتفہیم کے لئے بصرہ بھیجنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے طریق کار پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنے گرد افرادی قوت کا جمع ہونا ہی مطلوب نہ تھا بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں یگانگت اور موافقت کی فضاء بھی مطلوب تھی جو حضرت قعقاع کے بصرہ مشن کی کامیابی کے بعد حاصل ہو گئی۔

⑥ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اردگرد مطلوبہ قوت حاصل ہو گئی اور باہم غلط فہمیاں دور ہو کر موافقت کی خوشگوار فضاء بھی پیدا ہو گئی تو انہوں نے اپنے موقف پر پہلا فیصلہ کن قدم اٹھایا اور ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر اعلان کیا کہ قاتلین عثمان الگ ہو جائیں اور حتی کہ جس کا ادنیٰ سا بھی دخل اس بارے میں وہ بھی ساتھ نہ رہے۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اب تک کی اس روش سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی دخل ہے ورنہ انہیں ان اوباشوں سے کیا غرض کہ انہیں ساتھ لئے پھرتے ہیں لیکن اس دوٹوک اعلان کے بعد بات صاف ہو گئی کہ ان اوباشوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ بلکہ مناسب وقت کا انتظار تھا تب تک ان اوباشوں کو اپنے ساتھ برداشت کرنا ایک مجبوری تھی اب ان پر ہاتھ ڈالنے کا مناسب موقع ہے تو فوراً انہیں علیحدہ ہو جانے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے تاثرات

دونوں طرف بڑی خوشگوار فضاء پیدا ہوگئی، خدشات ٹل گئے، اصلاح کا ماحول بن گیا۔

ابوالجربا نامی ایک شخص حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، عقلمندی کی بات یہ ہے کہ آپ ایک ہزار حملہ آور بھیجیں اور اس سے پہلے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے مل سکیں ان کا کام تمام کر دیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے ابوالجربا امور حرب سے ہم بخوبی واقف ہیں لیکن ان کی دعوت بھی وہی ہے جو ہماری دعوت ہے اور اس معاملہ نے ایسی چیزیں پیدا کر دی ہیں جو آج سے پہلے وجود میں نہیں تھیں اور اس معاملہ کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر لے کے نہیں جائے گا قیامت کے دن اس کے تمام عذر ختم ہو جائیں گے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ان کی طرف سے ایک صاحب وفد بن کر آئے تھے جس کے نتیجہ میں میں امید کرتا ہوں کہ صلح کی بیل منڈھے چڑھے گی لہٰذا تم خوشخبری لو اور صبر کرو۔ صبرہ بن یشمان آیا اور کہنے لگا۔ اے طلحہ اے زبیر! موقع غنیمت جانو۔ جنگ کا فیصلہ سختی جھیلنے سے بہتر ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے صبرہ! ہم اور وہ مسلمان ہیں اور اس معاملہ کا آج سے پہلے وجود ہی نہیں تھا۔ اس بارے میں قرآن نازل ہوا ہوتا یا نبی ﷺ کی کوئی سنت ہوتی، یہ بالکل ایک جدید مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آج اس معاملہ کو چھیڑنا مناسب نہیں ایسا کہنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آج اس معاملہ کو چھوڑ دینا یا مؤخر کر دینا درست نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں جس چیز کی دعوت دیتے ہیں یعنی ان لوگوں کو فی الحال رہنے دو نہ چھیڑو مانا کہ یہ ایک شر ہے لیکن یہ شر اپنے سے بڑے شر سے بہر حال بہتر ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ سمجھ کی گرفت میں نہیں آرہا اور امید ہے کہ ہم پر یہ معاملہ واضح ہو جائے گا اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں حکم ہے اس پہلو کو ترجیح دینے کا جس کا نفع عام ہو اور جس میں احتیاط زیادہ ہو۔ کعب بن سور قاضی بصرہ تشریف لائے کہنے لگے اے لوگو! کس چیز کا انتظار کرتے ہو ان کا اولین گروہ تمہاری زد میں ہے ان کا خاتمہ کر کے یہ گردن ہمیشہ کے لئے کاٹ دو۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کہنے لگے اے کعب! یہ معاملہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے مابین ہے اور یہ امر غیر واضح اور گڈمڈ ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اصحاب

محمد ﷺ نے ایک راستہ اختیار کیا ہوا اور ہم ان کے قدم نکلنے کی جگہ نہ جانتے ہوں حتیٰ کہ یہ سانحہ پیش آیا اب صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں سمجھ پارہے کہ وہ آگے کو جارہے ہیں یا پیچھے کو جارہے ہیں آج ایک چیز ہمیں اچھی لگ رہی ہے اور ہمارے بھائیوں کو بری لگ رہی ہوگی آج ہم ایک بات کو ان کے خلاف دلیل بناتے ہیں لیکن وہ اس بات کو دلیل نہیں سمجھتے پھر ایسا ہوتا ہے کہ اسی بات کو وہ ہمارے خلاف دلیل بنارہے ہوتے ہیں اور اب ہم صلح کی امید لئے بیٹھے ہیں۔ (طبری ج ۳ ص ۵۰۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات

اہل کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ کیا قدم اٹھانا ہے ان میں سے اعور بن بنان مفتری کھڑا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اصلاح کے لئے اور آگ بجھانے کے لئے قدم اٹھانا ہے شاید اللہ تعالیٰ اس سے امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو پھر سے جمع کردے اور لڑائی ختم ہو جائے اور انہوں نے میری تجویز کو قبول کیا ہے وہ کہنے لگا اگر وہ قبول نہ کریں پھر کیا ہوگا فرمایا ہم انہیں چھوڑ دیں گے جب تک وہ ہمیں چھوڑے رہیں اس نے کہا اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا پھر؟ فرمایا ہم صرف اپنا بچاؤ کریں گے اس نے کہا اس معاملہ میں ان کی پوزیشن بھی ویسی ہی ہے جیسے ہماری ہے؟ فرمایا ہاں۔ ابوسالامہ دلانی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ وہ لوگ جو خون کا مطالبہ کررہے ہیں۔ اگر وہ یہ مطالبہ اللہ کی رضا کے لئے کررہے ہوں تو کیا آپ رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے؟ فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ جو اس معاملہ کو مؤخر کررہے ہیں تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ فرمایا ہاں! جب ایک چیز کا حل سمجھ میں نہ آرہا ہو تو اس میں حکم یہ ہے کہ اس کا وہ پہلو اختیار کرلو جس میں احتیاط زیادہ ہو اور جس کا نفع عام ہو اس نے کہا کہ اگر کل ہم آزمائش میں پڑجاتے ہیں تو پھر ہماری اور ان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ فرمایا ہم ہوں یا وہ جس نے بھی اپنا دل اللہ کے لئے صاف کرلیا پھر وہ قتل ہو جاتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریگا۔ مالک بن حبیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا آپ جب ان لوگوں سے ملیں گے تو کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ فرمایا ہم پر اور ان پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہاتھ روک لینے ہی میں اصلاح ہے اگر انہوں نے ہم سے بیعت کرلی تو یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور اگر ہم اور وہ دونوں فریق جنگ کے بغیر باز نہ آئے تو پھر ایک ایسا شگاف ہے جو کبھی بھرا نہیں جاسکے گا۔ (طبری ج ۳ ص ۵۰۹)

ثمرۂ بحث

① مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ فریقین اصلاح کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں افتراق امت کے اندیشوں سے پریشان ہیں امکان جنگ سے بچاؤ کے لئے فکرمند ہیں، اتحاد و یکجہتی کی امیدیں پال رہے ہیں۔

② عزم وارادے میں خلوص ہے، فکرونیت میں بے لوثی ہے اقدام وعمل میں کیفیت ایمانی ہے گفتگو میں نصح و خیر خواہی ہے، قول میں صداقت وحقانیت ہے ہر فیصلہ مفاد وغرض سے مبرا ہے روش میں اخلاق نبوی ﷺ کی شان ہے موقف میں انا کا کوئی تقاضا نہیں کسی دلیل پر کوئی ضد نہیں اعتراف خطاء میں کوئی عار نہیں جھجک نہیں۔

③ حالات میں الجھاؤ اور پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین رضی اللہ عنہا جیسی عظیم ترین ہستیاں جو علوم نبوت کے چشمہ صافی سے سیراب ہیں صحبت نبوی ﷺ کے اعلیٰ ترین اعزاز سے بہرہ مند ہیں کتاب اللہ کے خطاب اولوا الالباب سے ملقب ہیں، رضوان خداوندی کے انعام یافتہ ہیں جنت کی خوشخبریاں پائے ہوئے ہیں فہم وادراک کے لیے قلب وذہن کے دریچے کھول رکھے ہیں ہوش وخرد کی راہنمائی کے لیے اجتہاد وبصیرت کی تمام کی تمام توانائیاں بروئے کار لائی جارہی ہیں اس کے باوجود یہ برملا اعتراف ہے کہ ھوامر ملتبس یہ ایک ناقابل فہم معاملہ ہے فانھم لا یدرون امقبلون ام مدبرون وہ یہی نہیں سمجھ پارہے کہ آیا وہ آگے کو جارہے ہیں یا پیچھے کو جارہے ہیں۔

④ چودہ صدی بعد ہمارے سامنے وہ حالات نہیں ہے ان حالات کی جگہ سبائی روایتوں کی خاردار جھاڑیوں کا ایک گھنا جنگل ہے علوم نبوت سے ہمیں ہماری بدنصیبی نے بیگانہ ہی رکھا سیرت میں سنت نبوی ﷺ کے ذوق سے محرومی ہی ملی۔ فہم وفکر کو ہوش وخرد کو مغرب کی آوارہ مذاقی نے بگاڑ دیا، اخلاق وعمل کو تہذیب کی نئی روشنی نے تاریک کردیا نہ ہم ان حالات سے واقف جن سے وہ حضرات گزرے نہ حالات کی اس نفسیاتی فضاء سے

باخبر جس نے انہیں پریشان کردیا اور نہ ہم سنگینی حالات کے اس الجھاؤ سے آشنا جس کے ساتھ بنی نوع انسان کی یہ عبقری ہستیاں حل کی جستجو میں حیران کھڑی ہیں اور فہم وتدبر کی اعلی ترین صلاحیتیں ناطقہ بگریبان ہیں۔ اندریں حالات ہم اپنی غباوتوں' غلاظتوں اور جہالتوں کا پشتارہ لے کر سبائی روایتوں کی چھتر چھاؤں میں سرمیدان ہیں اور سب کو مشورے دیئے جارہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یوں کرنا چاہیے تھا حضرت عثمان کو چاہئے تھا کہ یوں کرتے اور یوں نہ کرتے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو اس طرح کرنا چاہیے تھا حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابوموسی اشعری کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنا چاہیے تھا۔ چوہے کو ہلدی کا ٹکڑا مل گیا تھا تو وہ پنساریوں کو آداب دکانداری سمجھانے نکل کھڑا ہوا اور صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ہماری حیثیت اس چوہے جتنی بھی نہیں۔ خواہ ہم عقل ودانش اور علم وتحقیق کی کتنی ہی بلندیوں پر کیوں نہ پہنچ جائیں۔

باغی ٹولے کا خطرناک سازشی منصوبہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا کہ قاتلین عثمان میں سے کوئی میرے ساتھ نہ رہے تو ان کے سرکردہ افراد کا گروہ ایک جگہ مشاورت کے لیے جمع ہوا جیسے اشتر نخعی شریح بن اوفی' عبداللہ بن سبا (عرف ابن سوداء) سالم بن ثعلبہ' غلاب بن ہیثم وغیرہ جن کی تعداد اڑھائی ہزار تھی اور الحمدللہ ان میں کوئی صحابی نہیں تھا کہنے لگے علی رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور اللہ کی قسم جتنے لوگ بھی خون عثمان کا مطالبہ کررہے ہیں ان میں علی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ کتاب اللہ میں بصیرت رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے میں بھی سب سے زیادہ حساس ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے تم سن چکے ہو کل کو تمام لوگ تمہارے خلاف جمع ہوں گے تمام لوگوں کا نشانہ تمہی ہو پھر کیا بنے گا تمہارا جبکہ تم قلیل تعداد میں ہو اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اشتر نخعی کہنے لگا ہمارے بارے میں طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کی رائے تو ہم پہلے سے جانتے ہیں لیکن علی رضی اللہ عنہ کی رائے کا ہمیں آج تک علم نہیں ہوسکا تھا اللہ کی قسم! سب لوگوں کی رائے ہمارے بارے میں ایک ہی ہے اگر علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ صلح کر لیتے ہیں تو ان کی یہ صلح ہمارے خون پر ہوگی اگر یہی بات ہے تو ہم علی رضی اللہ عنہ کو بھی عثمان کے پاس پہنچا

دیتے ہیں تب لوگ ہمارے بارے میں خاموشی اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ابن سوداء کہنے لگا تیری یہ رائے بہت غلط رائے ہے اگر ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ اے قاتلین عثمان کی جماعت ہم کل اڑھائی ہزار کی تعداد میں ہیں اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما پانچ ہزار کی تعداد میں، تم ان کے مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے اور تمہیں قتل کرنا ہی ان کا مقصد ہے۔ غلاب بن ہیثم کہنے لگا ایسے کرو کہ ان لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر کہیں نکل جائیں اور دور کسی علاقے میں جا کر آباد ہوں جہاں ہم اپنا بچاؤ کر سکیں۔ ابن سوداء کہنے لگا نہایت غلط بات تو نے کہی ہے ایسی صورت میں اللہ کی قسم! لوگ تمہیں اچک لیں گے۔ پھر ابن سبا خود بولا کہنے لگا اے لوگو! لوگوں میں گھلے ملے رہنے ہی میں تمہاری خیریت ہے جب لوگ آپس میں مل جائیں تو یکایک جنگ چھیڑ دو اور انہیں اکٹھا ہونے کی مہلت ہی نہ دو اور نہ انہیں سوچنے کا موقع دو اور جب تم جنگ چھیڑ دو گے تو جس گروہ میں تم ہو ان کے لئے جنگ سے باز رہنے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔ علی طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ہم خیال جو کچھ چاہتے ہیں اللہ انہیں ان کی چاہت سے دور رکھے گا اور جس چیز سے بیزار ہو رہے ہیں وہی ان پر آ پڑے گی۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور اسی فیصلہ پر مجلس برخواست ہوئی اور لوگوں کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۲۶)

ثمرۂ بحث

① منافقین کی مشاورت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عندیہ کو اس حد تک خفیہ رکھا تھا کہ باغی گروہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ کئے ہوئے تھا وہ اب تک یہی سمجھتے رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے حامی ہیں اور قتل عثمان کے اقدام پر راضی ہیں۔

② باغی ٹولہ اب تک یہ باور کئے ہوئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مدینۃ النبی علیہ السلام سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں تو یہ ان لوگوں کے خلاف جنگ کا اقدام ہے جو قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کر رہے اور یہی خبر وہ مشہور بھی کرتے رہے اور عام لوگوں کا تاثر بھی یہی بن رہا تھا حتیٰ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ تاثر زائل کرنے کے لئے کوفہ میں بڑی محنت کرنی پڑی اور مدینہ والوں نے اسی تاثر کی بناء پر نکلنے سے معذرت کر دی تھی۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باغی ٹولے کے خلاف اپنے مجوزہ اقدام کو راز میں رکھنا گویا اس ٹولے

کے خلاف ایک جنگی چال تھی لیکن اس جنگی چال کا جہاں یہ فائدہ ہوا کہ باغی ٹولہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ہم خیال تصور کر کے پرسکون رہا اور کسی نئی شرارت سے باز رہا اور اس جنگی چال کا مقصد بھی یہی تھا وہاں اس کا یہ نقصان بھی ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کے بارے میں بعض غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نقصان کے اس پہلو سے بے خبر نہیں تھے لیکن اس نقصان کا تعلق چونکہ ان کی ذات سے تھا جس کا بعد میں ازالہ ہو جائے گا جبکہ فائدے کا تعلق امت کی اجتماعیت سے تھا اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت کے اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی شخصیت کے نقصان کو نظر انداز کر دیا۔

④ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم بھی یہی کہیں گے کہ کاش! حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خبیث باغی ٹولے کے بارے میں جہاں اتنا عرصہ خاموش رہے وہاں دو روز اور سکوت فرما لیتے حتیٰ کہ حضرت علی، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی براہ راست ملاقات ہو جانے کے بعد الگ الگ دو گروہوں کے بجائے ایک ہی گروہ ہو جاتے پھر ان منحوسان انسانیت کو دھتکارا جاتا تو ان خبیثان منافقت کی اس بھونڈی سازش سے شاید بچا جا سکتا لیکن ہمارا یہ کہنا اپنے کودن پن کا ثبوت دینے سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ایک تو اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں اس حقیقت کا اعلان فرما دیا تھا" انہ لا بد مما ھو کائن ان یکون "حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہونا ہے وہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا۔ یعنی تقدیر کو انسانی تدبیر نافذ ہونے سے نہیں روک سکتی اور جب تقدیر نافذ ہونے لگتی ہے تو انسان کی حسن تدبیر ہی اس کا سبب بن جاتی ہے جو اس کے سد باب کے لئے اختیار کی گئی ہوتی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باغی ٹولے کو نکل جانے کے اعلان پر ان خبیثان منافقت کی طرف سے کی گئی سازش تو ہمارے سامنے عیاں ہو گئی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اعلان کو باہم ملاپ تک مؤخر کئے جانے پر جو وہ سازش کرتے وہ تو ہمارے ادراک وشعور میں نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جوان حالات سے نبرد آزما تھے ان کے پیش نظر اس اعلان کی مزید تاخیر میں نہ جانے کیا کیا خطرات وخدشات مضمر تھے۔

⑤ مذکورہ سازشی منصوبہ البدایہ والنہایہ سے ترجمہ کیا گیا ابن جریر طبری ابن اثیر جزری نے بھی اس منصوبے کا ذکر کیا ہے جو نسبتۃً تفصیل سے ہے لیکن مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے' البتہ باغی ٹولے کے ناموں میں انہوں نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جبکہ ابن کثیر نے ''البدایہ'' میں یہ وضاحت کردی ہے ''لیس منهم صحابی و لله الحمد'' الحمدللہ ان میں کوئی صحابی نہیں تھا نیز حضرت عدی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے کوفہ شہر کی سکونت اس لئے ترک کردی تھی کہ یہاں حضرت عثمان کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ا' ص ۱۹۱/ سیر اعلام النبلاء ج ۳' ص ۱۲۵)

لہٰذا جو شخص اس شہر میں رہنا گوارہ نہیں کرتا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید روا رکھی جائے تو وہ قاتلین عثمان کے گروہ میں کیسے شامل ہو جائے گا۔

پھر کیا ہوا؟

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جب نکلے تو ان کے ساتھ تیس ہزار کا جم غفیر تھا سب خوش تھے صلح ہو جانے میں کسی کو شک نہیں تھا جنگ کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا تھا حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا بنو ازد کی مسجد حدان میں ٹھہری ہوئی تھیں اور لوگ مقام زابوقہ میں فروکش تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ اگر تم لوگ اسی رائے پر قائم ہو جس پر قعقاع رضی اللہ عنہ تم سے جدا ہوئے تھے تو تم رکے رہو تا کہ ہم اس معاملہ میں غور و فکر کرلیں انہوں نے واپس پیغام بھیجا کہ ہم اس معاہدہ پر قائم ہیں جس پر قعقاع ہم سے جدا ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سامنے ان کے قریب ہی آ کے اترے بنو مضر، مضر کے پاس اترے اور ربیعہ، ربیعہ کے پاس اترے اور اہل یمن' اہل یمن کے پاس آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ کر رہے تھے اور صلح ہی کے تذکرے تھے طبیعتیں پرسکون اور مطمئن تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی تعداد بیس ہزار تھی حضرت علی، طلحہ، اور زبیر رضی اللہ عنہم آپس میں ملے بھی ہیں اور آپس میں اتفاق رائے بھی ہوا۔ جنگ ختم کر کے صلح کر لینے سے زیادہ بہتر ان کی متفقہ رائے میں کوئی اور معاملہ نہیں تھا اسی فیصلہ پر وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے اپنی جماعت کے سرداروں کو بلوایا اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی جماعت کے سربراہوں کو بلوایا اور آج کی رات عافیت وامن کی ایسی مثالی رات تھی کہ اس سے پہلے پورے عرصے میں ایسی رات کبھی نہیں آئی تھی۔ اس رات وہ صلح کی دہلیز پر پہنچ چکے ہیں اور جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں فساد کھڑا کیا تھا ان کی یہ رات بدترین رات تھی اور وہ ہلاکت کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے اور رات بھر وہ مشوروں میں لگے رہے پھر اندھیرے اندھیرے چلے کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے لوگ ہر فکر اور ہر اندیشہ سے بے خطر سکون کی نیند سو رہے تھے وہ اندھیرے میں مسلح نکلے اور اہل بصرہ یعنی طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی جماعت پر اچانک حملہ آور ہو گئے جبکہ وہ آرام کی نیند سو رہے تھے کہ یکا یک تلواریں برسنے لگیں ہر گروہ اپنی قوم کی طرف بھاگا تا کہ وہ ان کی حفاظت کر سکیں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کی طرف سے ہے اور عملاً ہوا بھی یہی تھا کیونکہ باغی ٹولہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی میں شامل تھا۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا ہو گیا؟ ساتھی کہنے لگے کہ اہل کوفہ نے اچانک رات کو حملہ کر دیا وہ کہنے لگے ہمیں پہلے لگ رہا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ باز نہ آئیں گے جب تک خون ریزی نہ کر لیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ نے شور سنا تو پوچھا کیا ہوا؟ ادھر سبائیوں نے ایک خاص انتظام یہ کیا تھا کہ ایک آدمی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قریب متعین کر دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موقع کی مناسبت سے جس طرح فتنہ باز چاہتے ہیں۔ خبریں دے کر بلیک میل کرے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب پوچھا کیا ہوا؟ وہ شخص کہنے لگا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکا بس اتنا معلوم ہے کہ بصرے والوں نے اچانک ہم پر شب خون مارا ہے ہم نے انہیں پیچھے دھکیل دیا تو دیکھا کہ ایک بڑا لشکر ہے جو ہم پر حملہ آور ہے اور ہمارے لوگ بھی مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا تھا کہ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما باز نہ آئیں گے جب تک خون ریزی نہ کر لیں اللہ کی تقدیر نافذ ہو چکی تھی جنگ زوروں پر آ چکی تھی گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اور سبائی جنگ کو بھڑکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے اور قتل عام میں بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلسل پکار رہے تھے لوگو! کچھ نہیں ہوا، رک جاؤ! رک جاؤ! لیکن کیسے رکتے؟ سبائی اپنا کام کر رہے تھے انہوں نے رک جانے کے لئے تو جنگ نہیں چھیڑی تھی کوئی کچھ نہیں سن رہا تھا۔ ادھر دونوں طرف عملاً یہ بات موجود تھی کہ جب تک دوسرا پہل

نہیں کرے گا ادھر سے جنگ نہیں کریں گے۔ تاکہ جنگ کے الزام سے بچیں اسی بات نے سبائیوں کو قتل عام کا خوب موقع فراہم کیا کیونکہ باقی سب لوگ جنگ سے بچنا چاہتے تھے اور ہاتھ روک رہے تھے اسی طرح یہ بات بھی معمول میں تھی کہ کسی پیٹھ پھیرنے والے کو، کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے چھینے ہوئے مال کو حلال نہ سمجھا جائے بصرے کا سامان، کپڑے، ہتھیار وغیرہ نہ لیے جائیں، ادھر یہ ہوا کہ زبیر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ آمنے سامنے آگئے عمار رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ پر نیزہ تان لیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور کہنے لگے اے ابو یقظان کیا تو مجھے قتل کرے گا؟ عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے نہیں اے ابوعبداللہ! جب یہ دیکھا کہ ہم آپس ہی میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آگئے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا اے بیٹے کاش! تیرا باپ آج سے بیس سال پہلے مرچکا ہوتا حسن کہنے لگے اے ابا جان! اسی سے تو میں آپ کو روکتا تھا کہنے لگے اے بیٹے میں نہیں سمجھتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا کندھوں سے سر لڑھک رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منظر نہ دیکھا جاسکا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگایا اور کہنے لگا انا للہ اے حسن اس کے بعد کس بھلائی کی امید کی جا سکے گی۔ بصرہ کے قاضی کعب بن سور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے اور عرض کیا جنگ رکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائیں لوگ جنگ سے باز نہیں آرہے آپ کو دیکھیں گے تو ہاتھ روک لیں گے شاید اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو صلح کا ذریعہ بنادیں چنانچہ آپ سوار ہوئیں اور کجاوہ پر زرہیں ڈال دی گئیں جب گھروں سے باہر آئیں جہاں جنگ کا شور سنائی دے رہا تھا جنگ پوری شدت سے جاری تھی آپ نے وہاں ٹھہر کر پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا لشکر کا شور ہے فرمایا یہ شور خیر کا ہے یا شر کا ہے؟ لوگوں نے بتایا شر کا ہے لشکر شکست کھا چکا ہے سبائیوں نے جب ام المومنین رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو آپ کے اونٹ پر حملہ کر دیا آپ رضی اللہ عنہا نے کعب بن سور کو اپنا قرآن مجید دیا اور ان سے کہا قرآن مجید ہاتھ میں لو اور انہیں اونٹ پر حملہ سے روکو اور قرآن مجید کی طرف دعوت دو لیکن سبائیوں کو قرآن مجید کا کیا لحاظ۔

کعب بن سور قرآن لے کر لوگوں کے سامنے آئے سب سے آگے سبائی ہی تھے انہیں اندیشہ تھا کہیں بات صلح پر نہ آجائے اس لئے سبائیوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور انہیں شہید کر دیا گیا اور پھر کجاوہ کو تیروں کے نشانہ پر رکھ لیا آپ رضی اللہ عنہا نے اونچی آواز میں پکارنا شروع کر

دیا بزرگوں کی شرم کرو! بزرگوں کی شرم کرو!......اے بیٹو! آپ کی آواز بہت بلند ہورہی تھی۔ اللہ اللہ! اللہ کو یاد کرو اور یوم حساب کو یاد کرو! لیکن سبائی کہاں ماننے والے تھے وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھے جب ام المومنین رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ نہیں مانتے تو کہنے لگیں اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور ان کے حامیوں پر لعنت بھیجو! اور آپ نے دعا شروع کر دی لوگ دعا کی پرتاثیری سے دھاڑیں مارنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا تو پوچھا کہ یہ شور کس چیز کا ہے آپ کو بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں کے خلاف بددعا کر رہی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پکارا اے اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور ان کے حامیوں پر لعنت بھیج!

اہل کوفہ کسی حال میں جنگ روکنے پر تیار نہ تھے اور اب ان کا نشانہ صرف ام المومنین رضی اللہ عنہا تھیں اور جاں نثار ام المومنین رضی اللہ عنہا پر جانیں قربان کر رہے تھے اونٹ کی لگام پر بنوضبہ کے چالیس اور قریش کے ستر آدمی شہید ہوئے اور بنوذہل کے پینتیس آدمی شہید ہوئے۔ بنوعدی کے ستر آدمی اونٹ کے تحفظ پر شہید ہوئے جو سب قرآن کے قاری تھے اور جو قاری نہ تھے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ جس نے لگام پکڑی فوراً شہید اور دوسرا جان نثار لگام پکڑنے کے لیے بیقرار ہوتا اور اونٹ کی مہار پکڑتے وقت وہ نام نسب کا اعلان کرتا انا فلاں بن فلاں اور اسے بڑا فخر سمجھتا آخر میں لگام زفر بن حارث کے ہاتھ میں تھی جب قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک شخص بجیر بن ولجہ سے کہا کہ تیری قوم کے لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف ہیں تو ان سے کہہ کسی طرح وہ اونٹ کو قتل کر دیں تاکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بچایا جا سکے اس نے اپنے بھائی عمرو بن دلجہ کو آواز دے کر کہا کہ مجھے اپنے پاس بلاؤ اس نے کہا آجاؤ' کہا میرے لیے امن ہے؟ اس نے کہا ہاں! بجیر بند دلجہ گئے جاتے ہی اونٹ کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں اونٹ کے گرتے ہی لوگوں میں افراتفری پیدا ہوگئی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اور زفر بن حارث نے مل کر اونٹ کے تنگ وغیرہ کاٹے اور دونوں نے کجاوہ اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور وہ تیروں سے ایسا ہوگیا تھا جیسے سہ کے کانٹے ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تشریف لائے طرفین سے خیر خیریت پوچھی گئی حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنی خیریت بتائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوئے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کاش میں

آج سے بیس (۲۰) سال پہلے مرگئی ہوتی۔ٹھیک یہی جملہ قعقاع بن عمرو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کاش میں آج سے بیس (۲۰) سال پہلے مرگیا ہوتا حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتولوں کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور حسرت بھرے شعر رہے تھے۔

الیک اشکو عجری و بجری
ومعشراً اغشو علی بصری
قتلت منهم مضراً بمضری
شفیت نفسی و قتلت معشری

''اے اللہ! میں اپنی چھوٹی بڑی مصیبت کی شکایت تیرے حضور لایا ہوں اور اس جماعت کی شکایت جنھوں نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا اور میں نے بنومضر کو بنومضر کے ذریعہ قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کیا اور میں نے اپنا خاندان خود ہی قتل کر ڈالا''۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو طبیعت بے قابو ہوگئی فرمایا ہائے میں مرگیا اے ابومحمد! مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں یوں قریش کے لاشے دیکھوں انا للہ وانا الیہ راجعون۔طرفین سے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں کی تمام اشیاء مسجد میں رکھوادی گئیں کہ جس کی ہو وہ پہچان کے لے جائے پتہ چلا کہ دو شخص حضرت ام المومنین کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہہ رہے ہیں حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیج کر انہیں بلوالیا ان کے ننگے جسم پر سو سو کوڑے لگوائے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مقتولین کے بارے میں دریافت فرمایا جب انہیں نام بتائے گئے تو ہر ایک کے لئے کہتیں یرحمہ اللہ عرض کیا گیا کہ فلاں فلاں تو آپ کے مقابلہ میں تھے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا فلاں بھی جنت میں ہوگا فلاں بھی جنت میں ہوگا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی روانگی کا انتظام فرمایا اور جو لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی جماعت سے زندہ بچ رہے تھے ان کے سفر کا بھی انتظام کیا اور ام المومنین کے لئے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی اور بصرے کی چالیس (۴۰) معزز خواتین کے ہمراہ ہونے کا انتظام کیا۔کوچ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ الوداع کہنے تشریف لائے اور میلوں تک ساتھ چلتے رہے اور بھی بہت سے لوگ تھے جب ام المومنین رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو

الوداع کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگیں اے بیٹے! ہم میں سے کوئی کسی کو ملامت نہ کرے اللہ کی قسم میرے اور علی کے مابین پہلے کوئی ایسی بات نہیں تھی سوا اس بات کے جو عورت اور اس کے دیوروں کے مابین ہوا کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری منشاء کے مطابق ہیں اور بہترین لوگوں میں سے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں واقعی حضرت ام المومنین سچ فرماتی ہیں میرے اور ان کے مابین اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ (الکامل ابن اثیر جزری ج ۳' ص ۲۳۵ تا ۲۵۸/ البدایہ ج ۷ص ۲۲۷ تا ۲۴۳/ ابن جریر طبری ج ۴ص ۵۱۷ تا ۵۴۴ ملخصاً)

ثمرۂ بحث

① مذکورہ بالا جنگ کی کہانی بتا رہی ہے کہ جنگ حضرت علی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے گروپوں میں نہیں بلکہ جنگ حقیقت میں باغی ٹولہ اور اہل ایمان کے مابین تھی اس میں منافقین کے باغی ٹولہ نے بھرپور کامیابی حاصل کی اور اپنے مذموم مقاصد بھرپور طریقے سے پورے کیے۔

② فتنے کی پیش گوئی احادیث میں موجود تھی جس کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نافذ ہو کر رہے گی وہ فتنہ حرکت میں آ چکا تھا اس کے اثرات بد سے امت کو بچانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم ہر ممکن کوشش بروئے کار لا رہے تھے لیکن ان کی یہ مومنانہ و مخلصانہ مساعی اللہ کی تقدیر کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا (معاذ اللہ) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلط پالیسی' غلط تدبیر یا غلط اقدام کا نتیجہ نہیں تھا انسانی تدابیر و ذرائع امڈتے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھنے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کر کے دکھا دیا۔ رہی یہ بات کہ ان کی تدابیر و مساعی سے کیا وہ طوفان رک گیا یا یہ کہ مساعی کے نتائج کیا ان کی امیدوں پر آئے؟ یہ سوال تب پیدا ہوتا ہے کہ جب حسب منشاء نتائج پر انسان کو قدرت حاصل ہوتی بلکہ سوال یہ کرنا چاہئے کہ اگر اس طوفان پر بند باندھنے کے لئے وہ تدابیر نہ کی گئی ہوتیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے بروئے کار لائی گئیں تو پھر نتائج کیا ہوتے اور پھر امت مسلمہ کا نقشہ کیا بنا ہوتا؟ تدابیر کے نتائج جو نقصان لائے وہ تو ہمارے سامنے ہیں اور وہ جانچا تو لا گیا لیکن

عدم تدابیر کے نتائج امت مسلمہ کے حق میں کتنے ہولناک ہوتے؟ اس کا کوئی اندازہ ہم نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ہمارے علم سے ماورا بات ہے۔

(۳) حضرت علی، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا ایک ہی مقصد کے لئے ایک ہی ہدف پر دو مختلف راستوں سے بڑھ رہے تھے یہ دونوں راستے ایک مقام پر پہنچ کر باہم مل گئے ان کا باہم ملنا باغی ٹولے کو گوارا نہ ہوا لہٰذا انہوں نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے شب خون مارا اور عملاً ملاپ کو بے اثر کر ڈالا اور امت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے کی اپنی آرزو پوری کر لی۔

(۴) سبائیوں کے حملہ پر جب شور اٹھا تو روایات بتاتی ہیں کہ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو بتایا گیا کہ کوفہ والوں نے اچانک رات کو حملہ کر دیا ہے! طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خونریزی کیے بغیر باز نہیں آئیں گے۔ ٹھیک یہی بات دوسری طرف ہوئی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کا شور سن کر پوچھا کیا ہوا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ بصرہ والوں نے ہم پر شب خون مارا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے میں پہلے ہی جانتا تھا کہ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما خون ریزی کیے بغیر باز نہ آئیں گے۔

اس روایت سے قارئین سبائی حکایت سازوں کے اندازِ اختراع کا اندازہ کر سکتے ہیں! لگتا ہے جیسے کسی کو وڈیو بنانے پر لگا رکھا تھا جو دونوں طرف کی باتیں بیک وقت سن رہا تھا۔

فریقین پورے مؤمنانہ شرح صدر سے ایک لائحہ عمل پر متفق ہو چکے ہیں اور اپنے اس اتفاق و ہم آہنگی پر بہت خوش ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی خاطر واپسی کے لئے رخت سفر باندھ چکے ہیں لیکن مذکورہ سبائی روایت ہمیں بتاتی ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود فریقین ایک دوسرے کے بارے دل میں بدگمانی لئے ہوئے ہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت طلحہ و زبیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منافق اور جھوٹا یقین کئے ہوئے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۵) کاروان مکہ میں میر کاروان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نہیں تھیں جیسا کہ عام

طور پر تاثر دیا جاتا ہے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنی عظیم تر شخصیت کے باعث نمایاں اور مرکز توجہ ضرور تھیں لیکن امیر اور سربراہ کی حیثیت سے نہیں تھیں امیر اور سربراہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔

(تاریخ اسلام ذہبی ج ۳، ص ۵۰۵/طبری ج ۳، ص ۵۲۱/سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص ۶۱)

ابن جریر طبری کے الفاظ یہ ہیں "جاء فارس یسیر و کانو یسلمون علی الزبیر بالامرة فقال السلام علیك ایها الا میر قال و علیك السلام" "ایک سوار آیا اور لوگ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بطور امیر کے سلام کہتے تھے اس سوار نے کہا السلام علیک اے امیر آپ نے جواب میں فرمایا وعلیک السلام اگر آپ امیر نہ ہوتے تو ایھا الا میر کے خطاب پر آپ رضی اللہ عنہ فوراً ٹوک دیتے تاریخ ذہبی میں ہے۔" واظهر با لشام ان الزبیر قادم علیهم و انه مبایع له "اور شام میں یہ بات مشہور ہوئی کہ زبیر آ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی ہے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳، ص ۵۳۷)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اہل کوفہ کے نام اپنے مکتوب میں فرماتی ہیں و جمع الله عزوجل کلمة اهل البصرة علی ما اجمع علیه الزبیر و الطلحه اور اللہ تعالیٰ نے اہل بصرہ کی بات متفق علیہ بنا دی اس کے مطابق جس پر زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے اتفاق کیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس خط سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کن اور با اختیار حیثیت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما ہی کی تھی ام المومنین رضی اللہ عنہا ان کی پیر وکار تھیں لیکن اپنے اعلیٰ ترین منصبی اعزاز کے سبب ہر مقام پر نمایاں رہی ہیں اپنی ناقص معلومات کی بناء پر جن لوگوں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو سربراہ باور کیا اور پھر ان کے اس اقدام کو اجتہادی غلطی پر محمول کیا اور دلیل یہ دی کہ آپ اپنے اس اقدام پر عمر بھر پچھتاتی رہیں تو یہ در حقیقت رائے قائم کرنے والوں کی اپنی اجتہادی غلطی ہے کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ واقعی اس کارواں کی سربراہ تھیں اور بعد میں انہیں احساس ہوا کہ ان کا یہ اقدام صحیح نہیں تھا تو یہ بات ہمارے لئے دلیل تب بنتی جب وہ اس بارے میں تنہا ہوتیں تو ہم یہ کہتے کہ انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا لیکن یہاں تو حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کی تائید و حمایت شروع سے آخر تک موجود ہے اور کسی چیز کے جائز اور مباح ہونے کے لئے ان کا عمل بڑی مضبوط دلیل

ہے۔ اگر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ہوتے ہوئے سربراہ ہوتیں تو عورت کی سربراہی کا جائز ہونا امت میں ایک اجماعی مسئلہ قرار پا جاتا جبکہ کسی طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اس پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ نیز! یہ کہ اگر ایسا واقعی ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پہلو سے اس اقدام پر معترض نہ ہوتے جبکہ یہ حقیقت شرعی طور پر مسلم تھی کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔ باقی رہا آپ رضی اللہ عنہا کا اس اقدام کو یاد کر کے رونا تو وہ پچھتانے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس اقدام کے اندوہناک نتائج پر تھا جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی روئے لیکن نتائج کے حسب منشاء نہ آنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا اقدام ہی غلط تھا کیونکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدام کے نتائج بھی ان کے حسب منشاء نہیں آئے جس پر وہ روئے اور غمگین ہوئے اور غمزدہ ہو کر فرمایا کہ کاش! میں بیس (۲۰) سال پہلے مرگیا ہوتا۔

⑥ میدان جنگ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا جنگ کی قیادت کرنے نہیں بلکہ جنگ روکنے کے لئے کعب بن سور قاضی بصرہ کی درخواست پر تشریف لائی تھیں لیکن منافقین کے باغی ٹولہ نے غنیمت جانا کہ ام المومنین کو شہید کر کے امت کو ایک نئی مصیبت میں مبتلا کر دیں اس بارے میں انہوں نے اپنی ناپاک کوشش میں کسی پہلو سے کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام نامبارک مساعی کو خاک میں ملا دیا۔ ورنہ جو کام اس منافق ٹولہ نے ربع صدی بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے امت کو ایک نئے جذباتی فتنے میں ڈال کر کیا وہ کام منافقوں کا ٹولہ حضرت ام المومنین کو شہید کر کے آج ہی کر دینا چاہتا تھا۔

⑦ ایک روایت کا ذکر بکثرت آتا ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو یاد نہیں جب آپ سے نبی کریم ﷺ نے کہا تھا کہ تم ایک دن علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! واقعی آپ ﷺ نے یہ کہا تھا مجھے اب یاد آیا لہٰذا میں میدان چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ روایت اصول روایت پر پوری نہیں اترتی۔ اصول روایت کے لحاظ سے ویسے ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ظالم قرار پانے کا سوال پیدا ہو بلکہ وہ جنگ رکوا رہے ہیں اور کل ہی کی بات ہے جب علی طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم تینوں حضرات

اکٹھے مل بیٹھے ہیں اور کسی متفقہ لائحہ عمل پر جدا ہوئے ہیں ابھی وہ رات گزرنے نہیں پائی کہ منافقین نے بے خبری میں جنگ چھیڑ دی تو اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کس پہلو سے ظالم قرار پائے؟ کیونکہ جنگ چھیڑنے یا جاری رکھنے میں ان کا کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہے خصوصاً جب وہ اپنے بیٹے کو وصیت بھی کر رہے ہیں کہ "آج میں دیکھ رہا ہوں کہ میں مظلومی کی حالت میں قتل کر دیا جاؤں گا" حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان پر نیزہ تان لیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ابو یقظان تو مجھے قتل کرنے لگا ہے وہ کہتے ہیں نہیں ابو عبداللہ! حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے سے ہٹ گئے ورنہ وہ بڑے طاقتور تھے اور عمار رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ میں بہت بوڑھے تھے ایسے ہی عمار رضی اللہ عنہ نے مغالطہ میں نیزہ تان لیا تھا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ حضرت زبیر علیہ السلام کے قتل کا خیال تک بھی دل میں لاتے۔ گویا وہ خود تو ہاتھ نہیں اٹھا رہے تھے لیکن باغی گروہ کی طرف سے جس قتل عام کا وہ نظارہ کر رہے تھے اس کی بناء پر انہیں یہ اندازہ تھا کہ آج میں بچ نہیں سکوں گا اور ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ مظلوم ہوں گے نہ کہ ظالم! ایسے ہی یہ بات صریحاً غلط ہے کہ وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے کیونکہ وہ جماعت کے امیر تھے وہ کیسے جاسکتے تھے' ہاں! یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جنگ سے روکتے تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی شروع ہی میں شہید ہو گئے اور سبائیوں کا اصل ہدف بھی یہ دونوں تھے۔ اسی لئے کعب بن سور قاضی بصرہ جب ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ جنگ رکوانے کے لئے وہ میدان میں تشریف لائیں لیکن یہ ان کی خواہش تھی کہ شاید لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا لحاظ کریں گے لیکن وہ تو سبائیوں کا ٹولہ تھا جو طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر چکا تھا اور اب ام المومنین رضی اللہ عنہا ان کا نشانہ تھیں۔ سبائیوں نے جنگ اس لئے تو شروع نہیں کی تھی کہ اسے روک بھی دیا جائے گا۔

⑧ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا لشکر بہت جلد شکست سے دوچار ہو گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ لڑائی تقریباً یکطرفہ تھی دوسری طرف سے دفاع تھا قتل عام کا سہرا تمام تر سبائیوں کے سر تھا جب طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہما نہ رہے تو قیادت نہ رہی اگر انہیں جنگ کرنی ہوتی تو وہ آئندہ کے خطرات کے پیش نظر متبادل قیادت وجود میں لاتے جیسا کہ امور حرب کا تقاضا ہے اور کیا خوب جواب تھا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ابوالحرباء کو جب اس نے جنگ کا مشورہ دیا تھا کہ "اے ابو

الحرباء ہم امور حرب سے بخوبی واقف ہیں'' لہٰذا اگر جنگ کرنی ہوتی تو امور حرب کے تمام تقاضے پورے کر لئے ہوتے اور اگر جنگ کرتے تو تیس ہزار کا لشکر سبائیوں کے ہاتھوں شکست نہ کھاتا جن کی تعداد کل دو اڑھائی ہزار تھی اور اسی لئے بصرہ کی جنگ میں جب حکیم بن جبلہ نے حملہ کیا تھا تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی کاروائیوں کو دفاع تک ہی محدود رکھا تھا جس سے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے حوصلے بڑھ گئے تھے تو دوسرے روز انہوں نے بھرپور طریقے سے منظم حملہ کیا لیکن اب وہ شہر والوں کی حمایت سے محروم ہو کر اکیلے رہ گئے تھے تو حرقوص بن زہیر کے علاوہ سب کا صفایا کر دیا گیا تھا۔

⑨ حضرت علی رضی اللہ عنہ باغی ٹولے کی اس سازش کو سمجھ گئے تھے کہ ان کا مقصد ام المومنین رضی اللہ عنہا کو شہید کر کے امت کو ایک نئے اور پہلے سے بھی زیادہ خطرناک فتنے میں مبتلا کرنا ہے اس لئے انہوں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بچانے کے لئے اونٹ کے قتل کی تدبیر کی اختتام جنگ کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ملنے آئے تو باہم کسی تلخی کی بات یا شکوہ شکایت کی کوئی روایت نہیں ملتی جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت قعقاع کی سفارت کے بعد جو حضرت زبیر' طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی اس میں یہ سب باتیں ختم ہو چکی تھیں اور ایک متفقہ پروگرام طے پا گیا تھا جس پر عمل درآمد کو باغی ٹولے نے ناممکن بنا دیا اس لئے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے سلام کے جواب کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور کہا کہ'' اے بیٹے! ہم میں سے کوئی کسی کو عتاب نہ کرے'' یعنی سازشی ٹولہ اپنے خبث باطن کی بناء پر اپنا کام کر گیا قدر اللہ ماشاء فعل اللہ کی تقدیر ایسے ہی تھی جو اللہ نے چاہا کیا۔

⑩ جنگ کی کہانی سبائیوں کے حملے کے بعد طبری کے تقریباً تیس (۳۰) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اسی طرح الکامل میں ہے۔ ہم نے طبری' الکامل اور البدایہ سے پوری کہانی خلاصے کے طور پر بیان کی ہے اصل کہانی مکمل طور پر یہی ہے جو ہم نے مخلصاً نقل کر دی باقی اوٹ پٹانگ روایات کا گورکھ دھندا ہے اسی لئے ہم نے اسے نظر انداز کر دیا۔

سانحہ صفین

تمہید

سانحہ جمل وصفین میں دونوں طرف قیادت صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ہے جو اللہ کے چنے ہوئے اور اس کے محبوب بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے وارث ہونے کا اعلان فرمایا، جنہیں اپنے محبوب پیغمبر کی صحبت کے اعزاز کے لئے انتخاب فرمایا، ان میں اختلاف کا المیہ بھی درحقیقت امت کے لئے تربیتی نصاب کا ضروری حصہ ہے گویا امت کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ حادثات اور اختلاف رائے، جو معاشرے کا لازمی جزو ہیں ان سے کیسے عہدہ برآ ہوا جائے گا اور اس کے کیا حدود وآداب ہیں کیا طریق کار ہے اور اس سلسلہ میں اقدام کرتے ہوئے کہاں تک جایا جاسکتا ہے؟ اس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والے حادثات اور ان کے مابین پیدا ہونے والے اختلاف سے راہنمائی حاصل کرو! لیکن سبائی شیطانوں کے دجل وفریب اور فتنہ جوئی وفساد انگیزی نے صورت حال میں اتنی پیچیدگیاں ڈال دیں اور اتنے الجھاؤ پیدا کردیئے کہ سارا نقشہ بگاڑ کے رکھ دیا اور اس پر مزید ستم ان کی دجالانہ حکایت سازی نے ڈھایا کہ اہل حق کے مابین اختلاف کے بارے میں ان شیطانوں کی حکایت سازی کا ایک خاکہ تاریخ کی مشہور کتابوں سے ملخص کر کے ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں اس کے بعد ہم صفین کی حقیقی صورت حال پر بحث کریں گے جس میں صحیح روایات کی چھان بین بھی ہوگی اور حکایت سازی کی حقیقت بھی سامنے آئے گی۔

صفین کا حکایاتی خاکہ:

جنگ صفین اپنے نقل حکایت میں جنگ جمل سے بہت مختلف ہے، جنگ جمل کا انداز دو ایسے گروہوں کی کہانی کا ہے جو ایک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دو مختلف سمتوں میں چل پڑے ہیں، اگرچہ سبائی روایتوں کی بے راہ روی نے جمل کی کہانی میں بھی ایک گروہ کو گروہ باطل ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے، لیکن صفین کی کہانی اس سے مختلف ہے۔

① صفین کی کہانی یہ تاثر دیتی ہے کہ ایک گروہ نے اسلام سے منحرف ہو کر اسلام اور امت

مسلمہ کے خلاف بغاوت کر دی ہے اسلام سے منحرف اس باغی گروہ کے کردار میں اسلام دشمنی' اخلاقی گھناؤنا پن' دنیا پرستی' ہوس اقتدار' عہد شکنی' ضمیر فروشی، جھوٹ فریب' خیانت' ظلم، بزدلی بغض وحسد' کینہ وری' موقعہ پرستی اور شیطانیت کے سوا کسی اور خوبی کا کوئی وجود نہیں' اس کے مقابلہ میں دوسرا گروہ صالحین کا ہے جو اسلام کی حمایت وصیانت میں اس مرتد اور باغی گروہ کے خلاف میدان میں ہے۔

(۲) مرتد اور باغی ٹولے نے جماعت صالحین کے خلاف میدان جنگ میں ہر قسم کی بے اصولی اور خیانت بددیانتی کو روا رکھا' جھوٹ، فریب' بدعہدی' مکاری' عیاری' کا بھرپور استعمال کیا بالآخر اپنی بزدلانہ اور عیارانہ چالوں سے گروہ صالحین میں اختلاف ڈلوانے میں کامیابی حاصل کر لی اور یوں مرتد ٹولے نے اپنے خلاف لڑی جانے والی اہل ایمان کی مومنانہ جنگ کو ناکام بنا دیا۔

(۳) یہ باغی اور مرتد ٹولہ مشتمل تھا حضرت معاویہ اور ان کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین پر اور گروہ صالحین مشتمل تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور تیسرے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے جیالا عنصر پر۔

(۴) قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ جیالا عنصر نہایت سیدھے بھولے مخلص متقی غب کریم قسم کے مومن لوگوں کا گروہ ہے ان بھولے بھالے متقیوں کو قرآن نیزوں پر اٹھا کر دھوکا دیا اور ان کے بھولپن سے غلط فائدہ اٹھایا اور قرآن کے نام پر قرآن کے ان بھولے شیدائیوں کو فریب دینے میں کامیاب ہو گئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بھولے عاشقان پاک طینت کو بہت سمجھایا کہ مرتدین کی طرف سے تمہیں قرآن کے حوالے پر دھوکا دیا جا رہا ہے اور تمہارے ایمانی اخلاص اور تقویٰ کی بہار سے تمہاری سادگی کی بناء پر غلط فائدہ اٹھایا جا رہا ہے لیکن ان جیالے عاشقان قرآن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نہ سنی اور تلواریں رکھ دیں لڑنے سے انکار کر دیا جبکہ ان جیالے عاشقان قرآن کی بے مثال شجاعت و جرأت ایمانی کے نتیجے میں جنگ اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مرتد ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی تمام بزدلانہ چالوں کے باوجود حق کے مقابلہ میں شکست کھا چکے تھے اور اب اپنی جان بچانے کے لیے میدان چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہو

چکے تھے کہ ان کے عیاروں کو بروقت یہ چال سوجھی کہ کیوں نہ ان سادہ دل بھولے بھالے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن کے حوالے سے دھوکا دیا جائے چنانچہ یہ جیالے سچ مچ دھوکا کھا گئے جس کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ باطل کے خلاف اپنی جنگ روک دینے پر مجبور ہو گئے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہی کے بھروسہ پر جنگ لڑ رہے تھے۔

⑤ اس کے بعد مصالحت کے لئے ثالثی کی نوبت آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (العیاذ باللہ) ایک بے وقوف اور گدھے قسم کے صحابی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کو مقرر کیا دوسری طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو (العیاذ باللہ) اہل باطل اور مرتدین کے سربراہ تھے اپنا ثالث ایک نہایت چالاک عیار مکار، کتے جیسی ذلیل فطرت کے دغاباز شخص عمرو بن عاص مرتد کو مقرر کیا (العیاذ باللہ) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مکاری اپنا کام دکھا گئی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بیوقوفی اور ناسمجھی سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور ثالثی اصلاح کے بجائے الٹا انتشار کا سبب بن گئی۔

⑥ قرآن کے حوالے پر جنگ سے انکار کر دینے والی جیالا سوسائٹی نے ثالثی کے شرعی جواز کو چیلنج کر دیا اور "لا الحکم الا اللہ" کا نعرہ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل نبرد آزما ہو گئے اور اس گروہ کا مصداق بن گئے جس کو لسان نبوت نے "مارقہ" کے نام سے موسوم فرما کر حق سے پار نکل جانے والے قرار دیا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والوں کے فضائل اور درجات گنوائے۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مارقہ" (دین سے پار نکل جانے والے) گروہ کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیں جن لوگوں کو لسان نبوت نے اہل ایمان کا گروہ فرمایا ہے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل ایمان کے اس گروہ کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین پر مشتمل ہے اہل باطل اور دشمن دین کہتے ہیں اور مارقہ" گروہ کو جن کو لسان نبوت نے اہل باطل اور واجب القتل قرار دیا ہے۔ حق پرست سمجھتے ہیں اور اہل ایمان کے خلاف انہیں جنگ کی دعوت بڑے اصرار اور بڑی دلسوزی سے دیتے ہیں لیکن دین سے نکل جانے والا یہ "مارقہ" گروہ اپنے موقف پر بڑا سخت اور پکا

ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ تو کیا دیتا الٹا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر قرار دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں میدان جنگ میں کود پڑا۔

⑧ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا بڑا حصہ قاتلین عثمان کی جیالا کٹھیگری پر مشتمل تھا یہ فوج اپنی بے مثال جرأت وشجاعت میں اتنی عظیم ہے کہ شام کی وہ اعلیٰ ترین تربیت یافتہ فوج جس کے تصور سے قیصر روم روما میں لرزہ براندام تھا کوفے کی اس بہادر فوج کے سامنے میدان میں نہیں جم سکی اور مقابلہ میں نہایت بزدل ثابت ہوتی ہے بزدل بھی اس قدر کہ بھاگنے کا بھی حوصلہ نہیں پاتی اور نیزوں پر قرآن اٹھا کر اپنی جان بخشی کی سبیل پیدا کرتی ہے لیکن پھر اچانک نہ جانے یہ کیا ہوا کہ ثالثی کے بعد یکا یک شامی لشکر والی بزدلی کوفے کی فوج پر پڑ جاتی ہے اور کوفے والی فوج کی شجاعت و بہادری شامی لشکر کے رگ وپے میں سما جاتی ہے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے کی فوج کو بزدلی کی شرم دلا دلا کر ان کی غیرت کو ابھارتے ہیں اور یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حد تک مایوس کرتے ہیں کہ وہ حسرت سے یہ کہتے ہیں کاش تم سو (۱۰۰) کے بجائے میرے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ والے دس افراد ہوتے گویا جنگ صفین میں کوفی لشکر انتہائی بہادر اور شامی لشکر انتہائی بزدل ہے اور جنگ صفیں کے بعد کوفی لشکر انتہائی بزدل اور شامی لشکر انتہائی بہادر ہے! عالم تکوین کا یہ نرالا معجزہ ھبوط آدم سے تا ایں دم اس خاص موقعہ کے علاوہ تاریخ کے کسی اور مرحلہ میں دستیاب نہیں ہے کیونکہ تاریخ کا تکوینی آہنگ اگر تصدیق کر سکتا ہے تو وہ صرف اس حقیقت کی کہ جو لشکر صفین کے بعد بزدل ہے وہ میدان صفین میں بھی بزدل ہی تھا اس کی شجاعت کی کہانیاں جھوٹے افسانے ہیں اور جو لشکر صفین کے بعد بہادر ہے وہ صفیں والے دن بھی اسی طرح بہادر تھا اس کے بزدلی کے قصے من گھڑت کہانیاں ہیں۔ یہ خلاصہ ہے جنگ صفین اور اس کے نتائج کی اس مفصل روداد کا جو تاریخ طبری کے سو (۱۰۰) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے البدایہ والنہایہ' الکامل ابن اثیر' تاریخ خلیفہ وغیرہ سب بعد والے طبری ہی کے خوشہ چین ہیں اصل مآخذ ابن جریر طبری ہی ہے......

صفین کے بارے میں حکایات کی استنادی حیثیت:

دینی مسلمات اور اسلامی اصول وضوابط کے لحاظ سے اس کہانی کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے پھولوں بھری ٹوکری میں پاخانہ پھینک دیا جائے اور اسے سبد گل کا وہ ضروری جزو قرار دیا جائے جس کے بغیر گلدستہ مکمل نہیں ہوسکتا "ریشم میں ٹاٹ کا پیوند" کسی چیز کی بے ربطی اور عدم مناسبت بتانے کے لئے مشہور ضرب المثل ہے لیکن گلہائے عطر بیز میں پاخانے کے کلیاں شگوفے؟...... اس کا وجود عالم رنگ و بو میں بجز افسانہ صفین کے آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا کیونکہ ایسا ہونا عقل انسانی، ادراک انسانی، اور ذوق انسانی سے بعید تر ہے......

ایسا کیوں ہوا؟...... دراصل سانحہ صفین تک واقعاتی تسلسل کے تین مرحلے ہیں جنہیں تاریخ نے بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ پہلا مرحلہ سیرت نبوی ﷺ کا ہے جو ۱۰ھ پر اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں حکایت سازی نہیں چل سکتی کیونکہ سیرت النبی ﷺ کے لئے احادیث کا وسیع ترین ذخیرہ موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے حکایت سازی کی گنجائش باقی نہیں رہتی...... دوسرا مرحلہ ۱۱ھ سے ۳۶ھ تک ہے اس میں ابن جریر طبری کی روایت سری بن یحیٰ سے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ "سری بن یحیٰ" نام کا کوئی راوی ابن جریر طبری کی زندگی میں عالم وجود میں موجود ہی نہیں تھا اس لئے شاید "سری بن یحیٰ" محض فرضی راوی ہیں اور اس عرصے کی بیشتر روایات واقدی اور سیف بن عمر وتمیمی وغیرہ راویوں کے ذوق حکایت سازی کی اختراع ہیں اور شاید خانہ سازی کی تہمت سے بچانے کے لئے ایک عدد راوی مہیا کر کے انہیں مستند بنانے کی ضرورت پوری کی گئی ہے۔

تیسرا مرحلہ ۳۷ھ سے ۶۸ھ تک ہے اس میں ابن جریر طبری کی روایت ابو مخنف یحیٰ بن لوط رافضی سے ہے جو اکذب الکاذبین ہے' وہ جب حکایت تصنیف کرتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ماضی کے تاریخی تسلسل میں اس کا کہیں جوڑ لگ بھی سکے گا یا نہیں بلکہ شاید اس کے پیش نظر ایک ہی بات ہوتی ہے کہ میرے خبث باطن میں جو غلاظتوں کے ڈھیر ہیں ان میں سے میں اس حکایت میں کتنی بھر سکتا ہوں ٹھیک یہی معاملہ واقدی کا ہے۔...... اردو ادب میں انمل جملوں کی ایک قسم ہے جسے ڈھکوسلا کہتے ہیں مثلاً لی مہترانی دال پکاؤ گی یا ننگا ہی سو رہوں۔ "ڈھکوسلا" کا

جملہ کانوں سے ٹکراتے ہی بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے تاریخی سیاق میں ٹھیک یہی حیثیت ابومخنف کے حکایاتی گورکھ دھندے کی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ انمل ڈھکوسلے پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے اور ابومخنف کے حکایاتی ڈھکوسلے پر بے ساختہ رونا آجاتا ہے پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس کے اس حکایاتی ڈھکوسلے کو ہم کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہ رضوان اللہ علیہم کی سیرت کے طور پر قبول کرتے ہیں جن کی سیرت پر اللہ راضی ہو چکا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ ابومخنف رافضی کی حکایاتی ڈھکوسلے والی سیرت پر راضی ہے؟ العیاذ باللہ!

"نگاہ کی مسلمانی سے فریاد"

مذکورہ وضاحتوں سے یہ معلوم ہوا کہ واقعہ صفین کے بارے میں ابومخنف کی کہانی صحیح معلومات پر مبنی نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے اس بارے میں کلیۃ سکوت کو ترجیح دی، کیونکہ حکایت سازی کی غلاظتوں نے سرگزشت صفین کے چشمہ صافی کو اتنا گدلا اور گندا کر دیا کہ وہاں سے آب مصفا کا کوئی قطرہ حاصل ہونا بھی ممکن نہ رہا حتیٰ کہ یہ غلاظت بڑھتے بڑھتے سانحہ کربلا تک اس حد کو پہنچ گئی کہ صاحب البدایہ کو بیزار ہو کر یہ کہنا پڑا کہ:

"مقتل حسین رضی اللہ عنہ کے بیان میں شیعوں اور رافضیوں کا بہت زیادہ جھوٹ ہے اور بے سروپا خبریں ہیں اور ہم نے جتنا ذکر کیا وہ کافی ہے لیکن اس کے بھی بعض حصوں پر خود ہمیں اعتراض ہے اور سچی بات ہے کہ اگر ابن جریر طبری جیسے آئمہ وحفاظ تاریخ نے اس قصہ کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا اور واقعہ کی اکثر روایات ابومخنف لوط بن یحیٰ سے ہیں اور وہ شیعہ ہے اور آئمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے لیکن اخباری ہے اور خبروں، قصوں، کہانیوں کا حافظ ہے اور یہ چیزیں اس کے ہاں اتنی ہیں کہ اوروں کے ہاں نہیں ہیں اسی لئے اس فن کے مصنفین اس کی روایتوں پر جھرمٹ ہوتے ہیں"۔ (البدایہ ۸/۲۰۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مصنفین فن تاریخ کو کہانی سے مطلب ہے اس کے سچا یا جھوٹا ہونے سے انہیں کوئی سروکار نہیں، چنانچہ وہ ایک جھوٹے شخص کی

ایسی روایات پر جھرمٹ ہو رہے ہیں جو نہ کسی اور نے سنیں نہ دیکھیں اور وہ خود اس روایت کے زمانے میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا کہ اپنی آنکھوں کانوں سے دیکھ سن لیتا اور وہ شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دشمن ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی روایات صحابہ رضی اللہ عنہم کی (العیاذ باللہ) بدکرداریوں پر مشتمل ہیں آخر اس اکیلے ہی کے ہاں کیوں ہیں اور کسی کے پاس کیوں نہیں ہیں ایک کہانی صرف اس اکیلے کو کیسے معلوم ہوئی اور کہانی بھی ایسی جو اس کی پیدائش سے ایک صدی پہلے کی ہے۔

کیا وہ واقعہ کسی خفیہ غار میں پیش آیا تھا کہ وہاں نفوس انسانی میں سے کوئی اور موجود نہ تھا؟ صرف یہ اکیلا اپنی پیدائش سے ایک صدی پہلے اس غار میں موجود تھا؟

واقعہ کربلا چونکہ اس دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کی گھناؤنی افسانہ سازیوں کی نہایت بھونڈی مثال ہے اس لئے حافظ ابن کثیر فرما رہے ہیں کہ ابومخنف کی جھوٹی روایات سے مرتب فسانہ کربلا ذکر کئے جانے کے قابل ہی نہیں اور میرے ذکر کرنے کو کوئی سند یا دلیل نہ بنا لے کیونکہ میرے اس واقعہ کا ذکر کرنے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ پہلوں کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ذکر کر دیا ہے

سبائی ذوق کا گھناؤنا پن

سبائی ذوق میں نجاست و غلاظت ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے واقعہ افک اسی گندے ذوق کا شاخسانہ تھا اس ذوق کی گندگی حکایت سازی کے اس عرصے میں بہت نمایاں ہے۔ چند مثالیں ہم ذکر کرتے ہیں۔

① ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چہل قدمی کر رہے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آگے چل رہے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہنے لگے ان کے چوتڑ تو بالکل اپنی والدہ ہند کے چوتڑوں جیسے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پلٹ کر کہنے لگے وہ چوتڑ ابوسفیان کو بہت پسند تھے'' (البدایہ ج ۸، ص ۱۲۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور بردباری ایک مسلم حقیقت ہے متعصب دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور یہ خوبی کسی باکمال انسان ہی میں ہوسکتی ہے لیکن اعلیٰ صفت معاویہ کی ذات میں؟ سبائیوں کو کیونکر گوارا ہو؟ انکار بھی ممکن نہیں!! لہٰذا بھونڈے اور گندے طریقے سے ان کے حلم کا مذاق اڑا کر حسد کی آگ ٹھنڈی کرنے کی تدبیر نکالی' گویا یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ ان کا حلم دراصل ان کی بے حسی اور بے غیرتی کا ثمر تھا...... اور روایت گھڑنے میں یہ بات یاد ہی نہ رہی کہ اس روایت کو سننے والا سب سے پہلے یہ تاثر لے گا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جو صورت اور سیرت دونوں میں سید الانبیاء ﷺ جیسے تھے' ان کے مشابہ تھے لیکن وہ باپردہ غیر محرم خواتین کے چوتڑ دیکھنے کے بڑے شوقین تھے اور خواتین کے چوتڑ جانچنے میں ماہرانہ ذوق رکھتے تھے...... کیا خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت ایسی تھی؟

② ''کہتے ہیں مروان رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ سے شادی کر لی تھی ایک دن اس کا بیٹا خالد بن یزید مروان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو مروان رضی اللہ عنہ نے اسے حقارت سے دیکھا اور کہا ''دور ہو جا! بھیگے چوتڑوں والی کے بیٹے'' (تاریخ الاسلام ذہبی ص ۲۲۴، ج: ۵)

③ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام خدیج خصی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت حسین اور خوبصورت لونڈی خریدی میں نے اس لونڈی کو الف ننگا کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا' ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی انہوں نے چھڑی

اٹھائی اور اس لڑکی کی شرمگاہ پر رکھ دی اور کہنے لگے کہ لطف و مزے کی چیز یہ ہے! کاش مجھ میں لطف اٹھانے کی سکت ہوتی! جاؤ اسے یزید کو دے دو پھر کہنے لگے ٹھہرو! ربیعہ بن عمرو حرشی دمشقی کو بلاؤ وہ فقیہ تھے وہ آئے تو ان سے فرمایا کہ اس لڑکی کو ننگا کر کے میرے پاس لایا گیا ہے جس پر میں نے اس کی یہ اور یہ چیز دیکھ لی ہے اور اب میں اسے یزید کو دینا چاہتا ہوں ربیعہ فقیہ کہنے لگے امیر المومنین آپ ایسا نہ کریں کیونکہ اب یہ ان کے لئے حلال نہیں رہی۔

حضرت معاویہ فرمانے لگے آپ نے بہت اچھی رائے دی ہے اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ لونڈی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ فزاری کو ھبہ کر دی"

(البدایہ ص ۱۳۴، ج ۸)

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فقہ میں بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا اور ان کا شمار فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف اول میں ہوتا ہے ادھر سبائیوں کو دیکھئے کہ ان کے گندے ذوق میں کتنی غلاظت بھری ہے! غور کیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذوق تفقہ کا مذاق اڑانے کے لئے کتنی گندی مثال گھڑ کے لائے ہیں...... سچ ہے کہ برتن سے وہی نکلتا ہے جو برتن میں بھرا ہوتا ہے۔

(۴) "جب سودان بن حمران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے بڑھا تو حضرت نائلہ اوپر جھک گئیں اور تلوار کے آگے ہاتھ کر دیا جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں جب وہ پیچھے مڑیں تو اس نے تلوار ان کے چوتڑوں میں چبھو دی اور کہنے لگا واقعی یہ تو بڑے چوتڑوں والی ہے" (طبری ج ۳/ص ۴۲۱)

(العیاذ باللہ) یہ وہ سنجیدہ عنصر ہے جن کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن پر عمل نہیں کر رہے تھے!

(۵) "کہتے ہیں ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر نیزے سے حملہ کیا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے اور چوتڑ ننگے ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے لوگوں نے پوچھا امیر المومنین آپ واپس کیوں ہوئے؟ کہنے لگے اس نے مجھے اپنے

چوتڑ دکھا دیئے مجھے رشتہ داری کا لحاظ آ گیا اس لئے میں واپس ہولیا' پھر عمرو رضی اللہ عنہ جب واپس معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو وہ کہنے لگے اے عمرو! اللہ کا شکرادا کر اور اپنے چوتڑوں کا شکرادا کر جو تجھے بچا گئے۔ (البدایہ ج ۸/ص ۲۶۳ طبع لاہور)

کہتے ہیں برک بن عبداللہ تمیمی جو خارجیوں کی طرف سے حضرت معاویہ کے قتل پر مامور تھا اس نے حضرت معاویہ پر تلوار سے وار کیا تلوار اوچھی پڑی اور چوتڑوں پر جا لگی جس سے چوتڑ زخمی ہو گئے حکیم کو علاج کے لئے بلایا گیا تو وہ کہنے لگا یہ زخم زہر بجھے آلہ کا ہے لہٰذا چوتڑ کو گرم لوہے سے داغ دینا پڑے گا یا ایک مشروب ہے جس کے پینے سے زخم تو مندمل ہو جائے گا لیکن آئندہ اولاد نہیں ہوگی معاویہ کہنے لگے آگ کا داغ ناقابل برداشت ہے البتہ شربت پی لوں گا اولاد نہیں تو نہ سہی جو پہلے سے ہے کافی ہے'' (البدایہ ج ۸، ص ۳۳۰ طبع لاہور)

یہ چند مثالیں گندی اور غلیظ ذہنیت کی ترجمان ہیں گویا اس ناپاک ٹولے کو قوم لوط کی طرح چوتڑوں سے کوئی خاص نسبت ہے اور ان کا خمیر شاید یورپ کی مٹی سے لیا گیا ہے ورنہ تلوار اوچھی پڑے تو سر کے بجائے کندھا کاٹے بازو کاٹے، کہاں سر اور کہاں چوتڑ؟ ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ'' پھر زخم اور گرم لوہے سے داغ؟ درحقیقت یہ تمام باتیں ناپاک اور غلیظ فطرت کی دلیل ہیں' لہٰذا اس نجاست آلود فطرت سے آپ یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی ایسی روایات لائیں گے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کے شایان شان ہوں اور اس میں ان کے خبث باطن کی گندگی شامل نہ ہو۔۔۔۔ سبائی ذوق کا صحابہ رضی اللہ عنہم دشمنی سے علیحدہ کوئی وجود ہی نہیں ہے لہٰذا یہ ناممکنات میں سے ہے کہ کسی سبائی کی زبان یا قلم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسی بات آئے جس میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو، اور حقیقت پر مبنی ہو۔ وہ سبائی ہی کیا ہوا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں سچ بولے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں سچ بولنے کے معنی ہیں جیسے سورج کے رخ سے بادل ہٹ جائے جیسے نور کی موجیں امڈ آئیں جیسے نسیم بہار کا جھونکا فردوس بریں سے گزرے ان کی زندگی کی ہر ہر ادا پیاری ہے صحبت نبوی ﷺ کی کیمیا نے کندن بنایا ہے پھر بھلا کھوٹ کے کیا معنی۔

صحابہ ؓ کا اختلاف امت کی راہنمائی کی خاطر ضروری تھا

نبوت ختم ہو چکی قیامت تک کے لئے ہدایات کی راہ واضح کر دی گئی زمانہ ترقی کی راہ پر رواں دواں ہے ضروریات زندگی بڑھیں گی مشکلات پیدا ہوں گی مسائل الجھیں گے مسائل کے حل کی مجوزہ صورتوں میں رائے کا اختلاف لازمی ہے اور بسا اوقات مسائل کی سنگینی رائے کے اختلاف کو نوبت جنگ تک لے جائے گی مزاجوں طبیعتوں اور فہم وفکر کا تفاوت تصادم کی صورت اختیار کرے گا یہ تو ممکن نہیں کہ زندگی کے انقلابات وتغیرات پر بریک لگا دی جائے البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کے اثرات یعنی ٹکراؤ اور تصادم کو آداب وضوابط کا پابند کر دیا جائے لہٰذا اگر مسلمان گروہوں جماعتوں اور حکومتوں میں ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے تو کیا کریں......؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کے آثار سے راہنمائی ملے اور اصحاب محمد ہی سیرت نبوی ﷺ کے آثار ہیں اس لئے ضروری تھا کہ امت کی طبعی کمزوریوں میں راہنمائی کی خاطر صحابہ ؓ کے مابین جنگ کی صورت حال پیدا ہوتا کہ امت کو معلوم ہو سکے کہ لڑائی کی صورت میں فریقین کے مقتولوں کا کیا حکم ہے قیدیوں کا کیا حکم ہے مال ومتاع کا حکم ہے جو جنگ میں شریک نہیں ان کا کیا حکم ہے اور جو شریک ہوئے ان کا کیا حکم ہے معاہدات کی کیا حیثیت ہے صلح کے کیا آداب ہیں افتراق وتصادم کے خطرات کن کن جھروکوں سے جھانکتے ہیں ان خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے کیا آداب ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ ؓ کا اختلاف امت کے عقیدت مندانہ جذبات کے لئے ایک المیہ ہے لیکن اگر یہ المیہ وجود پذیر نہ ہوتا تو امت کی زندگی کا ایک بڑا حصہ مستقل طور پر اندھیرے میں رہتا' دین مکمل ہو چکا تھا خاتم النبیین ﷺ ابوبکر صدیق ؓ کو مسند امامت پر کھڑا کر کے تشریف لے جا چکے تھے' دین حق پر کیسے عمل پیرا ہوا جائے؟ دنیا میں اسے کیسے نافذ کیا جائے؟ ترقی پذیر انسانی معاشرے کے گوناگوں مسائل سے دین حق کی روشنی میں کیسے عہدہ برآ ہوا جائے؟ دین کی برکات ونوازشات سے بنی نوع انسان کو کیسے بہرہ مند کیا جائے؟ خلیفۃ النبی ابوبکر صدیق ؓ نے اس عظیم تر ذمہ داری کو بطریق احسن سرانجام دیا اور خلیفہ

ثانی فاروق اعظم نے اس سلسلہ کو درجہ کمال تک پہنچا دیا لیکن دین کا ایک شعبہ ایسا بھی تھا جس کے زیر عمل آنے کی ابھی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تھی وہ شعبہ تھا قرآن کا یہ حکم کہ:

"وان طائفتان من المؤ منین اقتتلو ا فا صلحوا بینهما فان بغت احد هما علی الا خری فقاتلو اا لتی تبغی حتیٰ تفیء الیٰ امر الله"

(حجرات آیت ۹)

"اگر اہل ایمان کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو پھر اگر ایک جماعت دوسری جماعت سے بغاوت کرے تو اس جماعت سے جنگ کرو جو بغاوت کر رہی ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے......"

لہٰذا ضروری تھا کہ دین کے اس شعبہ پر بھی عمل کامل اور جامع نمونہ امت کے لئے صحابہ ؓ کی سیرت مقدس ہی سے مہیا کیا جاتا چنانچہ اہل ایمان کے دو گروہوں اہل شام و اہل عراق میں بذریعہ ثالثی صلح کا عمل وجود میں آیا جس کے بعد ایک جماعت نے بغاوت کر دی تو حضرت علی ؓ نے اس کے خلاف حسب قاعدہ جنگ کی پھر جو تائب ہو کر لوٹ آئے وہ بچ گئے باقی قتل کر دیئے گئے جمل صفین اور نہروان کے واقعات جب پیش آئے ہیں اس وقت ان پر کوئی غبار نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ تابعین اور آئمہ مجتہدین نے ان جنگوں سے اصول وضوابط کا ایک بڑا ذخیرہ حاصل کیا اور انہی سے ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ معاملہ اجتہاد و رائے کا تھا جس میں حضرت علی ؓ صواب پر تھے اور حضرت معاویہ ؓ خطائے اجتہادی پر تھے دونوں حضرات شریعت اسلامیہ کے تقاضوں پر پورے اترتے ہیں اور دونوں اجر کے حقدار ہیں جبکہ حضرت علی ؓ کا اجر دوہرا ہے۔ اور اگر اسلاف امت کے سامنے وہ صورت حال ہوتی جس کا نقشہ ابو مخنف رافضی ہمارے سامنے کھینچتا ہے تو پھر اس بارے میں اسلاف امت کی وہ رائے ہرگز نہ ہوتی جو آج کل ہم کتب شریعت میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں کیونکہ ابو مخنف کی حکایت سازی جو تاریخ کی تمام کتب پر حاوی ہے اس کو پڑھنے سے پہلا تاثر یہی ابھرتا ہے کہ صحابہ ؓ واقعی حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اس گمراہ کن تاثر کو قبول کرنے سے اگر ہمیں کوئی چیز بچاتی ہے تو وہ اللہ کی کتاب ہے جس نے اصحاب نبی کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا اور ان کی سیرت کو پوری جامعیت کے

ساتھ اپنے معجزانہ اسلوب میں بیان فرمایا اور دوسری چیز حدیث نبوی ﷺ ہے جو آنے والی نسلوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان کی اوقات بتاتی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان کھولنے کے آداب سکھاتی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر زبان درازی کے نتائج وعواقب سے ڈراتی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کو داغ دار کرنے والے فتنوں پر تنبیہ کرتی ہے تیسری چیز ہے اسلاف امت کی رائے جنہوں نے مقام صحابیت کی نزاکت کے پیش نظر ہمیشہ احتیاط کے دامن کو تھامے رکھا جہاں تک معلومات شفاف رہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں چلتے رہے جہاں معلومات گدلا گئیں ٹھہر گئے اور رضی اللہ عنہم کہہ کر منہ پر مہر لگالی شرح فقہ اکبر میں ہے کہ "ابن وقیق العید اپنی کتاب "عقیدہ" میں فرماتے ہیں "صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات کے بارے میں جو منقول ہے اسکا ایک حصہ تو محض باطل اور نرا جھوٹ ہے لہٰذا وہ اس قابل نہیں کہ اسے لائق توجہ سمجھا جائے اور اس کا جو حصہ صحیح ہے۔ اس کا ہم اچھا اور خوبصورت مطلب لیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت پہلے ان کی تعریف کر چکے ہیں"۔ (شرح فقہ اکبر ص ۷۱)

رہی ابو مخنف شیعہ کی حکایت سازی؟ تو وہ اس بیچارے کی مجبوری ہے کیونکہ وہ اس نظریئے پر یقین رکھتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے لیکن اس نظریئے کی کوئی واقعاتی دلیل عالم امکان میں موجود نہیں ہے لہٰذا وہ اگر حکایت سازی نہ کرے تو بیچارہ اپنے غلیظ اور ناپاک نظریئے کے لئے دلیل کہاں سے لائے؟ اور پھر یہ کہ وہ اس حکایت سازی میں تنہا نہیں ہے بلکہ سبائیوں کا ایک بڑا گروپ ہے جس نے جھوٹ سازی کی یہ ناپاک خدمت اپنے ذمہ لی اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ اس منحوس گروپ کا نمایاں ترین فرد ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ نہیں چاہتے تھے

واقعہ جمل میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر حال میں جنگ سے بچنا چاہتے تھے آپ کے اقدام کا عنوان تھا:

"فالا صلاح نرید لتعود هذه الا مة اخوانا"

(البدایہ ج ۷/ص ۲۳۴)

"ہم صرف اصلاح چاہتے ہیں تا کہ یہ امت دوبارہ رشتہ اخوت میں منسلک ہو کر بھائی بھائی بن جائے"

"وارسلت عائشة الى على تعلمه انها انما جاء ت للصلح ففرح هؤ لاء و هؤلاء" (ایضاً)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا انہیں یہ بتانے کے لئے کہ وہ صرف اصلاح کی غرض سے آئی ہیں جس پر دونوں فریق بے حد خوش ہوئے......"

"سانحہ جمل میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب انتہائی کوشش کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ روک سکنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو شدت تاثر سے حضرت حسن کو سینے سے لگا کر کہنے لگے۔ انا للہ یا حسن! اس کے بعد کس بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے کاش! تیرا ابا آج سے بیس برس پہلے مر چکا ہوتا!! حسن کہنے لگے ابا جان! میں اسی بات سے آپ کو روکتا تھا! فرمایا بیٹے! میں نہیں سمجھتا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا" (البدایہ ج ۷/ص ۲۴۰)

صورت حال کی اس حقیقت کے بعد ذرا حکایت سازی کے سلسلہ کی حسب ذیل روایت بھی پڑھئے "علی بن ربیعہ کہتے ہیں میں نے تمہارے اس منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ناکثین (اہل جمل) قاسطین (اہل شام) اور مارقین (خوارج) سے جنگ کروں" (البدایہ ج ۷/ص ۳۰۴)

یہ روایت مختلف سندوں سے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں اس روایت کی تقریباً تمام سندیں نقل کی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس کے روای ہیں لیکن اس کی کوئی سند ضعیف ہونے سے بچی ہوئی نہیں" (البدایہ ۷/۳۰۴)

منکر حدیث اس روایت کو کہا جاتا ہے جو صحیح حدیث کے مخالف ہو دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث حکایت سازی کی پیداوار ہے اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حقیقت نہیں اور اس میں عیاری یہ کی گئی ہے کہ حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ وعمر بن عاص رضی اللہ عنہما کو خارجیوں کے ہم مرتبہ وہم پلہ دکھایا گیا ہے اور چونکہ خارجیوں کے لئے حدیث شریف میں "مارقین" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لہٰذا سبائیوں نے اس کے ہم وزن زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما کے لئے "ناکثین" (عہد شکن) اور معاویہ رضی اللہ عنہ وعمر بن عاص کے لئے "قاسطین" (ستمگر) کی اصطلاح گھڑ کے رائج کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ زبیر وطلحہ معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور خارجی تینوں گروہ ایک طرح کے ایک ہی روش کے اور ایک ہی سطح کے لوگ تھے اور تینوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی ایک ہی طرح کی تھی۔ (العیاذ باللہ)

نقل حکایت میں دجل وفریب کی کارفرمائی:

سانحہ صفین میں پہلے ہی قدم پر مطالعہ کرنے والے کو جس المناک صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ سانحہ جمل میں خلیفۃ النبی امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اقدام کی جو پہلی سرخی ہے" فلا صلاح نرید لتعود هذه الامة اخوانا "وہ یہاں گم ہے آخر تک اس کا کہیں اتہ پتہ نہیں، گویا مقام صفین میں جو علی ہیں یہ وہ علی نہیں ہیں جو سانحہ جمل میں ہمیں بطور خلیفۃ النبی ﷺ اور بطور امیر المؤمنین دکھائی دیتے ہیں بلکہ مقام صفین میں جو علی ہیں یہ تو کوئی جنگجو قسم کے علی ہیں جو مسلمانوں سے کسی درجہ میں رواداری کے قائل ہی نہیں ہیں، سانحہ جمل میں ان کے اخلاق میں رحمۃ للعالمینی کا عکس جھلکتا ہے جبکہ صفین میں "اشداء علی الکفار" کا نقشہ سامنے آتا ہے لیکن اس سے اگلے مرحلے میں جب خارجیوں سے واسطہ پڑتا ہے تو ہمارے سامنے پھر وہی جمل والا علی ہے جس میں رواداری ہے گفتگو میں دلنوازی ہے عمل میں ہمدردی ہے خیر خواہی ہے احساسات میں دلسوزی ہے جذبہ اصلاح ہے گفتگو میں دلسوزی ہے جذبہ اصلاح ہے وہی خلیفۃ النبی وہی امیر المؤمنین جس کا ایڈریس تھا" فلا صلاح نرید لتعود هذه الامة

اخوانا ''گویا مطالعہ کرنے والے کو تین میدانوں سے گزرنا ہوتا ہے جمل، صفین، نہروان، جب وہ جمل سے گزرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ آفاق نبوت کا چاند جمل میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے لیکن جب وہ صفین میں داخل ہوتا ہے تو یکا یک شیعی افق کا کالا بادل ابھر کر چاند کے ضوفشاں رخ کو ڈھانپ لیتا ہے جس کی وجہ سے نگاہیں چاند کی ضوفشانی کا ادراک نہیں کر سکتیں جبکہ نہروان میں وہ پھر پوری تابانی سے نور برسانے لگتا ہے لہٰذا اندریں صورت درایت ایمانی کی دوربین ہی وہ واحد چیز ہے جو ظلمت بھرے اس شیعی افق کو چیر کر پار نکلے اس لئے حقیقت حال تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ ان ظلمت بھری روایات کے اندھیروں کو بصیرت ایمانی کے نور سے جگمگا دیں اور قرآن و حدیث کی صحیح نصوص کی مدد سے حقیقت کے رخ سے نقاب الٹ دیں۔

بدطینت خارجیوں سے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلوک

رسول اللہ ﷺ نے خارجیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں قتل کرنے والوں کے بڑے درجات گنوائے ہیں، چنانچہ حضرت علی ﷺ کی روایت سے صحیح حدیث میں ہے'' جب وہ میدان میں نکل آئیں تو انہیں قتل کر دو خوش نصیبی ہے اس کی جس نے انہیں قتل کیا اور خوش نصیبی ہے اس کی جو ان کے ہاتھوں قتل ہوا'' (البدایہ ج ۸ ص ۳۰۲)

''انہیں قتل کر دو وہ بدترین مخلوق ہیں'' (ایضاً ج ۸، ص ۲۹۸)

''جو انہیں پائے وہ انہیں قتل کر ڈالے ان کے قتل میں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے اس شخص کے لئے جو انہیں قتل کرے'' (ایضاً: ج ۸ ص ۲۹۵)

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے'' جو لشکر خوارج کو قتل کرے گا اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ان کے لئے کیا کچھ انعامات مقرر کر دیئے ہیں تو وہ اسی ایک عمل پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۹۰)

ان خبیث فطرت خواج کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ آپ

تقریر فرما رہے ہیں اور ایک شخص اٹھ کر کہتا ہے کہ اے علی! تو نے اللہ کے دین میں لوگوں کو شریک کیا ہے" ولا حکم الا اللہ" اس کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف سے پکارا جانے لگا" لا حکم الا اللہ لا حکم الا اللہ" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں یہی کہتے رہے یہ ایک حق بات ہے جس سے باطل مراد لیا جارہا ہے! فرمایا" ہمارے ذمہ تمہارا یہ حق ہے کہ ہم بیت المال سے تمہارا حصہ نہیں روکیں گے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ساتھ رہیں گے اور ہم تمہیں اللہ کی مساجد سے نہیں روکیں گے اور جنگ میں تمہارے خلاف پہل نہیں کریں گے جب تک تم شروع نہ کرو" (البدایہ ج ۸ ص ۲۸۱)

پھر جب خارجیوں نے باقاعدہ اعلان جنگ کیا اور حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کو بلا کسی وجہ کے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا اور مقام نہروان میں اپنے مسلح لشکر کے ساتھ جنگ کے لئے جمع ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتل ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم انہیں قتل کر دیں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جواب بھیجا ہم سب تمہارے بھائیوں کے قاتل ہیں اور ان کے اور تمہارے خون سب کو جائز اور حلال سمجھتے ہیں پھر انہیں حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس گناہ کبیرہ اور بھیانک جرم پر نصیحت کی لیکن بے فائدہ پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں سخت تنبیہ کی اور ڈانٹا لیکن بے سود آخر میں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت موثر انداز میں انہیں نصیحت فرمائی اور خدا کا خوف دلایا ہلاکت و بربادی سے بچ جانے کا کہا اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا تم نے ایک معاملہ میں مجھ پر اعتراض کیا جس کی طرف تم نے مجھے بلایا تھا اور میں نے تمہیں اس سے روکا تھا جسے تم نے قبول نہیں کیا تو چلو میں اور تم سب مل کر اسی معاملہ کی طرف چلتے ہیں جس سے تم نکل آئے ہو اور حرام کا ارتکاب نہ کرو تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایسی بات گھڑی ہے کہ تم اس پر مسلمانوں کو قتل کرتے ہو اور اللہ کی قسم تم اس دلیل پر اگر مرغی بھی قتل کرتے تو اللہ کے ہاں یہ گناہ کبیرہ ہوتا کہاں یہ کہ تم مسلمان کا خون بہاؤ! ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا سوا اس کے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکار کر کہنے لگے چھوڑو انہیں ان سے بات ہی نہ کرو اور اپنے رب سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ جنت کی طرف رواں دواں جنت کی طرف رواں دواں!...... لہٰذا انہوں نے فوراً جنگ کے لئے صف بندی کر لی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا:

ان کے لیے امان کا پرچم لہرادو اور اعلان کر دو کہ جو اس جھنڈے تلے آ جائے گا اسے امان ہے اور جو کوفے یا مدائن چلا جائے گا اسے بھی امان ہے ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہمارا معاملہ انہی سے ہے جنہوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے یہ اعلان سن کر بھاری تعداد میں لوگ چلے گئے چار ہزار میں ایک ہزار کے لگ بھگ باقی رہ گئے جو قتل ہوئے حضرت علی مقتولوں کے درمیان پھر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "بؤ سا لکم" برا ہو تمہارا تمہیں اس نے نقصان پہنچایا جس نے تمہیں دھوکا دیا! عرض کیا گیا امیر المؤمنین! انہیں کس نے دھوکا دیا؟...... فرمایا: شیطان نے اور ان کے نفس امارہ نے۔ پھر آپ نے ان کے درمیان سے زخمیوں کو اٹھانے کا حکم دیا اور انہیں ان کے قبیلوں کے حوالے کر دیا تا کہ وہ علاج کرائیں۔ (البدایہ ص ۲۸۷۔۲۸۸)

ثمرہ بحث

① خارجی واجب القتل تھے۔ ② خارجی بدترین مخلوق تھے۔ ③ خارجیوں کو قتل کرنا شرعی طور پر فرض ہے۔ ④ خارجیوں کا قتل بڑی خوش نصیبی کی بات ہے قتل کرنے والے کے لئے ⑤ خارجیوں کو قتل کرنے میں بہت بڑا اجر ہے۔ ⑥ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ خارجیوں کے قتل پر اللہ کے ہاں کیا انعام ہے تو وہ تمام عمل چھوڑ کر جنت کے لیے اسی ایک عمل کو کافی سمجھ لیں۔ ⑦ خارجیوں کے ہاتھوں قتل ہونا بہت بڑی سعادتمندی ہے۔ ⑧ حضرت علی رضی اللہ عنہ خارجیوں کو قتل کر کے بے حد خوش ہیں کیونکہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خارجیوں کے قتل کی جو ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی وہ اس سے پوری فرض شناسی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے ہیں۔ ⑨ خارجیوں کے مقتولین کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں کوئی ہمدردی افسوس یا رحم دلی نہیں ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ "بؤ سا لکم" تمہارا برا ہو۔ کہہ کر ان سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ⑩ خارجی وہ بدنصیب ترین گروہ ہے جن کی جان و مال کی بے مثال قربانیاں رائیگاں گئیں کسی کام نہ آئیں۔ ⑪ خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برملا کافر کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام اہل ایمان کے جان و مال کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ⑫ ان کی بدتمیزیوں کا یہ عالم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقریر کے دوران اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور "لا حکم الا اللہ" کے نعروں سے ہڑبونگ مچا دیتے ہیں اور تقریر کرنا ناممکن کر دیتے ہیں۔ ⑬ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عفو و درگزر کا یہ عالم ہے کہ ان کی تمام تر بدتمیزیوں کے

باوجود آپ کی یہ انتہائی کوشش رہی کہ یہ کسی طرح اس بدنصیبی کے چکر سے نجات پا جائیں جو انہیں گھما کر جہنم میں پھینک دے گا۔⑭ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے رواداری اور خیر سگالی کا سلوک کرتے ہیں اور وہ جنگ سے کم کسی بات کو ماننے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔⑮ خارجیوں کا قتل اعلیٰ ترین اجر کا باعث ہونے کے باوجود آپ کی انتہائی خواہش اور کوشش رہی کہ انہیں اس بھیانک قتل کا مستوجب بننے سے جہاں تک ممکن ہو سکے بچایا جائے۔ حالانکہ ان کے واجب القتل ہونے کی بیشتر روایات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہیں۔⑯ گویا خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام اہل ایمان کے دشمن ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام اہل ایمان کے قتل کو وہ رضائے خداوندی کے حصول کا واحد ذریعہ جانتے ہیں اور ایسا نہ کرنے کو وہ اللہ کے غضب کا سبب جانتے ہیں لہٰذا وہ جنگ سے کم کسی بات کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ از روئے شریعت ان کے قتل پر مامور ہیں لیکن وہ احساس رکھتے ہیں کہ عقل کے اندھے دین سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ دین میں غلو کرتے ہوئے سیدھے آگے کی طرف دین سے باہر نکل گئے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک دین پر گامزن ہیں حالانکہ وہ جہنم کے راستے پر رواں دواں ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی گالیاں سنتے ہیں ان کے طعنے سنتے ہیں اپنے خلاف کفر کے فتوے سنتے ہیں ان کی اعلانیہ بغاوت دیکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کا مغالطہ دور کر کے انہیں جہنم سے بچایا جائے اس کے لئے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجتے ہیں' قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو بھیجتے ہیں' ابوایوب انصاری کو بھیجتے ہیں حتیٰ کہ خود بنفس نفیس تشریف لے جاتے ہیں ان کے دلائل سنے جاتے ہیں ان کا نہایت موثر اور تسلی بخش جواب دیا جاتا ہے ان کی غلط فہمی دور کی جاتی ہے ان کے اشکالات رفع کئے جاتے ہیں اور آخر میں امان کا جھنڈا لہرایا جاتا ہے یہ تمام تگ و دو اس لئے ہے کہ ان بدبختوں کو کسی طرح بدبختی سے اگر بچایا جا سکتا ہے تو بچا لیا جائے جہنم کے راستے پر یہ رواں دواں ہیں انہیں جہنم کی راہ سے ممکن ہو تو روک لیا جائے!! یہ کردار واقعی خلیفۃ النبی کے شایان شان کردار ہے۔

اہل شام کا دینی مقام

خارجیوں کی دینی حیثیت وضاحت سے آپ پڑھ چکے ہیں خلیفۃ النبی ﷺ کا ان سے ممکن حد تک فیاضانہ سلوک بھی پوری وضاحت سے بیان ہو چکا اب آیئے خارجیوں کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ وتابعین کی پوزیشن کا بھی جائزہ لیں کیا یہ بھی خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ میں خارجیوں کی طرح مبغوض ہیں؟ کیا انہیں بھی قتل کرنے یا ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا مشورہ دیا گیا ہے یا اشارہ دیا گیا ہے یا ان کے قتل یا ان سے جنگ کو اجر وثواب بتایا گیا ہے؟ جیسے خارجیوں کے بارے میں تفصیل سے گزرا؟...... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے حوالے سے ابوبکرۃ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک روز منبر پر چڑھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے آپ ﷺ ایک بار لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے پھر فرمایا اے لوگو! میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ تعالٰی اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(البدایہ ج ۸/ص ۱۲ طبع لاہور)

"مسیب بن نجبہ کہتے ہیں صفین والے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقتولین پر جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یرحمکم اللہ" یعنی "اللہ تم پر رحم فرمائے"...... پھر اپنی جماعت کے مقتولین کی طرف پلٹ گئے ان پر بھی اسی طرح رحم کی دعا کی جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے لئے کی تھی میں نے کہا اے امیر المومنین! ان کے خون آپ نے حلال قرار دیئے ہیں اور ان کے لئے رحم کی دعا فرما رہے ہیں؟ فرمایا! اللہ تعالٰی نے ہمارے قتل کرنے کو ان کے لیے گناہوں کا کفارہ کر دیا" (کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۵۱)

صحیح مسلم اور مسند احمد کے حوالے سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ "قیس بن عباد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں تمہارا جنگ کرنا یہ تمہاری رائے ہے جو تم نے قائم کی ہے؟ اور رائے غلط بھی ہوتی ہے اور صحیح بھی ہوتی ہے یا یہ کوئی ایسا حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تمہیں دیا ہے؟ وہ فرمانے لگے رسول اللہ ﷺ

نے کوئی ایسا حکم ہمیں نہیں دیا جو باقی تمام لوگوں کو نہ دیا ہو"۔ایک دوسری حدیث جو صحیحین کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی مذکور ہے وہ تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں سے حارث بن سوید' قیس بن عبادہ' ابو حیفہ، وہب بن عبداللہ السوائی' یزید بن شریک' ابوحسان الاجرد وغیرہم قابل ذکر ہیں ان میں سے ہر ایک یہی کہتا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہو اور دوسرے لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا؟ فرمایا ! نہیں اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جس نے جان کو پیدا کیا لیکن ایسا فہم ہے جو اللہ تعالی کسی بندے کو قرآن مجید میں عطا فرماتا ہے۔

(البدایہ ج ۷/ص ۲۲۷)

حارث کہتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس لوٹے تو انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ اب ان کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوسکے گی تو اب ان کی گفتگو کا انداز پہلے سے بہت مختلف تھا اور اب وہ ایسی احادیث بھی سناتے تھے جو اس سے پہلے نہیں سنایا کرتے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ بات بھی کہی کہ اے لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت نا گوار نہ جانو! اللہ کی قسم اگر تم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کھو دیا تو پھر دیکھو گے کہ کاندھوں سے سر حنظل کی طرح لڑھکیں گے"۔

(کنز العمال ج ۱۱ص ۳۴۶)

ثمرہ بحث

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت دونوں کو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتیں فرمارہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت بموجب فرمان نبی ﷺ مسلمانوں کی عظیم جماعت ہے اور خارجیوں کے بارے میں فرمان نبوی آپ سن چکے ہیں کہ وہ بدترین مخلوق ہیں دین سے پار نکل گئے ہیں۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعتوں میں صلح رسالت مآب ﷺ کو مطلوب ومحبوب ہے اور چونکہ یہ صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سرانجام پائے گی لہٰذا انہیں اس کارنامہ پر بارگاہ نبوت سے سید کا قابل صد ناز لقب ملا جبکہ خارجیوں کے بارے میں آپ ﷺ کا نہایت تاکیدی حکم ہے کہ انہیں قتل کردو اور قتل کرنے والے کے لئے اجراتنا

ہے کہ جنت حاصل کرنے کے لئے اس کے بعد کسی اور عمل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے مقتولوں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے مقتولوں کے لئے یکساں رحم کی دعا مانگ رہے ہیں اور خارجیوں کے مقتولوں کے لئے دعا کی جگہ فرمایا "بوسا لکم...... براہو تمہارا...... کیونکہ وہ جہنمی ہیں۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے اور ان کے یعنی اہل شام کے مقتولین جنتی ہیں اور خارجیوں کو رسول اللہ ﷺ نے جہنمی قرار دیا ہے اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے انہیں "کلاب جہنم"، جہنم کے کتے کہا۔

(۵) اہل شام کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کا تمام تر دارومدار محض رائے اور اجتہاد پر ہے جبکہ خارجیوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جنگ کرنے کا باقاعدہ حکم صادر فرمایا اور قتل کر دینے کی تاکید فرمائی۔

(۶) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے خلاف اقدام کیا تو اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ انہیں قتل کرنے کے نبوی حکم کا سبھی کو علم تھا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے بارے میں کارروائی کا ارادہ فرمایا تو ہر طرف تشویش ہوگئی اور وضاحت طلب کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور صلح کے لئے تگ ودو شروع ہوگئی اور وضاحت طلب کرنے والے تابعین کی کثیر جماعت میں سے کچھ ابن کثیر نے ذکر کئے ہیں سب کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک ہی سوال ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم ہے یا آپ کی ذاتی رائے ہے تو سب کے جواب میں فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعتوں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف وہی ہے جو زبیر وطلحہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے مابین تھا یعنی قاتلین خلیفۃ النبی ﷺ سے نمٹنے کا طریق کار، جبکہ خارجیوں کا اختلاف بنیادی اور اصولی اختلاف ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام مسلمانوں کو مباح الدم یعنی یہ کہ تمام مسلمانوں کا قتل جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت سبھی کافر ہو چکے ہیں۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپسی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو قبول کرنے کی تلقین

فرما رہے ہیں اور خارجیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم سنا رہے ہیں کہ انہیں قتل کرنا جنت کا حقدار بنانے کے لئے کافی ہے۔

⑨ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ اور خوارج دونوں جماعتوں میں جو فرق ہے وہ دن اور رات کا فرق ہے نور و ظلمت کا فرق ہے آسمان و زمین کا فرق ہے اس کے باوجود آپ نے دیکھا کہ گروہ خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلوک انتہائی فیاضانہ ہے محض اس لئے کہ وہ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود دائرہ اسلام سے بہرحال خارج نہیں تھے لہٰذا ان کی ہر بدتمیزی و سنگدلی کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت حسن سلوک اور فیاضی کا مظاہرہ کیا اور نصح و خیر خواہی کا آخری درجہ آزما لینے کے بعد انہیں بموجب فرمان نبوی قتل کر دیا گیا یہ اسی اسوہ حسنہ کی عملداری ہے جو خلافت نبوت کے بانکپن کو مطلوب ہے اور جس کی جلوہ گاہ سانحہ جمل بنا عقل و نقل کا تقاضا ہے اور انسانی فطرت و نفسیات کا تقاضا ہے کہ صفین کا میدان بھی اسی سیرت مقدسہ کے آہنگ کی گواہی دے خصوصاً اس لئے بھی کہ جمل اور صفین ایک ہی موقف کے دو مظہر ہیں لہٰذا دونوں جگہ سیرت کا آہنگ ایک سا ہونا چاہیے۔

⑩ جمل و صفین یکساں نوعیت کے حامل ہیں لیکن نہروان ہر اعتبار سے ان سے مختلف ہے اور یہ کہ نہروان جمل و صفین دونوں کے بعد ہے لہٰذا کہہ سکتے تھے کہ پہلے دو واقعات سے جو سبق حاصل ہوا اس نے طریق کار میں تبدیلی لانے پر مجبور کیا۔

دوسرے اس لئے کہ اہل نہروان کا مقدمہ بالکل ایک علیحدہ نوعیت کا مقدمہ ہے لہٰذا ان کے ساتھ اگر سخت سے سخت رویہ بھی روا رکھا جاتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس بدفطرت اور تیرہ بخت گروہ کی جارحانہ و ابلیسانہ روش کا جواب یہی ہے' لیکن یہاں ہم معاملہ برعکس دیکھتے ہیں یعنی جمل میں جس حسن سیرت کی کارفرمائی ہے اس کی جھلک نہروان کے خارجی ابلیسوں کے مقابلہ میں نمایاں ہے مگر جمل کے بعد اور نہروان سے پہلے صفین میں اہل ایمان کی جماعت کے معاملہ میں سیرت علوی کا یہ سچا نقشہ ہم سے گم ہو جاتا ہے اور جو نقشہ یہاں سامنے آتا ہے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس سیرت مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں جس کا مشاہدہ ہم جمل اور نہروان میں کرتے ہیں اور یہ سب کرشمہ سازی ہے سبائی افسانہ گری کی۔

جمل میں سیرت علوی کا مختصر خاکہ

جمل کا واقعہ ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں لیکن یہاں واقعہ صفین کی نسبت سے جمل کا وہ حصہ دوبارہ ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو خلیفۃ النبی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اصلاحی کوششوں سے متعلق ہے...... جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ربذہ سے بصرہ کی طرف کوچ کا ارادہ فرماتے ہیں تو ابن ابی رفاعہ، پوچھتے ہیں اے امیر المؤمنین! آپ کیا چاہتے ہیں اور ہمیں کدھر لے جا رہے ہیں؟...... فرمایا: جو ہم چاہتے ہیں اور جو ہماری نیت ہے وہ تو ہے صرف اصلاح بشرطیکہ وہ قبول کریں اور مثبت جواب دیں!! وہ کہنے لگا اگر انہوں نے مثبت جواب نہ دیا؟...... فرمایا ہم ان کی بغاوت کے باوجود انہیں چھوڑ دیں گے اور انہیں ان کا حق دینگے اور خود صبر کریں گے! اس نے کہا اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے؟...... فرمایا: ہم پھر بھی چھوڑ دیں گے جب تک وہ ہمیں چھوڑے رہیں گے! اس نے کہا اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا......؟ فرمایا:! ہم پھر بھی ان سے باز رہیں گے! اس نے کہا تب ٹھیک ہے!" (البدایہ ج ۷/ص ۲۳۴ طبع لاہور)

سائل کے سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام صحابہ و تابعین کا عملی ذوق اس حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم میں بسا ہوا تھا جس میں آپ ﷺ کی طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی گئی ہے کہ "اختلاف امت کے وقت" کمانیں توڑ دینا ان کے وتر کاٹ دینا تلواریں پتھر پر دے مارنا پھر بھی تمہیں قتل کرنے کے لئے اگر کوئی گھر میں گھس آئے تو آدم کے دو بیٹوں میں سے بہترین بیٹا بن جانا" یعنی قتل ہونا گوارا کر لینا لیکن تم قتل نہ کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی حدیث پر عمل پیرا ہیں اور انہیں اس حدیث کی خلاف ورزی گوارا نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں جنگ کے ہر امکان کی نفی کر دی اور جو صورت حال بصرہ میں ہے ٹھیک یہی صورت حال شام میں ہے بلکہ بصرہ کی صورت حال بظاہر باغیانہ قسم کی ہے کیونکہ کاروان زبیر رضی اللہ عنہ بظاہر ایک لشکر کی صورت میں مکہ سے پہنچا ہے اور بصرہ کے نظام حکومت میں دخل انداز ہوا ہے جب کہ شام کا معاملہ ایسا نہیں ہے شام کا معاملہ کوفہ کے مشابہ ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں محمد بن ابی بکر اور اپنے بھتیجے محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سفارت بھیجی

اور ایک نہایت موثر خط انہیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام لکھ کر دیا جب انہیں کامیابی نہ ہوئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا اشتر نخعی بھی ساتھ تھا وہ بولنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس نے حسب عادت اپنے جیہانہ انداز سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا جس پر مقطع بن ہیثم عامری نے نہایت سختی سے ٹوک دیا اور کہا: اسکت قبحك الله كلب خلي والنباح ""چپ ہو جا! اللہ تیرا چہرہ مسخ کرے! کتا بھونکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے"......اشتر کے اس اس جیہانہ رویہ سے فضاء جذباتی ہوگئی لہذا سفارت کامیاب نہ ہوسکی تیسری سفارت میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھیجا' حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیاری شخصیت اور محبوبانہ انداز تکلم! حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگالیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بات کاٹ دی اور حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا: اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ! آپ ہمارے بارے میں لوگوں کو کیوں بد دل کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم ہم اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتے اور امیر المومنین جیسی شخصیت سے بھی بھلا کسی بات کا اندیشہ ہوسکتا ہے؟......حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو بھی موجود ہیں ان کا حکیمانہ و ناصحانہ انداز تخاطب ان کی دانشورانہ گفتگو کا لفظ لفظ وقار و تمکنت کا آئینہ دار ہوتا ہے بالآخر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جھکنا پڑا اور وہ اگرچہ اپنے موقف پر قائم رہے لیکن کنارہ کش ہو گئے' قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو ہی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بصرے بھیجا حضرت قعقاع بن عمرو نے نہایت پیارے انداز میں بڑی مدلل اور مودبانہ گفتگو کی جو اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصلاحی کوششیں بارآور ہوئیں لہذا وہ بے حد خوش ہوئے یہ دوسری بات ہے کہ منافقین نے ان اصلاحی کوششوں کو روبانجام نہ ہونے دیا۔ اصلاحی کوششوں کی یہ روداد واقعہ جمل کے تذکرے میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں یہاں مختصراً اسے دوہرانے کا مقصد یہ ہے کہ واقعہ صفین میں بھی ہماری نگاہیں علوی سیرت کا یہی جلوہ دیکھنے کی آرزومند ہیں خصوصاً اس لئے بھی کہ شام کی نفسیاتی فضاء حضرت عثمان کی شہادت کے سانحہ پر کوفہ اور بصرہ کی نسبت کہیں اور کہیں زیادہ جذباتی ہے لہذا کوفہ اور بصرہ کی نسبت وہاں نرمی اور ملاطفت کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور یہ ناممکنات میں سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفۃ النبی اس ضرورت سے صرف نظر کرلیں اور اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتے تھے جیسے

حکایت سازوں کی حکایتیں ہمیں بتاتی ہیں تو یہ ناممکنات میں سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ خلافت نبوت کے منصب پر ہوتے ہوئے فرائض خلافت کی بجا آوری میں اپنی پسند کو دخیل ہونے دیتے لہٰذا یہ ناممکنات میں سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ واقعہ جمل کے برعکس صفین میں اپنے جذبات کی چاہت پر نرمی اور ملاطفت کے بجائے سخت قسم کا رویہ اپناتے' میں قربان میرے ماں باپ قربان ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ پر نفسیاتی اعتبار سے مزاجوں میں مشرق و مغرب کا فرق لیکن جب خلافت نبوت کے منصب پر ہیں تو ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ایک مزاج اور ایک طبیعت کے خوگر' ایک سیرت اور ایک اسوہ سے متصف' جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت ہے عمر رضی اللہ عنہ بھی سخت ہے عثمان رضی اللہ عنہ بھی سخت ہے علی رضی اللہ عنہ بھی سخت ہے جہاں علی رضی اللہ عنہ نرم ہے عثمان رضی اللہ عنہ بھی نرم تھا عمر رضی اللہ عنہ بھی نرم تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نرم تھا سبحان اللہ! سیرت کا یہ نہایت معتدل اور متوازن معیار اپنی تمام تر نزاکتوں کے ساتھ خلافت نبوت کی برکت سے انبیاء کے بعد ان چاروں کا نصیب قرار پایا ویسے رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی رضی اللہ عنہ انسانی سیرت کا شاہکار ہے اور ہدایت کا مرقع ہے لیکن خلافت نبوت کا منصب اس شاہکار میں مزید رفعتوں اور نزاکتوں کا طلبگار ہے۔ بے چارے حکایت سازوں کی کور ذوقی اور بے بصیرتی سیرت خلیفۃ النبی کی ان نزاکتوں کا ادراک کہاں کر سکتی ہے۔

صفین کا افسانہ
حکایت سازوں کی زبانی

افسوس صد افسوس! حکایت سازوں کی ستم ظریفی کی انتہاء ہے کہ صفین کی کہانی جو تاریخ کی معروف کتابوں میں مذکور ہے وہ خلیفۃ النبی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کی کوئی ادنی سی جھلک اپنے دامن میں نہیں رکھتی!...... آیئے! ہم آپ کو صفین کا افسانہ حکایت سازوں کی زبانی سنائیں......

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خط دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جب وہ خط لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ وہاں کے حالات کیسے ہیں؟ اس نے کہا میں ایک ایسی قوم کے پاس سے آ رہا ہوں جو قصاص کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور سب کے سب خون کا بدلہ لینے کے دعویدار ہیں میں ساٹھ ہزار ایسے بزرگوں کو چھوڑ کے آیا ہوں کہ دمشق کے منبر پر حضرت عثمان کی قمیص رکھی ہے وہ سب اس کے نیچے بیٹھے رو رہے ہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! میں خون عثمان سے اپنی بے گناہی تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے رخصت ہوا تو وہ باغی جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا اس کے پیچھے پڑ گئے وہ اسے قتل کر دینا چاہتے تھے وہ بڑی مشکل سے بچ سکا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ کا فیصلہ کر لیا اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر میں لکھا کہ وہ اہل شام کے خلاف جنگ کے لئے لشکر لے کر آئے اور کوفہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور بصرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کو بھی یہی پیغام بھیجا اور لوگوں میں خطبہ دیا اور انہیں اسی بات پر آمادہ کیا اور تیاری کا عزم باندھا اور مدینہ سے نکل پڑے قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب بنایا اور وہ یہ عزم کئے ہوئے تھے کہ فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر ان کے خلاف لڑیں گے جنہوں نے نافرمانی کی ہے اور جو ان کے حکم سے نکل گئے ہیں اور جنہوں نے لوگوں کے ہمراہ بیعت نہیں کی' ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا ابا جان! اس پروگرام کو رہنے دیں اس سے مسلمانوں کی خون ریزی ہوگی لیکن انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول نہیں کیا بلکہ جنگ

کے فیصلہ پر پکے رہے اور لشکر کو ترتیب دیا"۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۹۹ طبع لاہور)

اس روایت سے یہ بات عیاں اور واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابتداء ہی میں بخوبی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ شام کی فضا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ پر جذباتیت کی انتہاء کو چھو رہی ہے اور یہ کہ اس کے ردعمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اصلاح کے لئے کوئی کاروائی کرنا تو کجا ان کے ہاں ایسی کسی کارروائی کا ارادہ تک نہیں ملتا حتی کہ وہ اس بارے میں کسی کے مشورے تک کو خاطر میں نہیں لاتے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ دینے کا ذکر بھی روایات میں مذکور ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جنگ کے سوا کوئی بات قبول ہی نہیں کرتے بلکہ روایات سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے سے اہل شام کے بارے میں دل میں کدورت اور تعصب لئے ہوئے ہیں' اور منتظر ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کہیں جائے اور مجھے موقعہ ملے تو میں ان سے دو دو ہاتھ کروں! (العیاذ باللہ) جمل و نہروان کے واقعات آپ کے سامنے ہیں کیا وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کا یہی خاکہ سامنے آتا ہے؟...... بالکل نہیں!! تو کیا صفین میں آپ کو (خاکم بدہن) جنگی جنون کا کوئی دورہ پڑ گیا تھا؟...... اور یہ بات بھی سامنے رہے کہ جنگ کا یہ اہتمام واقعہ جمل سے پہلے ہے حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ: شام کی طرف کوچ کے ارادے سے جب لشکر تیار کر چکے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں پھر جب آپ رضی اللہ عنہ کو طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے بصرہ کی طرف کوچ کرنے کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں میں تقریر فرمائی اور انہیں بصرہ کی طرف جانے پر آمادہ کیا تاکہ اگر ممکن ہو تو انہیں بصرے میں داخل ہونے سے روکا جا سکے"۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۳۳)

اور واقعہ جمل میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ بصرہ کی طرف قدم اٹھتے ہی آپ کی زبان مبارک پر ہے" اما الذی نرید و ننوی فالا صلاح "جو ہم چاہتے ہیں اور جو ہماری نیت ہے وہ تو ہے صرف اصلاح......" فلا صلاح نرید لتعود ھذہ الا مۃ اخوانا "......ہم صرف اصلاح چاہتے ہیں تاکہ افراد امت دوبارہ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں...... تو کیا ملک شام کے افراد امت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اصلاح کا حق نہیں رکھتے؟ یعنی اہل بصرہ کے لئے اصلاح؟ اور اہل شام کے لئے جنگ؟ یا للعجب؟! جمل میں منافقین نے امیر المومنین کی تمام

اصلاحی کوششوں کو سبوتاژ کر دیا اور جنگ برپا کر ڈالی امیر المؤمنین کو بہت غم ہوا بڑی حسرت کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے اے بیٹے! کاش تیرے ابا بیس سال پہلے مر چکے ہوتے! اور افسوس وحسرت میں یہ شعر پڑھ رہے تھے: "اے اللہ! میں اپنے غم اور دکھ کی شکایت تیرے حضور لے کر آیا ہوں اور ایک ایسے گروہ کی شکایت جنہوں نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا میں نے ان کے مضر کو اپنے مضر سے قتل کر ڈالا اور میں نے اپنا ہی خاندان قتل کر کے اپنے نفس کو شفا بخشی! (طبری ج۳/ص۵۴۴)

اہل شام کی طرف سفارت کا مسئلہ

جمل میں منافقین کی سازش کے بعد آئندہ اگلے قدم کے لئے اصلاحی کوششوں میں احتیاط اور مزید بہتری آنی چاہیے اور یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن آیئے! حکایت سازوں سے پوچھیں وہ کہتے ہیں کہ:

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جمل سے فارغ ہو گئے اور حضرت ام المؤمنین کو الوداع کہا تو بصرے سے کوفے منتقل ہو گئے پھر جب انہوں نے کسی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجنے کا ارادہ فرمایا تاکہ انہیں بیعت کی دعوت دیں تو حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی نے کہا اے امیر المؤمنین! میں ان کے پاس جاتا ہوں میرے اور ان کے درمیاں دوستانہ ہے میں آپ کے لئے ان سے بیعت لے لوں گا' اشتر نخعی کہنے لگا امیر المومنین! اس کو نہ بھیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اس سے مل جائے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا چھوڑ اس بات کو لہٰذا انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط دے کر بھیج دیا خط میں یہ بتایا تھا کہ مہاجرین وانصار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر جمع ہو گئے ہیں اور واقعہ جمل کی روداد بھی لکھی تھی اور انہیں دعوت دی تھی کہ آپ بھی اس بیعت میں شامل ہو جائیں جس میں لوگ داخل ہوئے ہیں' جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور خط دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور روسائے شام کو مشاورت کے لئے طلب کیا توانہوں نے اس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان کو قتل نہیں کر دیتے اور یا وہ انہیں ہمارے سپرد نہیں کر دیتے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر ان کی بیعت

نہیں کریں گے اور جنگ کو ترجیح دیں گے تا آنکہ وہ قاتلین عثمان کو قتل کر دیں'...... جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ یہ جواب لے کر واپس آ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صورت حال کہہ سنائی' تو اشتر نخعی کہنے لگا اے امیر المومنین! میں نے نہ کہا تھا کہ اسے نہ بھیجیں اگر آپ نے مجھے بھیجا ہوتا تو معاویہ جو دروازہ بھی کھولتا میں اسے بند کر دیتا! حضرت جریر کہنے لگے اگر تو وہاں ہوتا تو وہ تجھے خون عثمان کے قصاص میں قتل کر دیتے' کہنے لگا اللہ کی قسم! اگر امیر المومنین مجھے بھیجتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب مجھے لاجواب نہ کر سکتا اور میں انہیں سوچنے کی مہلت نہ دیتا اور اگر امیر المومنین پہلے ہی میری بات مان لیتے تو تجھے اور تمام تیرے جیسوں کو اس وقت تک قید میں ڈال دیتے جب تک اس امت کے حالات درست نہیں ہو جاتے' حضرت جریر رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قرقیسیا چلے گئے وہاں جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام جو کچھ ان کے ساتھ بیتا تمام ماجرا لکھ بھیجا تب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلوالیا''۔ (البدایہ ج/ص ۲۵۳، طبع لاہور)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سبائیوں کی پوزیشن جمل کے بعد زیادہ مضبوط ہو چکی ہے اندازہ کیجیے اشتر نخعی جو قاتلین عثمان میں ایک نمایاں ترین فرد ہے وہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بجلی جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں کیسی گندی زبان استعمال کرنے جرات رکھتا ہے جریر رضی اللہ عنہ اپنے بجیلہ قبیلے کے سردار ہیں اور عقل ودانش میں سخاوت وامانت میں شجاعت و جرات میں وقار و سنجیدگی میں بے مثال شخصیت کے حامل ہیں اشتر نخعی کی ان کے مقابلہ میں بھلا کیا حقیقت ہے کیا پدی کیا پدی کا شوربا ہزار اشتر نخعی ان کے جوتے کے تسمے پر قربان ہو جائیں اللہ کی شان ہے فتنہ بپھرا ہوا ہے اور مصلحت ملی کی خاطر سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے......

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شام کی فضاء ابھی تک بدستور قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی جذباتیت سے سلگ رہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط لے کر بطور قاصد تشریف لے گئے ہیں بحیثیت سفیر یا مصالحت کنندہ کے نہیں گئے جیسے کہ ام المومنین اور زبیر طلحہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حضرت قعقاع بن عمرو گئے تھے یعنی جس کا مقصد حکیمانہ اسلوب اور احسن انداز میں اپنے موقف کی خوبی اور دوسرے کے موقف کی کمزوری کا اظہار اور وضاحت ہو! جس طرح نہروان میں خارجیوں کے سامنے ابوایوب انصاری نے کیا قیس

بن سعد نے کیا ابن عباس نے کیا خود امیر المومنین حضرت علی نے بنفس نفیس تشریف لے جا کر کیا ایسی کسی سفارت کی کوئی علامت حکایت سازوں کی کہانی میں حضرت علی کی طرف سے اہل شام کے لئے نہیں ملتی حکایت سازوں کی روایات تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ سے شام میں داخل ہونے کا عزم لے کر نکل پڑے اور مقام نخیلہ میں لشکر کو ترتیب دیا زیاد بن نضر حارثی کو آٹھ ہزار کا لشکر دے کر مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بھیجا سامنے سے اہل شام کا مقدمۃ الجیش ابو الاعور عمرو بن سفیان سلمٰی کی کمان میں آگیا دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل اتر گئے عراقی لشکر کے امیر زیاد بن نضر نے انہیں بیعت کی دعوت دی جس کا انہوں نے نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا عراقی امیر زیاد بن نضر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ صورت حال لکھ بھیجی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو امیر بنا کر بھیج دیا اور زیاد کو میمنہ اور شریح کو میسرہ پر مقرر کر دیا اور اشتر کو حکم دیا کہ اس وقت تک جنگ کے لئے اقدام نہ کرے جب تک وہ لوگ جنگ شروع نہ کریں لیکن انہیں بیعت کی بار بار دعوت دیں پھر اگر وہ بیعت سے باز بھی رہیں تب بھی اس وقت جنگ نہ کریں جب تک وہ لوگ جنگ کا آغاز نہ کریں اور انشاء اللہ! آپ کے پیچھے بہت جلد پہنچ رہا ہوں پھر جب اشتر مقدمۃ الجیش میں پہنچ گیا تو وہ حضرت علی کے حکم پر عمل پیرا ہوا۔ وہ اور حضرت معاویہ کا مقدمۃ الجیش جس کی کمان ابوالاعور سلمی کے پاس تھی دونوں آمنے سامنے اتر گئے کچھ وقت تک دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں ڈٹے پھر شام کے وقت اہل شام کا لشکر واپس لوٹ گیا جب اگلا دن ہوا تو پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں آدھمکے تو اشتر نے عبداللہ بن المنذر تنوخی پر حملہ کر دیا جو اہل شام کے شاہسواروں میں سے تھا اور عراق کے ایک شخص ظبیان بن عمارہ تمیمی نے اسے قتل کر دیا جس کے بعد ابوالاعور نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے جواباً ان پر حملہ کر دیا پھر لوگ جنگ سے رک گئے اور رات درمیان میں حائل ہو گئی پھر جب تیسرے روز کی صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے آئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے لشکر میں آگئے دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں ''فباللہ المستعان'' دیر تک یونہی ایک دوسرے کے مقابلہ میں ڈٹے رہے یہ وہ جگہ تھی جسے صفین کہا جاتا ہے اور یہ شروع ذوالحجہ کی بات ہے۔ (البدایہ ج ۷/۲۵۴، ۲۵۵ ملخصاً)

اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی واپسی کے

بعد لشکر کشی کے سوا اور کچھ نہیں کیا اور اس پر مزید ستم یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک نمایاں ترین فرد اشتر نخعی لشکر کی کمان کر رہا ہے پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسی کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بیعت کی دعوت دے حالانکہ یہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جو قصاص عثمان میں واجب القتل ہیں تو کیا اس کو امیر لشکر بنانا اور جو لوگ اس کو قصاص میں قتل کے لئے مانگ رہے ہیں انہی کو بیعت کی دعوت دینے کی ذمہ داری اس کو دینا کیا یہ جلتی پہ تیل چھڑکنے والی بات نہیں؟! جس کا مقصد اصلاح کرنا ہو کیا وہ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کرتا ہے؟ اور کیا آپ خلیفۃ النبی سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ اس نے ایسا ہی کیا ہوگا؟...... ہرگز نہیں! وہ خلیفۃ النبی جس کی فیاضیاں کرم فرمائیاں جمل میں آپ مشاہدہ کر چکے ہیں اور جس کے کمالات ایمان نوازی صفین کے بعد نہروان میں ابھی خارجیوں کے خبیث ٹولے پر ارزاں ہونے والے ہیں؟...... اس روایت سے خلیفۃ النبی ﷺ کی سیرت نہیں جھلکتی بلکہ ایک عام اقتدار پرست حکمران کا وطیرہ عیاں ہو رہا ہے اس روایت کو خلیفۃ النبی ﷺ کی سیرت میں ٹانکنا ایک نہایت گستاخانہ جسارت ہے۔

صفین میں اترنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صرف ایک سفارت بھیجنے کا ذکر ہے: ''ابو مخنف کہتے ہیں کہ صفین میں آنے کے بعد دو روز تک فریقین اپنی اپنی جگہ رکے رہے کسی نے دوسرے سے رابطہ نہیں کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو بلایا اور کہا اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اللہ کی طرف دعوت دو اور اطاعت و فرمانبرداری اور اتحاد امت کی دعوت دو شبث بن ربعی کہنے لگا آپ اسے کسی عہدے کی امید کیوں نہ دلا دیں اگر وہ اطاعت قبول کر لے؟ اور آپ کے ہاں اسے ایک ترجیحی مقام حاصل ہو جائے! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس کے پاس ایک بار جاؤ تو سہی اس سے ملاقات کرو اس پر اتمام حجت کرو اور دیکھو اس کی کیا رائے ہے چنانچہ وہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے بشیر بن عمرو نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا اے معاویہ! یہ دنیا تیرے ہاتھ سے نکل جانے والی ہے اور تجھے آخرت میں لوٹ کے جانا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے تیرے اعمال کا حساب لیں گے اور جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کا بدلہ تجھے ملنا ہے میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو اس امت کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کر اور ان کی آپس میں خون ریزی نہ

کرو! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا تو نے اپنے ساتھی کو انہی باتوں کی تلقین کیوں نہیں کی؟ بشیر بن عمرو کہنے لگا میرا ساتھی تیری طرح نہیں ہے! میرا ساتھی مخلوق بھر میں اس وقت اس معاملہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے وہ علم و فضل میں دین و ایمان میں اسلام کی سابقیت میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت میں سب پر مقدم ہے! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ کہتا کیا ہے؟ بشیر بن عمرو کہنے لگا وہ تجھے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے وہ تیرا چچازاد بھائی ہے جس حق کی وہ تجھے دعوت دے رہا ہے اسے قبول کر لینے کا حکم دیتا ہے' یقیناً یہ راہ تیری دنیا کے بارے میں تیرے لئے سلامتی کی راہ ہے اور تیری عاقبت کے بارے میں بہتر ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا میں خون عثمان رضی اللہ عنہ کو رائیگاں جانے دوں؟ نہیں! اللہ کی قسم ایسا کبھی نہیں کروں گا!! سعید بن قیس نے بات شروع کی تو شبث بن ربعی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولنا شروع کر دیا' حمد و ثناء کے بعد اس نے کہا: اے معاویہ! تو نے بشیر بن عمرو بن محصن کو جواب دیا ہے وہ میں سمجھ گیا ہوں میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم پر تیری غرض پوشیدہ نہیں جس کی خاطر تو جنگ لڑ رہا ہے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ جس بات کے لئے تو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور ان کی خواہشات کو اپنے قابو میں لے رہا اور ان کی اطاعت کو اپنی ذات کے لئے خالص کر رہا ہے وہ بات تجھے حاصل نہیں ہو سکتی ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ تیری اس بات پر کہ ہمارا امام ظلماً قتل کر دیا گیا لہٰذا ہم اس کے خون کا مطالبہ کرتے ہیں! اس پر چند اوباش قسم کے بے وقوفوں نے تمہاری ہاں میں ہاں ملائی ہے اور یہ بھی ہم یقین سے جانتے ہیں کہ تو نے خود اس کی مدد سے گریز کیا اور تجھے خود اس کا قتل ہو جانا مطلوب تھا اور تیرا یہ وطیرہ اس حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے تھا جس کا تو اب طلبگار ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ بسا اوقات کسی چیز کی طلب اور آرزو کرنے والوں کی طلب و آرزو میں قدرت رکاوٹیں ڈال دیتی ہے اور بعض دفعہ طلبگار کو اپنی آرزو سے بھی بڑھ کر مل جاتا ہے اور اللہ کی قسم تیرے لئے ان دونوں باتوں میں سے کسی میں بھی بہتری نہیں کیوں کہ جس کی تو امیدیں لگائے بیٹھا ہے اگر وہ چیز تجھے نہیں ملتی تو پورے عرب میں تجھ سے بدترین حالت میں کوئی نہیں ہوگا اور اگر فرض کرو تو اپنی آرزو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تو اپنے رب سے جہنم میں داخلے کا استحقاق بھی نہ حاصل کر لے۔ اللہ سے ڈر اے معاویہ رضی اللہ عنہ اور اپنی ضد

چھوڑ دے حکومت کے معاملہ میں حکومت کے حقداروں سے جھگڑا نہ کر! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا! تیری کم عقلی اور تیرا سفلہ پن تو میں نے اس بات سے پہچان لیا کہ تو نے اس عالی نسب قوم کے معزز سردار کی بات کاٹ دی پھر تو ان باتوں میں پڑ گیا جو تیرے علم کی دسترس سے بالا ہیں جس میں تو نے جھوٹ بولا اور جو کچھ تو نے بیان کیا اے عقل سے کورے اجڈ دیہاتی! اس میں تو نے اپنا کمینہ پن دکھایا۔ ہے' جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ میرے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

یہ لوگ نکلے اور شبث کہنے لگا تو ہمیں تلوار سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم تلوار بہت جلد تجھ پر لہرائے گی' اس کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پوری روداد سنائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جنگی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔

(الکامل ج ۳/ص ۲۸۵' طبری ۴/۵۷۰)

غور فرمایئے! اس پورے سفارتی عمل میں کہیں کوئی سنجیدگی سمجھداری شرافت' انسانیت اخلاق اور سلیقہ مندی کا کوئی شائبہ تک کہیں دکھائی دیتا ہے؟ اس سفارتی ٹیم میں بشیر بن عمرو رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں اگر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت سست بھی کہہ لیں تو وہ بہرحال ان کے ہم پلہ ہیں برابر کے ہیں اس لحاظ سے بے تکلف اور بے باکانہ گفتگو ان کا حق ہے یہ جدا بات ہے کہ اس روایت میں جو گفتگو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ ایک صحابی کی سنجیدگی سلیقہ مندی افتاد طبع اور مزاج کے شایان شان نہیں ہو سکتی پھر اسطرح اس سوال و جواب کا انداز واضح طور پر اس کے جعلی اور من گھڑت ہونے پر دلالت کر رہا ہے' لیکن جو شبث بن ربعی کی بکواسات ہیں وہ ٹھیک اس کے حسب حیثیت ہیں واقعی اس گفتگو میں اس عقل سے کورے اجڈ دیہاتی نے اپنا کمینہ پن واضح کر کے دکھا دیا' اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس روایت کے درست ہونے کو تسلیم کر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں! میرے نزدیک سفارت کی یہ کہانی سراسر جھوٹی کہانی ہے لیکن اجڈ دیہاتی کے کمینہ پن سے میرا مطلب یہ ہے کہ برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے جو اس میں ہوتا ہے یعنی شبث بن ربعی جس ظرف کا آدمی تھا اس ظرف میں غلاظتوں کے سوا کچھ تھا ہی نہیں اگر حقیقتہً بھی اسے گفتگو کا موقعہ ملا ہوتا تو بجز اس طرح کی بکواس کے کسی اور چیز کی توقع اس سے ممکن نہیں تھی یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے قاتلین سبائی گروہ کا فرد تھا صفین کے بعد سبائیوں کے نئے ایڈیشن خارجیوں میں شمولیت کا اعزاز پایا بعد میں تائب ہوا پھر اس نے قاتلین حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں اپنے نمبر بنائے غور طلب بات یہ ہے کہ خلیفۃ النبی ﷺ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جن کا مشن فتنہ ختم کر کے اصلاح کرنا ہے اور تمام اختلافات ختم کر کے امت کو پھر سے رشتہ اخوت میں پرو دینا ہے وہ ایسی سفارتی ٹیم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کیسے بھیج سکتے ہیں جو اختلافات کو کم کرنے کے بجائے اختلافات کی خلیج کو بڑھانے کا سبب بنے اور جو اصلاح کے امکانات پیدا کرنے کے بجائے انہیں ختم کر کے رکھ دے؟...... سبائیوں کا آپ کے لشکر میں موجود ہونا تو فی الحال ایک مجبوری تھی لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ خلیفۃ النبی ﷺ اور شبث بن ربعی جیسے غیر محتاط غیر سنجیدہ غیر سلیقہ مند مغلوب الجذبات تنگ مزاج گھٹیا طبیعت والا عقل سے فارغ کم ظرف نادان اجڈ دیہاتی کو اس سفارتی وفد میں شامل فرمائیں؟...... خلیفۃ النبی ﷺ جس کا فرض منصبی امت کو فتنہ وفساد سے بچا کر اصلاح کا پرچم لہرانا ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سبائی قاتل کو بھیجے ایسے معاملہ کی اصلاح کے لئے جس کا نقطہ اختلاف ہی قصاص عثمان رضی اللہ عنہ ہے؟...... العیاذ باللہ ایسا کبھی ممکن نہیں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سبائی کو مذکورہ روایت کے مطابق مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ایھا الاعرابی الجلف الجافی ''...... اے عقل سے کورے اجڈ دیہاتی...... ان الفاظ میں اس کی شخصیت کا صحیح ترین تعارف ہے۔ پھر اس پر مزید ستم دیکھئے کہ جب یہ لوگ واپس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رپورٹ دیتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے باقاعدہ جنگی کارروائیوں کا آغاز کر دیتے ہیں؟ بتائیے اس روش کو خلیفۃ النبی کی سیرت مقدسہ کے کس حصہ میں جگہ دیں گے؟...... اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ سفارت حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسی ناصحانہ ومصالحانہ سفارت نہیں تھی جنہوں نے حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ام المومنین کے ساتھ اپنی مؤدبانہ ومدبرانہ گفتگو سے حالات کو صحیح رخ پر موڑ دیا تھا بلکہ یہ شبث بن ربعی والی سفارت ایسی سفارت ہے جس کا عنوان جنگ کا الٹی میٹم دینا تھا جس کے بعد کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

اس سے ہٹ کر بعض غیر جانبدار وفود کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اصلاح حال کے لئے سنجیدہ کوششیں کیں ان میں سے ایک وفد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا ہے جن کے جواب

میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے ہمیں قصاص لے دیں پھر اہل شام میں سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا''۔ (البدایہ ۷/ ۵۹)

لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ یہ مطالبہ سن کر ''لوگوں کی ایک بڑی تعداد لشکر سے باہر آ گئی اور کہنے لگے ہم سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں آئے جس کا جی چاہے اور ہمیں پکڑے'' (ایضا)''

لہٰذا یہ قابل قدر کوشش انجام کو نہ پہنچ سکی اسی طرح دوسرا وفد ابو مسلم خولانی کی معیت میں آیا وفد کے اس سوال پر کہ کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برابری کا گمان رکھتے ہیں؟ حضرت معاویہ نے جواب دیا ''نہیں اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے افضل ہیں اور حکومت کے حقدار وہی ہیں لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا گیا اور وہ میرا چچازاد بھائی تھا میں تو ان کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دیں میں ان کا فرمانبردار ہو جاؤں گا (تاریخ الاسلام ذھبی ۲/ ۳)

اس سلسلہ کی تیسری کوشش وہ ہے جو شام اور عراق کے قاری حضرات نے مشترکہ طور پر کی اور غالباً یہی سعی مسعود انجام کار بارآور ہوئی چونکہ ان قاری حضرات کی مبارک مساعی نے ناپاک سبائی منصوبوں کو خاک میں ملا دیا لہٰذا قصہ سازوں پر ان کا تصور بہت ناگوار ہے بلکہ اسی وقت جب اشتر نخعی کو اس کا علم ہوا تو اس نے عراق کے قاریوں کو بہت گالیاں دیں تفصیل آگے آئے گی۔ یہ غیر جانبدارانہ کوششیں انتہائی سنجیدہ مخلصانہ اور اصلاح انگیز ہیں لیکن یہاں سوال غیر جانبدار اصلاحی وفود کا نہیں یہاں سوال یہ ہے کہ خلیفۃ النبی ﷺ صفین میں مسلمانوں سے لڑنے نہیں آئے بلکہ وہ یہاں اصلاح کی غرض سے آئے ہیں وہ خلیفۃ النبی ﷺ ہیں تاتاری شہزادے نہیں ہیں! جو یہ سمجھتا ہے کہ صفین میں آپ کا آنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسلمانان شام سے جنگ کرنے لئے تھا تو وہ گویا آپ کو خلیفۃ النبی ﷺ نہیں مانتا بلکہ مغل اعظم تیمور کا پیشرو مانتا ہے لہٰذا یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ آپ کا کوچ ملک شام کی طرف بغرض جنگ نہیں تھا بلکہ بغرض اصلاح واتحاد تھا لیکن تاریخ میں حکایت سازوں کی تیز دستی کے باعث ہم اس المیہ سے دوچار ہیں کہ شبث بن ربعی کی شرانگیز ٹیم کے علاوہ تاریخ کسی اصلاحی وفد کا کوئی نشان نہیں بتاتی حالانکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پورا ماہ محرم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین

لگا تار سفیر آتے جاتے رہے اور لوگ جنگ سے باز رہے لیکن صلح نہ ہو سکی۔'' (البدایہ ۷/۲۵۹)

گویا اصلاح کی کوششوں اور وفود کا تانتا بندھا رہا لیکن وہ اصلاحی وفود کیا تھے؟ اگر یہ وفود حکایات سازوں کے مطلب کے ہوتے تو ان پر بھی حکایت سازی کی جاتی لیکن چونکہ یہ اصلاحی کوششیں اور وفود ان کے مطلب کے نہیں تھے پھر بھلا انہیں کیوں یاد رکھا جاتا؟ اس لئے تاریخ میں آپ ان کا کوئی ذکر نہیں پائیں گے سوائے اس حوالے کے جو اوپر مذکور ہوا' لہٰذا ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصلاحی کوششیں بھی نہایت زبردست تھیں جن کا قصہ سازوں نے تذکرہ تک گوارا نہیں کیا اور ادھر سبائی ٹیم بھی زبردست قوت کے ساتھ موجود ہے جنہیں بصرہ کے قاریوں کی تائید بھی حاصل ہے اور وہ اپنی شریرانہ کارروائیوں سے اصلاحی کوششوں کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف ہے۔

پانی کی بندش کا افسانہ

ابو مخنف کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عوف بن احمر سے روایت ہے کہ جب ہم نے معاویہ پر چڑھائی کی اور اہل شام صفین میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے حسب پسند ایک کھلے وسیع اور ہموار میدان میں اترے ہوئے تھے اور پانی کے گھاٹ پر ان کا قبضہ تھا اور الاعور سلمی اپنے سوار اور پیادہ دستوں کے ساتھ پانی کے گھاٹ پر صف بستہ ہے اور انہوں نے یہ ٹھان رکھا ہے کہ ہمیں پانی نہیں لینے دیں گے ہم نے امیر المومنین کو صورت حال سے مطلع کیا تو انہوں نے صعصعہ بن صوحان کو بلایا اور کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بے شک ہم نے اپنا یہ سفر تمہاری طرف کیا ہے اور تم پر اتمام حجت سے پہلے ہمیں جنگ کرنا اچھا نہیں لگتا اور آپ نے ہمارے مقابلہ میں سوار اور پیادہ دستے میدان میں اتار دیئے ہیں گویا آپ نے جنگ میں پہل کر دی ہے حالانکہ ہمارا فیصلہ اس وقت تک جنگ سے باز رہنے کا ہے جب تک ہم آپ کو دعوت نہ دے لیں اور آپ پر حجت پوری نہ کر لیں اور دوسری بات آپ لوگوں نے یہ کی کہ لوگوں کو پانی سے روک دیا حالانکہ لوگ پانی پیئے بغیر نہیں رہ سکتے لہٰذا آپ اپنے ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجیں کہ وہ پانی سے ہٹ جائیں اور لوگوں کے لئے پانی کھول دیں اور اس وقت تک کوئی کارروائی نہ کریں جب

تک ہم اپنے باہمی معاملہ میں کوئی عندیہ قائم نہیں کر لیتے اور اگر آپ کو یہ پسند ہے کہ ہم درمیان میں دخل نہ دیں اور لوگوں کو پانی پر لڑنے کے لئے چھوڑ دیں پھر جو غالب آئے وہی پیئے تو ہم ایسا بھی کر لیں گے! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ انہیں پانی نہ لینے دیں جس طرح انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چالیس روز تک پانی بند رکھا تھا اس عرصے میں ان تک کھانا یا پانی کوئی چیز نہیں پہنچنے دی گئی لہٰذا انہیں بھی پیاسا مرنے دیں اللہ تعالیٰ انہیں پیاسا مارے! حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے ان کے لئے پانی کھول دو یہ اچھی بات نہیں کہ وہ پیاسے رہیں اور تم جی بھر کر پیو! پانی کے علاوہ جو معاملات ہیں وہ آپس میں نمٹو' ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے پھر اپنی بات دہرادی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کہنے لگے ایک روز کے لئے ان سے پانی روک لو جب پانی نہیں لے سکیں گے تو واپس چلے جائیں گے اور ان کی واپسی شکست ہو گی آپ انہیں پانی نہ لینے دیں اللہ انہیں قیامت کے روز بھی پانی نہ دے! صعصعہ کہنے لگے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کافروں فاسقوں اور شرابیوں سے پانی روکے گا اور تجھ پر اسی طرح لعنت بھیجے گا جیسے اس فاسق ولید بن عقبہ پر لعنت کی ہے لوگ اسے گالی دینے لگے برا بھلا کہنے لگے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ نہ کہو وہ سفیر ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صعصعہ بن صوحان سے کہا تم جاؤ میری رائے تمہیں معلوم ہو جائے گی ادھر ابو الاعور سلمی کی طرف ایک سوار دستہ روانہ کر دیا کہ انہیں پانی سے روک دیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو جنگ کا حکم دے دیا اور اشعث بن قیس نے کہا کہ میں ان سے نمٹتا ہوں پھر تیر چلے نیزے تنے تلواریں لہرائیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسد بجلی کو ابو الاعور کی مدد کے لئے بھیجا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیث بن ربعی کو بھیجا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا تاکہ ابو الاعور اور یزید بن اسد کی مدد کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اشعث اور شبث کی مدد کرے جنگ بڑی شدت اختیار کر گئی حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے فتح پائی اور پانی سب کے لئے عام کھول دیا گیا"۔ (الکامل ۲۲۳' طبری' ۵۲۳)

ترجمہ کے لئے ہم نے الکامل کی روایت لی ہے اگر ہم اس روایت کی نامعقولیت کا تذکرہ خلیفۃ النبی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حوالے سے کرنے لگیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اسی لئے

یہاں ہم روایت کے اسی حصے سے بحث کریں گے جس کا تعلق پانی روکنے سے ہے' پانی کے مسئلہ پر یہ روایت ایک خوفناک جنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہے اور پانی روکنے کا تمام تر دارومدار دو صحابہ رضی اللہ عنہم کے کردار پر ہے جو پانی رکوانے کے ذمہ دار ہیں ایک حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن سعد بن اسرح اگر یہ دونوں حضرات احساس مندی سے کام لیتے اور پانی روک دینے پر ضد نہ کرتے تو یہ خوفناک جنگ پیش نہ آتی کیونکہ ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا پانی روکنے کے حق میں نہ تھا جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص دونوں پانی روکنے کے حق میں نہیں تھے تو گویا ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا پانی رکوانے کا یہ فعل واقعی نہایت افسوس ناک ہے اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے لیکن یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ یہ دونوں حضرات یعنی ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جمل یا صفین میں کہیں بھی حاضر نہیں تھے کیونکہ یہ دونوں حضرات بھی بہت سے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح فتنہ سے کنارہ کش رہنے کے حامی تھے لہٰذا وہ آخر تک غیر جانبدار رہے اور انہوں نے کسی فریق کی بھی حمایت نہیں کی مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح واقعہ صفین سے پہلے ۳۶ھ میں بمقام رملہ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے فوت ہو چکے تھے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۵۲۹۳)

اب اگر وہ صفین میں پانی بند کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ کفن پھاڑ کر ہی بولے ہوں گے کیونکہ مردہ بولے گا تو کفن پھاڑے گا مشہور العوام مثال ہے اور ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ جو صفین سے کہیں سینکڑوں میل دور بیٹھے ہیں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فون پر بات کر لی ہو گی یا وہ جیٹ طیارے میں آ کر مشورہ دے گئے ہوں گے! نگاہ کی نا مسلمانی سے فریاد!''

بات دراصل یہ ہے کہ سبائیوں کے سینے میں ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے جو بغض وکینہ کی آگ بھڑکتی ہے اسے کیونکر ٹھنڈا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ جھوٹا افسانہ گھڑے بغیر یہ ناممکن ہے لہٰذا ان دونوں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے بغض وحسد کی آگ کو تسکین بخشنے کے لئے سبائیوں کو پانی کی بندش اور اس پر خوفناک جنگ کا افسانہ گھڑنا پڑا لیکن بغض وکینہ کی آگ کو تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا البتہ دشنام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سکون بخش مرہم جہنم کی آگ کو مزید تیز کر دے گا' رہا سوال عراقی لشکر کے غلبہ کا؟ تو یہ بحث آگے آئے گی......

نوعیت جنگ اور اس کی مدت

بقول طبری ۳۶ھ ذوالحج کے شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین میں فروکش ہوئے تھے۔ صاحب البدایہ کی روایت کے مطابق ذوالحج ۳۶ھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے لیکن جنگی جھڑپیں ذوالحج میں شروع ہوئیں اور پھر پورا مہینہ جاری رہیں پھر محرم ۳۷ھ میں لوگ جنگ سے باز رہے اور مصالحت کے لئے گفت وشنید اور مراسلت جاری رہی صفر ۳۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں بدھ اور جمعرات کو شدید جنگ رہی جو جمعہ کی صبح تک جاری رہی پھر وقفے سے جھڑپیں رہیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ رجب تک چلتا رہا اور اس عرصے میں کل ۵۷ جھڑپیں ہوئیں"۔ (البدایہ ۷ ۲۵۹)

سیف کی روایت یہ ہے کہ مدت جنگ سات یا نو مہینے ہے ابوالحسن بن براء کہتے ہیں کل مدت ایک سو دس دن ہے اور کل جھڑپیں ۹۰ ہوئیں ابو مخنف کہتا ہے کہ ذوالحج کی پہلی تاریخ سے ۱۳ صفر ۳۷ھ تک کل ۷۷ روز جنگ رہی"۔ (البدایہ ۷ ۲۷۴)

امام ذہبی فرماتے ہیں پھر فریقین میں سے ہر فریق دوسرے کے مقابلہ کے لئے چل پڑا حتیٰ کہ محرم ۳۸ھ کے سات روز باقی تھے جب فریقین صفین میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اتر گئے پھر صفر کی شروع تاریخوں میں جنگ بھڑک اٹھی جو چند روز جاری رہی"۔

(تاریخ الاسلام ذہبی ۲ ۵۳۸)

یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ثالثی نامہ لکھا گیا لہٰذا بقول امام ذہبی ۷ دن محرم کے اور ۱۳ دن صفر کے یہ کل بیس دن ہوئے باقی سب افسانہ ہے' ان بیس دنوں میں جنگ کا ذکر جس میں شدت پیدا ہوئی وہ دو دن ہیں مورخہ ۳ صفر ۳۷ھ بروز بدھ اور جمعرات اور جمعہ کی صبح تک جاری رہی جس کے بعد کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز اہل شام نے قرآن مجید نیزوں پر اٹھا لئے اور جنگ رک گئی۔ واللہ اعلم بالصواب (تفصیلات آئندہ صفحات میں آئیں گی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور فئہ باغیہ:

صفین میں عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے بارے میں ایک خاصی اہمیت حاصل کر لی جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث

مشہور تھی کہ" ان رسول ﷺ قال لعمار تقتلك الفئة الباغيه "......رسول اللہ ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا تجھے فئہ باغیہ قتل کرے گی۔ (البدایہ ۷/۲۷۰)

یہ حدیث حافظ ابن کثیر نے صحیح مسلم کے حوالے سے بروایت ابوسعید خدری، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اورام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ذکر کی ہے اوراپنی شہرت کے لحاظ سے تواتر کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔

صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے جب وہ شہید ہوئے تو یہ کہا گیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے! یہ ایک ایسا مثبت دعوی تھا کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی جس نے سنا اس نے بلا تأمل مان لیا' کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں اوراہل شام کے مقابلہ میں ہیں لہذا جب وہ قتل ہوئے ہیں تو قدرتی طور پر ذہن اسی طرف جائے گا کہ انہیں اہل شام نے قتل کیا ہے چنانچہ یہی باور کرلیا گیا ہے۔اور چونکہ صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث میں مذکور تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو فئہ باغیہ قتل کرے گی اوراب اس کا قتل اہل شام کے ذمہ پڑ گیا لہذا اہل شام کی پوزیشن قتل عمار رضی اللہ عنہ کی نسبت سے فئہ باغیہ متعارف ہوگئی اورعمار رضی اللہ عنہ کا قتل اہل شام کے فئہ باغیہ ہونے کی علامت اوردلیل بن گیا اوراس دلیل پر یہ باور کرلیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے ہم رائے وہم خیال صحابہ وتابعین سب کے سب" الفئۃ الباغیہ" ہیں پھر اس کے بعد اہل شام کو قتل عمار رضی اللہ عنہ کے عنوان سے فتنہ باغیہ قرار دینے والوں کے دو نکتہ نظر ہو گئے۔

پہلا نقطہ نظر یہ کہ فئہ باغیہ کی بغاوت خطائے اجتہادی تھی جس پر مجتہد ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔یہ مسلک ہے اہل سنت والجماعت کا چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ قتل عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ اوراس کے بارے میں احادیث تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں"۔

'ان عليا المصيب وان كان معاويه مجتهدا، و هوماجور ان شاء الـلـه ولكن هوا الا مام فله اجران كما ثبت فى صحيح البخارى مـن حديث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال اذا اجتهد الحاكم فاصاب فله اجران وان اجتهد فا خطا فله اجر "۔

(البدایہ ۷/۲۷۹ طبع لاہور)

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مصیب (صحیح مؤقف پر) ہیں اگرچہ حضرت معاویہ بھی مجتہد ہیں اوران شاء اللہ اجر کے حق دار ہیں لیکن امام بہرحال وہی ہیں یعنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لئے وہ دوہرے اجر کے حق دار ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرتا ہے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر پہنچا تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور جب اجتہاد کیا اور غلطی کھائی تو اس کے لئے ایک اجر ہے......

دوسرا نقطہ نظر روافض کا اور دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جن کے نزدیک اہل شام یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی حضرات صحابہ وتابعین کے فئہ باغیہ ہونے کا مطلب ہے کہ وہ مجرم ہیں فاسق ہیں باطل پرست ہیں فساد فی الارض کے مرتکب ہیں' اور انتہائی دکھ کی بات ہے کہ یہی مؤقف بانی تحریک اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے کتاب خلافت وملوکیت میں اختیار کیا ہے اور اپنے اس مؤقف کے ثبوت کے لئے انہوں نے متقدمین کے تاریخی مجموعوں سے رطب ویابس روایات کے طومار کو نہایت ماہرانہ چابکدستی سے ترتیب دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف استغاثہ میں پیش کر دیا ہے۔ اور فرمایا: جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں سے ماخوذ ہے اور جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں ان کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں" (خلافت وملوکیت طبع اول ص ۲۹۹)

یہ الزام کوئی نہیں لگاتا کہ بانی تحریک اسلامی نے جو مواد پیش کیا ہے "وہ تاریخ اسلام کی کتابوں سے ماخوذ نہیں ہے یا جو واقعات نقل کئے گئے ہیں ان کے حوالے درج نہیں کئے گئے بلکہ جو مواد آپ نے پیش کیا ہے اسلامی تاریخ کی ان "مستند ترین کتابوں" میں اس سے بھی کہیں غلیظ گندا مواد اور بھی بکثرت موجود ہے اور اس مواد کو پورے پورے حوالوں کے ساتھ پیش کرنے کا ذوق رکھنے والے بھی موجود ہیں اور جو دلیل عذر میں آپ پیش فرما رہے ہیں یہی دلیل ان کے پاس ہے لیکن آپ کے اس پیش کردہ باحوالہ مواد پر ہم جیسے کندہ ناتراشوں کو جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے اس پیش کردہ مواد میں الزام کے نشانے پر رکھا ہے ان ستودہ صفات ہستیوں کو جن کی سیرت کے سوانحی خاکے خود اللہ کی کتاب نے ترتیب دیئے ہیں اور جن پر وہ اپنے راضی ہونے کا اعلان کر چکا ہے اور جن کے لئے وہ تیار کردہ جنتوں کی تفصیل بتا چکا ہے لیکن آپ کے سامنے ان کی سیرت کے لئے کتاب اللہ کے بجائے تاریخ اسلام کی وہ مستند ترین کتابیں کھلی ہوئی ہیں جن کے بارے میں خود آپ کی اپنی رائے حسب ذیل ہے۔

ایک منکر حدیث نے اپنے کسی موقف پر ''تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں'' سے استدلال کیا تھا جس پر بانی تحریک اسلامی نے گرفت فرمائی اور فرمایا: ''پھر لطف یہ ہے کہ مصنف اپنے نظریات کی بنیاد تاریخی استدلال پر رکھتا ہے حالانکہ اگر حدیث کی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں تو تاریخ اس سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہے حدیث میں تو ہمارے زمانے سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا آئمہ تک اسناد کا پورا سلسلہ موجود ہے خواہ وہ آپ کے نزدیک مشکوک ہی کیوں نہ ہو لیکن تاریخ کے پاس تو کوئی سند ہی نہیں ہے جن کتابوں کو آپ تاریخ کا سب سے زیادہ معتبر ذخیرہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ جن مصنفین کی طرف وہ منسوب ہیں انہی کی لکھی ہوئی ہیں اسی طرح جو حالات ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی آپ کوئی ایسی سند نہیں رکھتے جس کی بناء پر ان کی صحت کا یقین کیا جا سکے'' (تفہیمات اول طبع ہشتم ص ۳۲۰)

یہ تھی بانی تحریک اسلامی کی رائے ان کتابوں کے بارے میں جن کو وہ خود ''تاریخ اسلامی کی مستند ترین کتابیں'' فرما رہے ہیں یعنی اگر کوئی شخص ان کتابوں سے کسی اور معاملے میں کوئی دلیل لینا چاہے تو سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک یہ کتابیں دلیل کے قابل نہیں کیونکہ نہ ان میں درج واقعات کے صحیح ہونے کی کوئی سند اور نہ ان کے مصنفین کی طرف ان کتابوں کے منسوب ہونے کا کوئی ثبوت موجود ہے لیکن اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہو تو پھر قرآن نہیں حدیث نہیں بلکہ پھر یہی مجہول ترین کتابیں ان کے نزدیک مستند ترین کتابیں بن جاتی ہیں! یا للعجب ٥

ایک قاری کے ذہن پر ان کتابوں کے مطالعے سے جو تاثر ابھرتا ہے وہ بھی ہم بانی تحریک اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی ہی کی زبان فصاحت بیان سے سنتے ہیں فرماتے ہیں۔ ''یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد کے واقعات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اور ابن قتیبہ اپنی ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں جو نقشہ کھینچتا ہے اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو روایات اسی سلسلہ میں بیان کرتے ہیں وہ سب آپ کے سامنے موجود ہیں اگر آپ اس تاریخ کو باور کرتے ہیں تو پھر آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ مبلغِ قرآن، داعی اسلام، مزکی نفس کی شخصیت پر اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط نسخ کھینچنا پڑے گا اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس پاکیزہ ترین انسان کی ۲۳ سالہ تبلیغ و

ہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی اور اس کی قیادت میں جس جماعت نے بدرواحد اور احزاب وحنین کے معرکے سر کر کے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا اس کے اخلاق، اس کے خیالات اس کے مقاصد اس کے ارادے اس کی خواہشات اور اس کے طور وطریق عام دنیا پر ستوں سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھے۔ (رسائل مسائل حصہ اول طبع دوم ص ۸۴)

ان کتابوں کے بارے میں جنھیں خلافت وملوکیت میں تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابیں لکھا ہے ان کے بارے میں بانی تحریک کی وہ رائے جو مذکورہ دو اقتباسوں میں مندرج ہے اس رائے کے حرف حرف سے ہم اتفاق کرتے ہیں لیکن یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ ایک عام مسلمان کی سیرت اگر اس طرح کی تاریخی کتابوں سے ترتیب دی جائے تو کیا اسے عدالت میں ازالہ حیثیت عرفی کا حق حاصل نہ ہو جائے گا؟...... اور کیا یہ عجائبات زمانہ میں سے نہیں؟ کہ روایات کے جس معیار کو ایک عام اور بے عمل مسلمان کی اخلاقی سطح قبول نہیں کرتی ان روایات کو معیار قرار دیا جائے ان باکمال ہستیوں کی سیرت کا جنھیں رب العزت نے خاتم النبیین کی صحبت کے لئے چنا ہو اور جن کی سیرت کے خدوخال کو خود وحی الٰہی نے نکھارا ہو "وذلک مثلھم فی التورٰۃ و مثلھم فی الانجیل" (فتح) یہی ان کی مثال تورات میں اور یہی ان کی مثال انجیل میں تھی...... یعنی انسانیت کے یہ باکمال نمونے جو مہر رخشاں کی طرح آج بھی دنیا میں تابندہ ہیں سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی ان کی ضوفشانی اسی طرح تھی اور سابقہ امتوں کے لئے یہ بطور مثال اور نمونے کے پیش کئے جاتے رہے ہیں اور توراۃ وانجیل میں بھی اسی آب وتاب کے ساتھ نیر تاباں کی طرح چمک رہے ہیں، گویا ان کی سیرت قرآن ہی میں بیان نہیں ہوئی بلکہ ان کی پیدائش سے بھی ہزاروں ہزار سال پہلے سے ان کی سیرت کی خوبیاں گنوانا وحی الٰہی کا معمول رہا ہے! پھر کیا یہ انتہائی دکھ کی بات نہیں؟...... انتہائی افسوناک بات نہیں؟...... اور انتہائی قابل نفرین وقابل مذمت بات نہیں؟...... کہ جس شخص کی پہچان ہی تحقیق کا عنوان ہو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا چہرہ دیکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو مذکورہ بالا تمام حقائق کو نظر انداز کر کے اور تمام روشنیوں سے منہ موڑ کر بحر ظلمات میں گھس جاتا ہے اور آنکھیں موند کر جدھر رستہ ملا چلتا چلا جاتا ہے۔ جن کتابوں کی نسبت بھی خود ان کے بقول ان کے مصنفین کی طرف ثابت نہیں ان میں لکھے ہوئے حالات کا

بھی وہ کہتے ہیں کوئی ثبوت موجود نہیں پھر اس کالے آئینے میں وہ چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا چنا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے جس کے خدو خال کو سنت نبوی ﷺ نے سنوار انکھارا ہے اور اس کے لئے کتاب اللہ اور احادیث رسول کے بجائے اغلوطات کے پلندے کو اسلامی تاریخ کی مستند ترین کتابوں کا لقب عطا فرما دیتے ہیں؟ یا للعجب!...... خلافت وملوکیت کے مصنف سے کوئی پوچھے کہ آنجناب کی اس روش نے بقول آپ کے کیا ''محمد رسول اللہ مبلغِ قرآن، داعی اسلام مزکی نفس کی شخصیت پر اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط نسخ ''نہیں کھینچ دیا؟...... اور اس روش سے کیا آنجناب نے یہ تسلیم نہیں کر لیا؟'' کہ اس پاکیزہ ترین انسان کی ۲۳ سالہ تبلیغ و ہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی اور اس کی قیادت میں جس جماعت نے بدر و احد اور احزاب و حنین کے معرکے سر کر کے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا اس کے اخلاق اس کے خیالات اس کے مقاصد اس کے ارادے اس کی خواہشات اور اس کے طور طریق عام دنیا پرستوں سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھے۔ (رسائل مسائل حصہ اول طبع دوم ص ۸۴)

یہاں ''خلافت وملوکیت'' ہمارا موضوع بحث نہیں ہے یہ بات گویا جملہ معترضہ کے طور پر مذکور ہو گئی اس موقع پر ہم بصد حسرت صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ کاش! خلافت و ملوکیت کے مصنف اس نازک ترین مقام میں روافض کے بجائے اہل سنت کی صف میں کھڑے ہوتے!......

غرض! بات یہ ہو رہی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم رائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ''فئہ باغیہ'' کی نسبت میں دو نقطہ نظر ہیں اہل سنت کا نقطہ نظر دوسرا روافض کا نقطہ نظر سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اسی دوسرے نقطہ نظر کے حامی ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل کون؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کو فئہ باغیہ قرار دینا اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے'' لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسرا دعویٰ بھی ہے وہ یہ ہے کہ ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل عراق نے قتل کیا ہے!'' ان دونوں دعوؤں پر عمومی تأثر تو وہ ہے جو ابھی ہم نے دو نقطہ ہائے نظر کی صورت میں پیش کیا ہے لیکن آیئے ہم دونوں

دعووں کا علمی تجزیہ کر کے دیکھیں تا کہ حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے۔

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے!''

دعوی نمبر ا

اس دعوے کے ثبوت کے لئے کسی مشاہداتی دلیل کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اہل شام کے مقابلہ میں اہل عراق کے ساتھ ہیں لہٰذا جب وہ قتل ہوئے ہیں تو فی البدیہہ ان کا قاتل اہل شام ہی کو قرار دیا جائے گا......اور جہاں تک خارجی دلیل کا تعلق ہے تو اس بارے میں بڑی سے بڑی شہادت جو تاریخ نے اس دعوے پر ہمیں بہم پہنچائی ہے وہ وہ روایت ہے جو ابو عبدالرحمٰن سلمی کی طرف منسوب ہے......وہ فرماتے ہیں جب عمار قتل ہوئے تو میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گیا کہ دیکھوں بھلا قتل عمار رضی اللہ عنہ کی اہمیت ان کے ہاں بھی وہی ہے جو ہمارے ہاں ہے؟......اور ہمارا معمول یہ تھا کہ جب جنگ ترک کر دیتے تھے تو پھر ایک دوسرے سے باہم ملتے ملاتے تھے اور آپس میں بات چیت کرتے تھے تو میں نے دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو ابوالاعور رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چلے جارہے ہیں تو میں نے اپنا گھوڑا ان کے درمیان ڈال دیا تا کہ ان کی کوئی بات میرے سننے سے نہ رہ جائے عبداللہ اپنے باپ سے کہنے لگے ابا جان! آج کے دن آپ نے اس شخص (عمار رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے فرمایا! حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ نے کیا فرمایا ہے؟...... عبداللہ کہنے لگے وہ واقعہ نہیں ہوا تھا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتا تھا جس پر اسے غشی طاری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے آپ اس کے چہرے سے مٹی صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، واہ رے ابن سمیہ! لوگ ایک ایک اینٹ لائیں اور تو اجر کے شوق میں دو دو اینٹیں لاتا ہے باوجود اس کے تجھے قتل فرقہ باغیہ کرے گی! حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا سنتے ہو عبداللہ کیا کہہ رہے ہے؟ فرمایا کیا کہہ رہا ہے؟ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے پوری تفصیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟ اسے قتل کیا ہے ان لوگوں نے جو اسے ساتھ لے کے آئے! لوگوں نے بھی خیموں سے نکل کر کہنا شروع کر دیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو انہوں

نے قتل کیا ہے جو عمار رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کے آئے ہیں! میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کس پر زیادہ تعجب کروں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یا لوگوں پر...... (الکامل ابن اثیر ۳/۳۱۱)

مندرجہ بالا روایت تاریخ کے صفحات میں قتل عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلہ کی مفصل ترین اور مستند ترین روایت ہے جس میں ابوعبدالرحمٰن سلمی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مکالمہ کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں ابوعبدالرحمٰن کی یہ روایت طبری نے اور اس سے ابن اثیر جزری اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے لیکن تاریخ ذہبی میں ہے کہ مکالمہ کا یہ واقعہ عبداللہ بن حارث کو پیش آیا اور ذہبی ہی کی دوسری روایت ہے کہ چشم دید مکالمہ کے گواہ عمرو بن حزم ہیں!

غرض! حضرت عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین یہ مکالمہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے سنا ہو یا عبداللہ بن حارث نے یا عمرو بن حزم نے یا یہ نرا افسانہ ہی ہو! ہمیں اس سے بحث نہیں...... ابوعبدالرحمٰن سلمی کی مندرجہ بالا طویل روایت جس کا ترجمہ ہم نے الکامل ابن اثیر جزری کی روایت سے کیا ہے ابن جریر طبری نے نقل کی ہے اس سے دوسروں نے لی ہے چونکہ تاریخ کے دامن میں کوئی اور ایسی معقول روایت نہیں ہے جو قتل عمار میں گواہ کا رول ادا کرے لہذا ہم اس روایت کے سچا یا جھوٹا ہونے سے قطع نظر کرتے ہوئے اسی کے آئینہ میں قاتل عمار رضی اللہ عنہ کا چہرہ پہچاننے کی کوشش کریں گے!

روایت کا پس منظر:

سانحہ شہادت عثمان پر امت دو گروہوں میں بٹ گئی جیسا کہ سانحہ جمل کے بیان میں گزر چکا ہے مقام صفین میں دونوں گروہ آمنے سامنے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ جس میں قراء کوفہ اور دیگر صحابہ وتابعین کے علاوہ سبائی گروہ اور ان سے متاثر بصرہ اور کچھ کوفہ کے قاری بھی شامل ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ جو اہل شام (صحابہ وتابعین) پر مشتمل ہے جن میں قراء اہل شام اپنی امتیازی شان سے موجود ہیں۔ (البدایہ ۷/۲۵۸ طبع لاہور)

سبائیوں کی سرتوڑ کوشش ہے کہ جنگ چھڑ جائے لیکن نہ حضرت علی جنگ چاہتے ہیں نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشتر نخعی جنگی جھڑپیں جاری رکھے ہوئے ہے لیکن قراء شام اور قراء کوفہ کی متحدہ کوششیں جنگ میں حائل ہیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں ہیں عمر مبارک ترانوے

سال کو پہنچ چکی ہے عمر کے تقاضے سے طبیعت میں جذباتیت کی تیزی ہے حدیث شریف میں ان کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں شاید اس لئے بھی کہ ایام فتن میں ان کی جذباتیت کے غیر محتاط اثرات سے کوئی بدگمان ہوکر زبان پر ان کے بارے میں ناروا الفاظ نہ لے آئے اور مفت میں جہنم خرید لے حدیث نبوی میں مناقب وفضائل اور جنت کی بشارتوں کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ آخر عمر میں جذباتی ہو جائیں گے چنانچہ امام ذہبی نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے: ان عمار اعلی الفطرۃ الا ان تدرکہ ھفوۃ من کبر "عمار رضی اللہ عنہ فطرت پر رہیں گے یہ الگ بات ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے طبیعت میں کچھ بے قاعدگی آجائے"...... (تاریخ الاسلام ذہبی ۳/۲/۷۵ کنز العمال ۱۱/۲۳۷)

یہ مختصر حدیث تاریخ ذہبی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے شہادت عثمان کے باب میں مفصل مذکور ہے' غرض! شام اور کوفہ کے قاری حضرات کی مصالحانہ کوششیں اور اشتر نخعی کی جنگی جھڑپیں جاری تھیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا' انہیں کس تیرہ بخت نے قتل کیا ہے؟...... جنگی فضاء کے افق پر سوالیہ نشان کندہ ہو گیا! معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ نے!!!...... فضاء میں ایک جواب ابھرا اور جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا!

روایت کا پیش منظر:

قاری ابو عبدالرحمٰن سلمی تابعی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں ہیں ان کی طرف منسوب روایت کے مطابق وہ چل پڑتے ہیں کہ دیکھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں بھی یہ خبر اسی اہمیت سے پہنچی ہے؟ جیسے وہ ہمارے ہاں پہنچی ہے یعنی یہ کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا ہے جبکہ اسے فئہ باغیہ قتل کرے گی تو گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی فئہ باغیہ ہو گئے!...... حسن اتفاق کہ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو عبداللہ بن عمرو اور ان کے والد حضرت عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم تینوں اکٹھے مل گئے بات چلی تو معلوم ہوا کہ جس خبر کا چرچا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں ہے وہ خبر ادھر بھی اسی مفہوم میں پہنچی ہوئی ہے یعنی یہ کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے' جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو فئہ باغیہ قتل کرے گی' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب

میں فرمایا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے نہیں بلکہ انہوں نے قتل کیا ہے جو عمار رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر آئے تھے' اور تمام اہل شام بھی یہی دعویٰ کر رہے تھے' لیکن دوسری طرف میڈیا کی خبر تھی وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے دعویٰ کی بھلا کیا حیثیت؟...... چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سلمٰی کہتے ہیں "**فلا ادری من کان اعجب هو او هم**"......"میں نہیں جان سکا کہ کس پہ زیادہ تعجب کروں" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہ یا اہل شام پہ یعنی وہ اہل عراق کے دعویٰ سے متاثر ہیں...... بہرحال اس روایت میں دونوں دعوے پوری صراحت سے سامنے آ گئے۔

ا۔ اہل عراق کا دعویٰ جس کا ڈھنڈورا پیٹا گیا:

"حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے!"

۲۔ اہل شام کا دعویٰ جس کا اعلان بنفس نفیس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں اور تمام اہل شام ان کے ہم زبان ہیں۔

"حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے!"

آیئے اب یہ دیکھیں کہ فریقین کے پاس اپنے اپنے دعوے پر کیا دلیل ہے؟......

اہل عراق کی دلیل:

① اہل عراق یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ اہل شام کے مقابلہ میں برسر جنگ ہیں لہٰذا ان کے قاتل وہی ہو سکتے ہیں جن کے خلاف وہ نبرد آزما تھا!......

② حضرت عمار رضی اللہ عنہ اہل عراق کے ساتھ ہے ان کا حامی ہے معاون ہے مددگار ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اہل عراق اپنے ایک نہایت گرانقدر تجربہ کار ساتھی اور سرپرست کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالیں؟...... ایسا ہونا عقلاً محال ہے' یہی تو وہ موقع ہے جہاں ایک ایک ساتھی نہایت قیمتی ہوتا ہے ایسے میں وہ کون عقل کا اندھا ہوگا جو ایک ایسے لیڈر سے محرومی مول لے جس کا ماضی میدان کارزار سے رنگین ہو اور جو چالیس سالہ جنگی تجربہ رکھتا ہو اور نہایت وفادار مخلص ہو' لہٰذا یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل خود اہل عراق ہیں۔

③ اہل شام کے خلاف چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ایک نہایت مؤثر اور نمایاں حیثیت سے موجود ہیں اور یہ صورت حال اہل شام کے لئے بہت نقصان دہ اور اہل عراق کے لئے کامیابی کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا اہل شام کا اپنے راستہ کی اس رکاوٹ کو ہٹانے کی تدبیر کرنا قرین قیاس بات ہے جو دل کو لگتی ہے۔

④ اہل عراق کو اپنے دعوے پر کسی مشاہداتی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کا استدلال معقول ترین منطقی استدلال پر مبنی ہے جسے ہر عقل بلا تامل قبول کرتی ہے یعنی لوگ اپنے حامی کو نہیں بلکہ اپنے مدمقابل کو قتل کیا کرتے ہیں۔

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دعویٰ درحقیقت ان کی طرف سے صورت حال کی اس تاویل کا نتیجہ ہے کہ چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اہل عراق لے کے آئے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ قتل ہو گئے اگر وہ انہیں ساتھ نہ لے کے آتے تو وہ قتل کیوں ہوتے لہٰذا ثابت ہوا کہ لانے والے ہی قاتل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ دلیل ایک بے معنی بات ہے۔

اہل شام کی دلیل:

① اہل شام اپنے دعویٰ پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اہل عراق کے دلائل کی حقیقت قیاس آرائیوں سے زیادہ کچھ نہیں عقل و قیاس کتنے ہی قوی دلائل کیوں نہ جمع کر لے بہر حال ان دلائل سے قتل جیسا سنگین جرم ثابت نہیں کیا جا سکتا ایسے دلائل قتل کا امکان تو پیدا کر سکتے ہیں قتل کے ارتکاب کو یقین کا درجہ نہیں دے سکتے اور اس بارے میں اہل عراق کے پاس کوئی مشاہداتی گواہی موجود نہیں ہے لہٰذا اہل عراق کا دعویٰ ایک بے بنیاد الزام سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا' عقل کے مفروضے اپنے منطقی نتائج کے لحاظ سے کتنے ہی اٹل کیوں نہ ہوں لیکن وہ خیال و گمان کو حقیقت نہیں بنا سکتے۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں وہ پوری صراحت سے فرما رہے ہیں کہ عمار کو اہل عراق نے قتل کیا ہے۔ ان کے پاس یقیناً اپنے اس دعویٰ پر کوئی مشاہداتی دلیل موجود ہے کیونکہ اس کے علاوہ ان کے اس دعوے کے کوئی معنی بنتے ہی نہیں' رہی یہ بات کہ درحقیقت ان کا دعویٰ صورت حال کی اس تاویل کا نتیجہ ہے کہ اگر اہل عراق

عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ نہ لے کے آتے تو وہ ہمارے ہاتھوں کیوں قتل ہوتے لہٰذا ان کے ساتھ لانے کا مطلب یہ ہے کہ لانے والے ہی قاتل ہیں......

اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعوے کی یہ تشریح منطقی صغری کبری پر پوری اتر سکتی ہے اور اس پر "چونکہ" "چنانچہ" کے لاحقے سابقے لگا کر اسے عقل کے لئے بھی قابل قبول بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک بات ہے، وہ یہ کہ جب سے انسان زمین پر آباد ہوا ہے اور جب سے اس نے بولنا سیکھا ہے اور جب سے اسے بات سمجھنے سمجھانے کا شعور ملا ہے تب سے اب تک کسی زمانے میں کسی زبان میں کسی کے کسی قول کی کسی کی طرف سے کسی موقع پر اس طرح کی تشریح نہ کبھی کی گئی ہے اور نہ سنی گئی ہے۔ تو گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعوے کی یہ تشریح نطق انسانی کی تاریخ میں ایک اچھوتا اضافہ ہے خصوصاً جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول اتنا واضح دو ٹوک اور محکم و مشرح ہے کہ وہ کسی تشریح و تفسیر کو قبول ہی نہیں کرتا تو گویا اس تشریح سے بلاوجہ ایک قول محکم کو متشابہ قرار دینا ہوگا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ منقول ہیں وہ یہ ہیں: "او نحن قتلنا عماراً ؟!...... " ارے کیا ہم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟!......... "انما قتل عماراً من جاء به "...... جو عمار کو لے کر آئے انہوں خود اسے قتل کیا ہے...... (الهدایہ ۷/۲۶۹)

یہ کل دو جملے ہیں پہلا جملہ استفہام انکاری ہے اور تعجب ہے اور تعجب استفہام انکاری کا مطلب ہے ایسا سوالیہ فقرہ جس سے مقصد الزام کا انکار کرنا ہے۔ "ارے کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟!" مطلب ہے: ہرگز نہیں! ہم نے عمار کو قتل نہیں کیا! دوسرا جملہ انما سے شروع ہوتا ہے اس جملہ کے لفظی معنی یہ ہیں "انما" "صرف" "قتل "قتل کیا" "عماراً" "عمار کو" "من" "اس نے جو" "جاء" "آیا" "به" "اسے لے کر...... اردو محاورہ میں اسے یوں ادا کریں گے: "جو عمار کو لے کر آئے ہیں انہوں نے خود اس کو قتل کیا ہے"۔ بتایئے! اس جملہ میں کون سا وہ لفظ ہے جو ایک عام آدمی کی سمجھ میں نہ آتا ہو اور آپ کو اس پر یعنی کہہ کر سمجھانا پڑے۔

③ اس دعوی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا نہیں ہیں بلکہ اہل شام ان کے ہم نوا ہیں وہ بھی یک زباں یہی کہتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اہل عراق نے قتل کیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ اہل شام تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ یہ دعوی بلا دلیل ہے سوائے بدگمانی کے اس کی اور کوئی دلیل نہیں۔

④ عقل کے مسلمہ اصولوں پر مبنی دلیل بلاشبہ قابل تسلیم ہوتی ہے لیکن جب اس کے مقابل مشاہداتی گواہی آجائے تو پھر معقول دلیل کی حیثیت منفی ہو جاتی ہے۔

⑤ اہل عراق کا یہ کہنا کہ کسی کا اپنے ہی حامی، معاون و مددگار، محسن و سرپرست کو قتل کرنا عقلاً سمجھ میں آنے والی بات نہیں! بجا فرمایا! عام طور پر معمول یہی ہے لیکن جو لوگ سیاست کا اونچا کھیل کھیلتے ہیں ان کی روش اس کے برعکس ہے ایسے لوگ اس وقت تک اپنی کامیابی کو مشکوک سمجھتے ہیں جب تک وہ اپنے محسنوں اور سرپرستوں کو ٹھکانے نہیں لگا لیتے اور ایسا کرتے ہوئے بھی ان کا یہ اقدام منطق کے معقول ترین اصول پر مبنی ہوتا ہے اور وہ منطقی اصول یہ ہے کہ ہونہار سیاستدان جب اپنے محسنوں کے فیض احسان سے بام عروج پر پہنچتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ محسنوں کی ذرہ نوازی نے جہاں میرے رستے کی تمام رکاوٹیں دور کر دی ہیں وہاں اپنے احسان و سرپرستی کے لحاظ و رعایت کی بیڑیاں مجھے پہنا دی ہیں لہٰذا جب تک میں ان کو بھی ٹھکانے نہ لگالوں آزادی سے نہیں چل سکتا اس لئے وہ انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے دشمنوں کے ساتھ محسنوں کو ٹھکانے لگانا بھی ضروری سمجھتا ہے چنانچہ کسی پر وہ جرم ثابت کر کے قتل کر دیتا ہے اور کسی کو قتل کروا کر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی طرح دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے اس کی مثالیں آپ کو دنیا کے مشہور انقلابیوں کے ہاں بکثرت مل جائیں گی اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیاست کے اونچے کھیل میں سبائیوں سے کوئی نمبر نہیں لے گیا!۔۔۔

اہل شام کی اس دلیل پر اہل عراق کی طرف سے ایک اعتراض ہو سکتا ہے' یہ کہ سبائیوں کو سیاست کا یہ اونچا کھیل کھیلتے ہوئے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنانے کی کیا پڑی تھی؟ اگر وہ اس غرض کے لئے نشانہ بناتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بناتے جو اتحاد امت کے لئے تگ و دو کر رہے تھے اور سبائی سازش کا توڑ کرنے ہی میں وہ سرگرداں تھے!......

اہل شام کہتے ہیں کہ سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نمٹنا چاہتے تھے لیکن ان کا بس نہیں چلا چنانچہ جنگ جمل میں جب منافقین کی مشاورت ہوئی تو اشتر نخعی کا مشورہ یہی تھا کہ:

"علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنا مشن پایہ تکمیل کو پہنچا دو تمہارے خلاف ہونے والی

کاروائیوں پر خود بخود بریک لگ جائے گی لیکن اس کے اس مشورے کو ابن سبا نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ اس وقت ہم علی رضی اللہ عنہ کی آڑ ہی میں اپنا بچاؤ کیے ہوئے ہیں اگر یہ نہ رہے تو پھر جو طوفان اٹھے گا اس میں ہم میں سے کوئی نہ بچ سکے گا''۔۔۔(طبری ۳/۵۰۷)

ابن سباء کی اس وضاحت کے بعد سبائی اس اقدام سے ڈر گئے۔ادھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حمایت سے سبائیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا سبائیوں کے مقاصد سے کوئی تعلق نہ تھا وہ تو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات کی حد تک سبائیوں کے مغالطہ میں آ گئے تھے لیکن اب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پالیسی کے پوری طرح حامی تھے۔ (البدایہ ۷/۲۶۶'۲۶۷)

مگر طبیعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ والا تحمل نہیں تھا جذباتیت طبیعت پر پہلے ہی غالب تھی نوے سال کی عمر میں قوت برداشت میں مزید کمی آ گئی تھی' لہٰذا سبائیوں کی حرکتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اپنے حکیمانہ تحمل کے باعث انگیز کر جاتے تھے لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ میں یہ برداشت نہ تھی صفین میں سبائی جمل کی طرح جنگ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ نہیں چاہتے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے مخالف تھے لہٰذا انہیں سبائیوں کی جنگی کاروائیاں کسی صورت گوارا نہیں ہوتی تھیں۔ (البدایہ ۷/۲۷۰)

جس کے نتیجہ میں سبائیوں کو قدم قدم پر مصیبت پیش آ رہی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حمایت سے جو انہوں نے فائدہ اٹھانا تھا وہ فائدہ قتل خلیفۃ النبی میں وہ اٹھا چکے تھے لہٰذا ضروری تھا کہ انہیں اب رستہ سے ہٹایا جائے۔جبکہ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کا الزام خود بخود مخالف فریق پر عائد ہوگا لہٰذا آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام......

(۶) علاوہ ازیں ایک اور مسئلہ بھی تھا جس کی بناء پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قتل کرنا سبائیوں کے لئے ضروری ہو گیا تھا وہ یہ کہ سبائیوں کی تمام تر اشتعال انگیز کاروائیوں کے باوجود کھلی جنگ تک بات نہیں پہنچ پا رہی تھی کیونکہ فریقین میں سے کوئی بھی جنگ کا روادار نہیں تھا سبائیوں نے جمل والے شب خون مارنے کے ناپاک حربے بھی آزما دیکھے لیکن بات نہیں بن پائی کہ اسی دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو بن عاص پیغام مصالحت لے کے پہنچ گئے جس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' نعم انا

اولی بذلك بيننا و بينكم كتاب الله ''''بجا ہے! اس پیشکش کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں کہ ہم آپس کے معاملات میں کتاب اللہ سے فیصلہ لیں''......

(البدایہ ۷/۲۷۲)

سبائیوں نے دیکھا کہ وہی مصالحت کی جمل والی صورت دوبارہ بننے لگی ہے جس کا مطلب ہے ہماری موت پہ مہر لگ گئی لہٰذا شیطان نے انہیں ایک نئی شرارت کی طرف متوجہ کیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول ہے کہ انہیں فئہ باغیہ قتل کرے گی اور یہ حدیث لوگوں میں مشہور ہے لہٰذا اگر عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے تو اس کا الزام لامحالہ اہل شام ہی پر عائد ہوگا جس سے انہیں فئہ باغیہ سمجھ لیا جائے گا جس کے بعد خود بخود ان کے خلاف جنگ کا جواز پیدا ہو جائے گا لہٰذا اس ناپاک مقصد کی خاطر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا یہ دوسری بات ہے کہ ان کا یہ ناپاک حربہ بھی جنگ بھڑکانے میں کارآمد نہ ہو سکا اس لئے کہ صلح پر بات چیت کا آغاز ہو چکا تھا دوسرا اس لئے کہ فئہ باغیہ کی حیثیت نبی ﷺ کی بتائی ہوئی علامت کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نہایت واضح اور مبرہن تھی لہٰذا سبائیوں کا یہ ناپاک حربہ جنگ بھڑکانے میں تو کام نہ آ سکا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے حامی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے بارے میں فئہ باغیہ فئہ باغیہ کا اتنا شور مچایا کہ امت کے کان بہرے کر دیئے! اور پروپیگنڈے کی اتنی دھول اڑائی کہ فئہ باغیہ کی حقیقی تصویر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' اس سے معلوم ہوا کہ قتل عمار رضی اللہ عنہ سبائیوں کی ایک ایسی ضرورت تھی جس کے بغیر ان کی ناپاک سازش پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی تھی جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اہل شام کے لئے ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے لحاظ سے قابل قدر اور محترم ہستی تھے اگر وہ فریق مقابل میں ہیں تو دشمن ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ اختلاف رائے کی بناء پر ہیں اور جنگ کے بارے میں ان کی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے یعنی وہ جنگ کے روادار نہیں ایسے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو سبائیوں کا قتل کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ ایک تو اس لئے کہ سبائی مطلقاً صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن تھے اور دوسرا اس لئے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قتل سبائیوں کی ایک ضرورت بن گیا تھا لیکن اہل شام عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کریں؟ تو یہ بلا کسی سبب کے اور بلا کسی عنوان کے ہوگا جو کسی سمجھدار کا نہیں بلکہ پاگلوں کا کام ہے!

ثمرہ بحث

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل پر فریقین کے دلائل آپ نے سنے جہاں تک دلائل کی قوت استدلال کا تعلق ہے دونوں طرف دلائل قوی اور معقول ہیں البتہ اہل شام کے دلائل کو جو مشاہداتی خصوصیت حاصل ہے اس خصوصیت نے ان کے دلائل کو راجح اور قوی تر بنا دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک تاریخی المیہ کہیے کہ چرچا جو ہوا تو وہ اہل عراق کے دلائل کا ہوا اور اہل شام کے دلائل سبائی پروپیگنڈے کی دھول میں گم ہو کر رہ گئے اور اہل شام کے دلائل راجح اور قوی تر ہونے کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل ہونے کو ایک مسلمہ تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا پھر اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ قتل عمار رضی اللہ عنہ کو فئہ باغیہ ہونے کی علامت قرار دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کو فئہ باغیہ قرار دے دیا گیا۔ بہر حال اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں عام طور پر ایسا ہوتا آیا ہے کہ حقیقتیں پروپیگنڈے کی دھول میں کھو جایا کرتی ہیں لیکن کھو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حقیقت مٹ گئی حقیقت بہر حال حقیقت ہے وہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتی البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر محض طرفین کے دلائل پر اکتفا کرتا ہے تو جیسے آپ نے کہا کہ اہل شام کے دلائل مشاہداتی قوت کے باعث راجح ہیں تو یہ آپ کی ایک رائے ہے جس سے کوئی دوسرا اختلاف بھی کر سکتا ہے لہٰذا حقیقت تو پھر مشتبہ ہو گئی!

سوال بجا ہے طرفین کے دلائل ہمیں کسی قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتے وہ تو صرف گمان غالب ہی دے سکتے ہیں گویا جھگڑا تو پھر اپنی جگہ باقی رہا لہٰذا حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طرفین کے دلائل چھوڑ کر ہم کسی تیسرے ماخذ کی طرف رجوع کریں جو ہمیں یقین کی منزل تک پہنچا دے چنانچہ وہ ایک ہی ماخذ ہے اور وہ ہے سرچشمہ علوم نبوت یعنی وحی الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ حقیقت منکشف فرما دی تھی کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل کون ہوگا؟

عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل کون؟

احادیث نبوی کی روشنی میں

صحیح مسلم کی مشہور حدیث البدایہ کے حوالے سے پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لعمارؓ تقتلك الفئة الباغية"...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار سے کہا کہ تجھے "الفئۃ الباغیۃ قتل کرے گی فئۃ باغیہ کا عربی میں استعمال دو طرح سے ہوگا "فئة باغيه" "الفئة الباغيه" ' ان میں پہلا نکرہ ہے جس کے معنی ہیں کوئی سی باغی جماعت یا ایک باغی جماعت۔ دوسرا معرفہ ہے جس کے معنی ہیں خاص باغی جماعت جو پہلے سے معلوم و متعارف ہے۔ لہٰذا اگر حدیث میں عبارت یہ ہوتی کہ "تقتلك فئة باغية" تو ترجمہ یہ ہوتا کہ تجھے کوئی باغی جماعت قتل کرے گی...... یعنی قتل کرنے والی جماعت متعین نہیں بلکہ ان کا قتل ہونا ہی اس جماعت کو جس کے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے باغی جماعت ہونا متعین کرے گا کیونکہ نکرہ ایک غیر متعین چیز ہے موقع پر بوقت قتل جس جماعت کی طرف منسوب ہوگا اس جماعت کو فئہ باغیہ سمجھ لیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب فئہ باغیہ نکرہ ہو لیکن حدیث شریف میں ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں "الفئة الباغية" ہے جو معرفہ ہے جس کا مطلب ہے پہلے سے معلوم و معروف باغی جماعت گویا وہ جماعت جسے عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل بتایا جا رہا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں پہلے سے معلوم و متعارف ہے اسی لئے اسے "معرف بال" یعنی ال کے ساتھ معرفہ لایا گیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس فتنہ پرور گروہ سے مستقبل میں امت کو مستقل طور پر واسطہ پڑنے والا تھا جس کا سلسلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت ہی سے شروع ہو جانا تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس گروہ سے پوری طرح متعارف کرائیں تاکہ امت اس گروہ کو پہچان لے اور اس کی شرانگیزیوں سے محفوظ ہو سکے اب سوال یہ ہے کہ الفئۃ الباغیۃ کے معرف بال' ہونے سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں متعارف تھا غیر معروف نہیں تھا لیکن اس کا یہ معروف ہونا کیا کوئی ایسا راز ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم تک ہی رہا؟ یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس گروہ کے تعارف کو بعد والوں کی طرف بھی منتقل کیا؟...... آیئے! اس بارے

میں حدیث کی طرف ہی رجوع کریں' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ویح یا عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار" (البدایہ ۷/۲۷۰)

"ہائے رے عمار رضی اللہ عنہما! اسے باغی گروہ قتل کرے گا یہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیتا ہوگا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیں گے......

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں:

"انی سمعت رسول الله ﷺ يقول تقتله الفئة الباغية الناكبة عن الطريق" (طبری ۴/۲۷)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے عمار رضی اللہ عنہ کو باغی جماعت قتل کرے گی جو سیدھے راستہ سے دور ہٹی ہوگی۔"

ان دو احادیث سے حسب ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہادت کی موت کا اعزاز پائیں گے۔

۲۔ الفئۃ الباغیۃ (باغی گروہ) کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔

۳۔ وہ باغی گروہ آگ کی طرف دعوت دینے والا ہوگا۔

۴۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا اس جہنمی گروہ کو جنت کی طرف دعوت دینا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب بنے گا۔

۵۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل یہ باغی گروہ (الفئۃ الباغیۃ) صراط مستقیم سے دور ہٹا ہوا ہوگا۔

ان امور میں سے مؤخر الذکر چار باتیں ایسی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باجماع اہل حق ان چار باتوں میں سے کسی ایک کا بھی مصداق نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے جسے حافظ ابن کثیر نے ام المومنین ام سلمہ حضرت ابوبکرۃ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے متعدد سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"یاایھا الناس ان ابنی ھذا سید سیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا"

اور یہ صلح کا عمل اس وقت پیش آیا جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبردار ہوئے' حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور اپنی اس خلافت سے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو کر امت کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اس کارنامہ پر ان کی مدح فرما رہے ہیں اور اس اقدام پر انہیں سید ہونے کا لقب دے رہے ہیں' سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت نبوت سے ایک ایسے شخص کے حق میں دستبردار ہو رہے ہیں جو فئہ باغیۃ کا سربراہ ہے؟ اور جہنم کی طرف دعوت دینے والا ہے؟ اور صراط مستقیم سے دور ہٹا ہوا ہے؟!...... اور پھر اس دستبرداری پر رسول اللہ ﷺ ان کی مدح فرما رہے ہیں اور انہیں سید ہونے کا لقب دے رہے ہیں! حالانکہ اسی دستبرداری سے آنحضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سختی سے منع فرمایا دیا تھا لیکن یہاں دستبرداری کے معاملہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی فرمائی جا رہی ہے! غور کیجئے! حضرت عثمان بھی خلافت نبوت کے منصب پر ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی خلافت نبوت کے منصب پر ہیں لیکن اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دستبردار ہونا چاہیں تو سخت وعید ہے کہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے اور اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ دستبردار ہوتے ہیں تو انہیں سید کا لقب عطا کیا جاتا ہے آخر کیا فرق ہے؟ سوا اس کے کہ حضرت عثمان کی دستبرداری سبائیوں کے حق میں جاتی ہے جس سے اسلام کی چولیں ہل جاتی ہیں لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری اس شخص کے حق میں ہے جس پر اللہ اور اس کا رسول راضی ہیں اور جو سبائیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی طرح برا لگتا ہے لہٰذا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اس کے حق میں دستبردار ہونا اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے تو پھر اس اقدام پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سید ہونے کا تمغہ کیوں نہ ملے جس اقدام نے سبائیوں کی اب تک کی کامیابی پر پانی پھیر دیا اور نظام اسلامی کو پھر سے مضبوط بنیادیں فراہم کر دیں غرض! ان تین حدیثوں نے یہ بات قطعیت کے

ساتھ ثابت کردی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی قاتل الفئۃ الباغیۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نہیں۔
پھر یہ کونسی جماعت ہے کہ جس کا'' معرف بال'' ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ
''الفئۃ الباغیۃ'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جانی پہچانی جماعت تھی! آیئے ایک اور حدیث پر غور کریں:

''عن سوید بن غفلة قال سئالت علیاً عن الخوارج فقال جاء ذو الثدیة المخدجی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یقسم فقال کیف تقسم ؟والله ما تعدل اقال فمن یعدل؟فهم به اصحابه فقال دعوهٔ سیکفیکموه غیرکم یقتل فی الفئة الباغیة یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة قتالهم حق علی مسلم''۔ (کنز العمال ۱۱/۳۰۱)

''سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی سے خوارج کے بارے میں پوچھا تو وہ فرمانے لگے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا (پیدائشی طور پر ایک بازو نہ ہونے کی وجہ سے) ذوالثدیہ المخدجی کے نام سے مشہور تھا آپ مال تقسیم فرمارہے تھے وہ کہنے لگا آپ کس طرح تقسیم کر رہے ہیں؟ اللہ کی قسم آپ انصاف نہیں کررہے! آپ نے فرمایا پھر کون انصاف کرے گا ؟! صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے قتل کرنا چاہا آپ نے فرمایا چھوڑ دو! تمہارے علاوہ اور لوگ ہیں جو اس سے نمٹ لیں گے اور اسے ''الفئۃ الباغیہ'' (باغی گروہ) میں قتل کیا جائے گا اور وہ فئہ باغیہ دین سے اس طرح پار نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار نکل جاتا ہے اور ان سے جنگ کرنا مسلمان پر لازم ہے''۔

اس حدیث سے جو مسائل واضح ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① قتل عمار رضی اللہ عنہ ''الفئة الباغیه'' کی پہچان نہیں بلکہ ''الفئة الباغیه'' کی پہچان ''ذو الثدیه المخدجی'' نامی شخص کا اس گروہ میں قتل کیا جانا ہے۔

② اس باغی گروہ (فئہ باغیہ) کا قتل عام ہوگا۔

③ یہ لوگ دین سے پار نکل جائیں گے نرے دعووں اور باتوں کے سوا دین سے ان کا اور

کوئی تعلق نہ ہوگا۔

④ یہ وہ بدنصیب گروہ ہے کہ ان کے خلاف جنگ کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی چونکہ اس حدیث کے راوی ہیں اس لئے وہ اس گروہ کو خوب پہچانتے ہیں۔

اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ مخدج شخص کہاں کن لوگوں کے ساتھ قتل ہوا اور وہ بدنصیب لوگ کون تھے جو ''الفئة الباغيه'' کا مصداق بنے اور وہ کہاں سے ظہور پذیر ہوئے اور کس کے ہاتھوں قتل ہوئے؟......

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کے حوالے سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی راویت نقل کی ہے:

''عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول الله ﷺ تفترق امتی فرقتين فتمرق بينهما مارقة فيقتلها اولى الطائفتين بالحق۔'' (البدایہ ۷/۲۷۸ طبع لاہور)

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت دو گروہوں میں بٹ جائے گی پھر ان دو کے درمیان ایک اور گروہ دین سے پار نکل جانے والا نکلے گا اس گروہ کو امت کے دو گروہوں میں سے وہ قتل کرے گا جو دونوں میں حق کے قریب تر ہوگا۔''

اس حدیث شریف میں حسب ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں:

① اس سے پہلی حدیث میں ''الفئة الباغيه'' کے بارے میں ذکر تھا کہ وہ دین سے پار نکل جائیں گے۔ زیر بحث حدیث شریف میں اس نسبت سے ان کو ''مارقۃ'' (پار نکل جانے والے) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ گویا الفئۃ الباغیہ'' کو اب ایک نیا نام بھی مل گیا۔ ''مارقۃ''

② امت دو گروہوں میں بٹے گی چنانچہ یہ دو گروہ قصاص خلیفۃ النبی ﷺ عثمان ابن عفان کے طریق کار میں اختلاف پر وجود میں آئے۔

۱۔حضرت علی کا گروہ ۲۔حضرت امیر معاویہ کا گروہ

(۳) ایک تیسرا گروہ ان دو گروہوں کے درمیان ابھرے گا اس کا نام "مارقہ" (دین سے پار نکل جانے والے) ہے۔

(۴) یہ گروہ واجب القتل ہے۔

(۵) اس گروہ مارقہ کو امت کے دو گروہوں میں سے وہ قتل کرے گا جو حق کے قریب تر ہوگا۔

(۶) کسی بھی اجتہادی مسئلہ میں رائے کے اختلاف کی بنیاد پر دو گروہوں میں بٹ جانا ایسی بات نہیں جس پر ہدایت اور گمراہی کا فتویٰ لاگو کر دیا جائے۔

عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ تفترق امتی فتمرق مهم مارقة يمرقون من الدين كمايمرق السهم من الرمية لا يرتدون الى الاسلام حتى يرتد السهم فوقه سيماهم التحليق يقتلهم اولىٰ الطائفتين بالحق فلما قتلهم علی قال ان فیهم رجلا مخدجا"۔ (کنز العمال ۱۱/۳۰۹)

"ابوسعید کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امت میں اختلاف ہوگا تو ان میں سے ایک "مارقہ" نکلے گا جو دین سے اس طرح پار نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار نکل جاتا ہے ان کا اسلام کی طرف لوٹنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے تیر کا واپس اپنے وتر پر لوٹنا ناممکن ہے ان کا ایڈریس۔ سر منڈانا انہیں قتل کرے گا امت کے دو گروہوں میں سے وہ جو حق سے قریب تر ہوگا پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کیا تو فرمایا کہ یقیناً ان میں ایک "مخدج" ناقص الخلقت آدمی ہے۔"

اس حدیث شریف میں درج ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں:

(۱) "الفئة الباغية" جس کا دوسرا نام "مارقہ" ہے ان کا اسلام کی طرف لوٹنا ناممکن ہے۔

(۲) سر منڈانا ان کا یونیفارم اور ان کا ایڈریس ہے کیونکہ سر منڈانا فی نفسہٖ کوئی ناجائز فعل نہیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سر منڈاتے تھے لیکن یہ لوگ سر منڈانے کو اپنے لئے بطور یونیفارم

اختیار کریں گے تبھی اسے ''سیماھم'' ان کی پہچان کہا گیا' گویا سر منڈانے کا تذکرہ ان کی مذمت کے لئے نہیں بلکہ ان کہ پہچان کے لئے کیا گیا ہے۔

③ امت کے دو گروہوں میں سے جو گروہ اس ''مارقۃ'' کو قتل کرے گا وہ گروہ دونوں میں سے حق کے زیادہ قریب تر ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ برحق ہیں لیکن ''مارقۃ'' کا قاتل گروہ حق سے زیادہ قریب ہے۔

④ دین سے پار نکل جانے والے اس گروہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا لہٰذا وہ گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت حق سے زیادہ قریب ہوئے۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب انہیں قتل کر چکے تو فرمایا ان میں ایک '' مخدج '' (ناقص الخلقت) آدمی بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ''ذوالثدیۃ المخدجی'' شخص جس کا ''الفئۃ الباغیۃ'' میں قتل ہونا حدیث شریف میں بتایا گیا ہے وہ اس گروہ ''مارقۃ میں قتل ہوا اس شخص کا پورا عرفی نام ''ذوالثدیۃ المخدجی'' ہے لیکن اسے ''ذوالثدیۃ'' ''ذوالیدیہ'' ''مخدج'' ''مخدج الید'' ''مثدون الید'' ''مودن الید'' وغیرہ ناموں سے بھی روایات میں ذکر کیا گیا ہے دراصل اس کا ذکر روایات میں بکثرت آیا ہے کیونکہ اس گروہ میں اس کے قتل ہونے کو ''الفئۃ الباغیۃ'' کی ایک خاص علامت بتایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے اس گروہ کو قتل کرنے کے بعد اس شخص کو پورے اہتمام سے تلاش کرایا اور جب وہ انہیں نہیں مل رہا تھا تو بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ البدایہ میں مسند احمد کے حوالے سے ابو سعید خدری ہی کی روایت ہے جس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

''ھل من علامة يعرفون بها قال فيهم رجل ذويديه او ثديه محلقي رئوسهم'' (البدایہ ۷/۲۹۸ طبع لاہور)

''کیا ان کی یعنی (الفئۃ الباغیۃ کی) نشانی بھی ہے جس سے انہیں پہچان لیا جائے؟ آپ نے فرمایا ان میں ''ذویدیہ'' یا فرمایا ''ذوثدیہ'' (راوی کو شک ہے) نامی ایک آدمی ہوگا۔

البدایہ میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے ابو مریم کی روایت نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں "مخدع" نامی شخص ان دنوں ہمارے ساتھ مسجد میں ہوتا تھا رات دن اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے غریب آدمی تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لنگر پر میں نے اسے مسکینوں کے ساتھ دیکھا اور میں نے اسے اپنی ٹوپی پہنائی اور اسے "نافع ذو الثدیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا"۔ (البدایہ ۷/۲۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پریشان ہونے کی وجہ یہی تھی کہ" الفئة الباغية " کی یہ نشانی رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمائی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی روایت متواتر تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کے راوی تھے لہذا آپ پریشان ہوئے کہ اگر مخدج کے ان میں قتل ہونے والی نشانی نہیں پائی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا یہ لوگ" الفئة الباغية "نہیں تھے لہذا ہم نے انہیں قتل کرنے میں غلطی کھائی! چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی تلاش کے لئے خاص اہتمام فرمایا اور جب تک اس کی لاش مل نہیں گئی آپ سخت پریشان رہے ان میں سے چند روایات کا ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "مخدج" کو تلاش کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ ایسے لوگ آئیں گے جن کی زبانوں پر کلمہ حق ہوگا جوان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا اسلام سے وہ اس طرح پار نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار نکل جاتا ہے اس کی خاص نشانی ایک کالا آدمی ہے جس کا ایک ہاتھ نہیں ہوگا اور اس کی جگہ کالے بال ہوں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر وہ شخص ان میں ہے تو تم نے بدترین لوگوں کو قتل کیا ہم یہ سن کر رونے لگے کہتے ہیں پھر ہم نے مخدج کی لاش ڈھونڈ لی تو ہم بے ساختہ سجدہ میں گر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ سجدہ میں گر گئے"۔ (البدایہ ۷/۲۹۱ طبع لاہور)

"ابو جحیفہ کہتے ہیں ہم جب حروریہ کو قتل کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے ان میں ایک ایسا آدمی ہے جس کے بازو میں ہڈی نہیں پھر یہ کہ اس کا بازو پستان کی چونی جیسا ہے جس پر لمبے لمبے خمدار بال ہیں لہذا اسے ڈھونڈو! لیکن وہ نہ ملا تو ابو جحیفہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سخت گھبرا گئے، لوگ کہنے لگے امیر المومنین وہ تو نہیں ملتا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ارے کمبختو! اس جگہ کا کیا نام ہے!" لوگوں نے کہا نہروان! پھر تم جھوٹ بولتے ہو وہ یقیناً

انہی میں ہے پھر ہم نے مقتولوں کو الٹ پلٹ کیا لیکن وہ ہمیں نہ ملا' ہم نے واپس آ کر کہا امیر المومنین وہ ہمیں نہیں ملتا! فرمایا: اس جگہ کا کیا نام ہے؟ ہم نے کہا نہروان! فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے' تم جھوٹ کہتے ہو وہ یقیناً انہی میں ہے لہذا اسے ڈھونڈو! چنانچہ ہم نے پھر اسے ڈھونڈا تو آخر کار وہ ایک نالی سے مل گیا جسے ہم لے آئے'' (البدایہ ۷/۲۹۳)

''حبیب بن ثابت کہتے ہیں میں نے شقیق بن سلمہ سے کہا مجھے ذوالثدیہ کے بارے میں حدیث سنایئے وہ کہنے لگے جب ہم نے ان سے جنگ کی تو حضرت علی نے کہا کہ ایک آدمی کو تلاش کرو جس کی علامت یہ ہے اور یہ ہے ہم نے اسے ڈھونڈا تو وہ ہمیں نہ ملا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے اسے ڈھونڈو واللہ کی قسم نہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے کہتے ہیں پھر ہم نے تلاش کیا لیکن وہ پھر نہ ملا کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اپنے شہبا خچر پر سوار ہوئے اب کی بار ہم نے تلاش کیا تو بالآخر اسے سرکنڈے کے پودے کے نیچے سے ڈھونڈ نکالا جونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا فوراً سجدہ میں گر گئے''۔ (البدایہ ۷/۲۹۴ طبع لاہور)

ان روایات سے حسب ذیل مسائل واضح ہوتے ہیں:

① جنگ کے بارے میں حضرت علی کی احتیاط یعنی جن کا قتل رسول اللہ ﷺ واجب اور فرض قرار دے چکے ہیں پہلے تو آپ یہ بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس روش سے باز آ جائیں جو ان کے قتل کو واجب کرتی ہے لیکن پھر جب یہ ناگوار فریضہ آپ کو انجام دینا ہی پڑا تو پھر سخت پریشان ہیں یہ تسلی کرنے کے لئے کہ خدانخواستہ یہ اقدام غلط تو نہیں؟ پھر جب مخدجی کی لاش دریافت ہوئی جس پر یہ تسلی ہوگئی کہ واقعۃً یہ لوگ ''الفئۃ الباغیۃ'' تھے تو آپ بے ساختہ سجدہ میں گر گئے اس بات پر شکر بجالاتے ہوئے کہ کسی کا ناحق خون نہیں بہا! اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محض عمار کے قتل کی خبر سن کر صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی جماعت کے خلاف حضرت علی اعلان جنگ کر دے؟ ناممکنات میں سے ہے۔

② حدیث شریف میں ''الفئۃ الباغیۃ'' کی پہچان کے لئے علامات بہت واضح کی گئی ہیں تا کہ غلطی میں کوئی ناحق قتل نہ ہو پائے۔

③ اگر ان خارجیوں میں ''الفئۃ الباغیۃ'' والی علامات نہ ہوتیں تو پھر یہ لوگ اپنے ایمان

وتقوی کے لحاظ سے بہترین لوگ تھے۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے فۂ باغیہ ہونے کا پورا یقین تھا اس لئے مخدجی کو بار بار تلاش کرواتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتا تو رو پڑتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں تم جھوٹ کہتے ہو یقیناً ان میں ہے گویا یقین کے بعد اب اطمینان قلب درکار تھا۔۔۔۔

اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ" الفئة الباغية" جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی قاتل ہے یہ وہ جماعت ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان میں قتل کیا' رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "عمار رضی اللہ عنہ کو فۂ باغیہ قتل کرے گی" یہ فۂ باغیہ کی علامت اور پہچان بیان کرنے کے لئے نہیں ہے کیونکہ فۂ باغیہ کی علامت اور پہچان تو پوری وضاحتوں اور تاکیدوں کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے بلکہ یہ قاتل عمار رضی اللہ عنہ کی نسبت درست کرنے کے لئے ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل کون ہے؟ کیونکہ اس بارے میں یہاں دو دعوے باہم تکرار ہے ہیں اہل عراق کا دعوی کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کیا ہے!' اہل شام کا دعوی کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اہل عراق نے قتل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاتل کا تعین میں اختلاف ہے قاتل کی دینی حیثیت زیر بحث نہیں کہ جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کس نام سے اسے پکارا جائے؟

اور اس وقت میدان صفین میں تین گروہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ تیسرا گروہ "الفئتہ الباغیتہ" جو سبائی گروہ کے نام سے مشہور ہے یہ گروہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہے صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتیل ہو جاتے ہیں' قاتل کون ہے؟......اہل عراق کہتے ہیں اہل شام قاتل ہیں !اہل شام کہتے ہیں عراق والے قاتل ہیں!...... مستقبل میں پیش آنے والے اس اختلاف کا رسول اللہ علیہ وسلم نے پیشگی فیصلہ فرما دیا تا کہ قتل کا الزام کسی بے گناہ پر عائد نہ ہو لہٰذا فرمایا: عمار رضی اللہ عنہ کو "الفئة الباغيته" قتل کرے گی وہی فتنۃ باغیہ جس کا پہلا نشانہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنے لیکن اس وقت تک یہ نمایاں ہو کر سامنے نہیں آئی تھی اس کا دوسرا نشانہ خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بنے جب یہ جماعت طوفان کی سی طغیانی لے کر ابھری اس باغی جماعت کا تیسرا اور چوتھا نشانہ طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ بنے جب اس فتنہ باغیہ کے ابلیسانہ اقدام نے جمل میں خلیفۃ النبی ﷺ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اصلاحی کوششوں کو سبوتاژ

کیا اس گروہ کی ناپاک سازش کا پانچواں نشانہ حضرت ''ام المومنین ؓ تھیں جہاں اس شیطانی ٹولے کا ناپاک اقدام ناکامی سے ہمکنار ہوا' اس شیطانی گروہ کا چھٹا نشانہ عمار بن یاسر ؓ بنے اور ساتواں نشانہ خلیفۃ الرابع علی بن ابی طالب ؓ ہوئے آٹھواں اور نواں نشانہ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن عاص ؓ جہاں انہیں نامرادی کا زخم چاٹنا پڑا اس سے اگلا نشانہ سید المسلمین حضرت حسن ؓ بن علی ؓ تھے جن کی زبردست فراست مؤمنانہ نے ان کے لاتعداد ابلیسانہ منصوبے خاک میں ملا دیئے اس خبیث الفطرت گروہ کا آخری نشانہ جگر گوشہ بنت رسول ﷺ حضرت حسین ؓ بن علی ؓ ہوئے جن کی صدیقانہ طبیعت ان منحوس الفطرت شیطانوں کی فرشتہ صورتی پر بھول گئی ان کے دجل وفریب کے آنسوؤں کو جن کی خوئے کریمانہ نے خواستگار رحم وکرم کے آنسو سمجھ لیا' ان پر رحم کھانے کو چلے اور ان بدبختوں کے دام تزویر کا شکار ہو گئے۔اس کے علاوہ اور کون کون سی ہستیاں ان کے ناوک شیطانی کا ہدف بنیں؟ یہ قصہ طولانی ہے باطنی فرقوں کی تاریخ نہایت خونچکاں ہے یہ شگوفے شاخ سبائیت ہی سے پھوٹے اور پھوٹتے ہی رہیں گے!

یہ ہے ''الفئۃ الباغیۃ'' جسے رسول اللہ ﷺ حضرت عمار بن یاسر ؓ کا قاتل قرار دے رہے ہیں اور یہ فتۃ باغیہ (باغی جماعت) کوئی غیر معروف گروہ نہیں تھا کہ جس کا تعارف کرانا پڑتا خصوصاً سانحہ شہادت خلیفۃ النبی ﷺ نے اس گروہ کو اس قدر متعارف کرادیا تھا کہ اب یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی کہے ''یہ کام شیطان نے کیا ہے'' تو اس پر یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ شیطان کون ہے؟ کیونکہ شیطان وہ معروف شخصیت جسے ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے' اور جب حضرت عمار ؓ قتل ہوئے تو اس وقت فئہ باغیہ بھی شیطان سے کچھ کم معروف نہیں تھی ان کی شرارت، فساد انگیزی اور فتنہ پردازی نے امت کے فرد فرد کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا' حضرت علی ؓ کے خطبوں میں ان کے کرتوتوں کا ذکر ہے حضرت ام المؤمنین اور طلحہ ؓ وزبیر ؓ کے خطابوں میں خطوط میں ان کی شرارتوں' خباثتوں نجاستوں کا ذکر ہے ان کی فتنہ سامانیوں اور شیطان نوازیوں کا ذکر ہے قتل وغارت گری تو ویسے ہی ان کا شیوہ تھا لیکن یہ ایک خاص قتل یعنی حضرت عمار ؓ کا قتل ایک ایسا قتل تھا کہ اہل شام کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے اس قتل کے انہی کے ذمہ پڑ جانے کے اسباب ودواعی ظاہر اور قرین قیاس تھے اور یہی واقعۃً بھی ہوا حالانکہ اس قتل کا مکروہ اقدام بھی اسی ''الفئۃ

الباغیۃ'' کا کرتوت تھا جس نے ان کرتوتوں کی خاطر ہی جنم لیا تھا گویا حدیث نبوی ﷺ اس حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل وہ نہیں ہوں گے جن کی طرف اسباب ظاہری کی وجہ سے قتل منسوب ہو جائیگا بلکہ عمار کے قاتل بھی وہی ''الفئۃ الباغیۃ'' ہوگی جس کا خمیر فساد ہی سے وجود پذیر ہوا ہے یہ اندیشہ صاف نظر آ رہا ہے کہ جن کی طرف ظاہر سبب کی بناء پر قتل منسوب ہوگا انہی کا نام قتل کے حوالے سے الفئۃ الباغیۃ رکھ دیا جائے گا' اور شاید اسی لئے الفئۃ الباغیۃ کی صفات حدیث شریف میں بیان کر دی گئیں تا کہ جہنم والوں کے سوا کوئی اور لوگ الفئۃ الباغیۃ سے مراد نہ لیے جاسکیں۔

اس کے بعد چند ضمنی قسم کے سوالات رہ جاتے ہیں جن کا صاف کیا جانا ضروری ہے۔

① ''الفئۃ الباغیۃ'' دو گروہوں (گروہ علی رضی اللہ عنہ اور گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ) کے درمیان برآمد ہونے سے پہلے کہاں تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں؟

② اس کا وجود اس کے برآمد ہونے کے بعد ہوا یا اس سے پہلے بھی اس کی کوئی بنیاد ہے؟۔۔۔۔

③ قتل کیے جانے کے بعد اس گروہ کا خاتمہ ہو گیا یا وہ بعد تک موجود رہا...

④ ان میں وہ اصل گمراہی کیا ہے جس کی وجہ سے انہیں شر الخلق والخلقیۃ کہا گیا اور انہیں واجب القتل قرار دیا گیا؟

سوال نمبر ۱ ''الفئۃ الباغیۃ'' برآمد ہونے سے پہلے کہاں تھے؟...

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے

''وہ فرماتے ہیں ہم صفین میں تھے جب اہل شام پر جنگ کا دباؤ بڑھا تو انہوں نے ٹیلے پر پناہ لی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے آپ حضرت علی کے پاس قرآن مجید بھیج دیں اور انہیں کتاب اللہ پر فیصلہ کی دعوت دیں وہ یقیناً رد نہیں فرمائیں گے' چنانچہ حضرت معاویہ کی طرف سے ایک شخص قرآن مجید لے کر حضرت علی کی خدمت میں آیا اور کہا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی یہ اللہ کی کتاب ہے حضرت علی نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا ٹھیک ہے میں تو

تم سے بھی زیادہ اس بات کا حق دار ہوں کہ اپنے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ کو فیصل تسلیم کروں اتنے میں وہاں خوارج آ گئے اور ان دنوں ہم ان کو قاری کہہ کر پکارتے تھے' تلواریں کاندھے پر تھیں کہنے لگے اے امیر المومنین! یہ لوگ ٹیلے پر جمع ہیں کس چیز کے منتظر ہیں کیا ہم اپنی تلواریں لئے ان کے مقابلہ میں نہ چلائیں؟ تاکہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے! حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے لوگو! اپنے آپ کو الزام دو خود رائی میں نہ آؤ پھر انہیں حدیبیہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے صبر و تحمل کا پورا واقعہ سنایا"...... (البدایہ ۷/۲۷۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ قاری حضرات صفین میں مصالحت سے متفق نہ تھے حتی کہ جب صلح نامہ لکھا گیا اور حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ صلح نامہ سنانے کے لئے لوگوں میں گئے تو عروہ بن جریر نامی ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا تم اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم (ثالث) بناتے ہو؟ اور اشعث کی سواری پر پیچھے سے تلوار کا وار کیا اور کہا "لا حکم الا اللہ "اس شخص سے یہ کلمہ قاریوں کی جماعت نے لے لیا اور "لا حکم الا اللہ" کو اپنا نعرہ بنا لیا اور جب آپ کوفہ واپس آ رہے تھے تو تقریباً بارہ ہزار کی تعداد میں خارجی آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے اور یہ وہی لوگ تھے جنہیں حدیث میں "مارقۃ" دین سے نکل جانے والے کہا گیا ہے۔

(البدایہ ۷/۲۷۸)

ان خارجیوں میں آٹھ ہزار قاری حضرات کی تعداد تھی باقی وہ تھے جو ان کے ہم خیال تھے۔ (البدایہ ۷/۲۸۰)

اب یہ بڑے بے باک ہو گئے تھے حضرت علی کی برملا تکفیر کرتے تھے زرعہ بن برج طائی اور حرقوص بن زہیر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے "لا حکم الا اللہ" اور حرقوص کہنے لگا اے علی اپنے گناہ سے توبہ کر' حضرت علی جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ جماعت کی جماعت کھڑے ہو کر نعرے لگانے لگے "لا حکم الا اللہ"۔ (البدایہ ۷/۲۸۴)

ان روایات سے حسب ذیل مسائل واضح ہوتے ہیں:

① "الفئۃ الباغۃ" پہلے حضرت علی کی جماعت میں شامل تھے وہاں سے "لا حکم الا اللہ" کا نعرہ لے کر خارج ہوئے۔

② حرقوص بن زہیر ایک سبائی لیڈر ہے جو ان خارجیوں کا بھی سرغنہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ سبائی تحریک ہی کا تسلسل ہے۔

③ یہ لوگ صفین میں جنگ روک دینے کے حامی نہ تھے چنانچہ مشہور سبائی لیڈر اشتر نخعی اس بارے میں نہایت متشدد تھا۔

④ ان کی قیادت بھی سبائیوں ہی کے پاس تھی حرقوص بن زہیر سبائی بصرہ کا رہنے والا تھا اس نے بصرے کے قاریوں کو متاثر کر کے اپنے ساتھ ملا لیا اشتر نخعی کوفہ کا تھا اس لئے کوفے کے بعض قاری بھی سبائیوں کے زیر اثر ان میں شامل ہو گئے تھے۔

⑤ ''الفئۃ الباغیہ'' کا ''مارقہ'' کے علاوہ ایک اور نام ''خوارج'' معروف ہوا اور بعد میں یہی نام مشہور ہوا۔

سوال نمبر ۲ انکا وجود کب سے ہے......؟

حضرت علی فرماتے ہیں:

''لقد علمت عائشۃؓ بنت ابی بکرؓ ان جیش المروۃ والنمروان ملعونون علی لسان محمد ﷺ''

(کنز العمال ۲۸۹/۱۱)

''عائشہ بنت ابی بکر ؓ جانتی ہیں کہ مروہ اور نہروان کے لشکروں پر محمد ﷺ کی زبان سے لعنت کی گئی ہے''۔

لشکر مروہ سے قاتلین عثمان اور لشکر نہروان سے مراد خارجی ہیں گویا دونوں ایک ہی تسلسل کے حصے ہیں!...... جب آپ ﷺ جعرانہ میں ہوازن کے غنائم تقسیم فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے سرداران نجد کو تالیف قلب کے طور پر بہت سے عطیات دیئے جس پر انصار اور قریش نے محسوس کیا اور عرض کیا کہ آپ نجد کے سرداروں کو بھاری عطیات دے رہے ہیں اور ہمیں نظر انداز کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کی تالیف قلب (دلجوئی) مطلوب ہے وہ سمجھ گئے اور خاموش ہو گئے لیکن بنو تمیم کا ایک شخص کہنے لگا اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈر اور انصاف کر!

آپ نے فرمایا: میں ہی اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو پھر کون اس کی فرمانبرداری کرے گا؟ وہ اہل زمین کے بارے میں مجھ پر اعتماد کرتا ہے اور تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے؟

حضرت خالد نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس منافق کی گردن نہ اُڑادوں؟ آپ نے منع فرمادیا اور جب وہ چلا گیا تو فرمایا اس کی روش کے کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن گلے سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ اسلام سے پار نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے پار نکل جائے۔" (البدایہ ۷/۲۹۹ طبع لاہور)

صاحب البدایہ کہتے ہیں یہ شخص ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ "الفئۃ الباغیۃ" کا پہلا ممبر یا کہئے کنوینر ذوالخویصرہ تمیمی ہے۔

سوال نمبر ۳ :نہروان میں خارجیوں کے قتل کئے جانے کے بعد کیا "الفئۃ الباغیۃ" کا خاتمہ ہو گیا؟......

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مسند احمد حدیث نقل کی ہے:

"قال عبداللہ بن عمرو بن العاص سمعت رسول اللہ ﷺ سیخرج ناس من امتی قبل المشرق یقرئون القرأن لایجاوز تراقیھم کلما خرج قرن قطع حتی عدھا زیادۃ علیٰ عشر مرات کلما خرج قرن قطع حتیٰ یخرج الدجال فی بقیمتھم" (البدایہ ۷/۳۰۲ طبع لاہور)

"حضرت عبداللہ بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرق کی جانب سے نکلیں گے قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا جب بھی کوئی سر اٹھے گا کاٹ دیا جائے گا حتی کہ دس سے زیادہ بار یہی فرمایا کہ جب بھی کوئی سر اٹھے گا سر کاٹ دیا جائے گا حتی کہ دجال ان کی باقیات میں نکلے گا۔"

" عن ابی برزۃ لا یزالون یخرجون حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال فاذا رأیتموھم فاقتلوھم ثلاثا ھم شرالخلق والخلیقۃ یقولھا ثلاثا." (کنزالعمال ۱۱/۳۰۶)

''ابو برزہ کہتے ہیں وہ ہمیشہ ہی نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کا آخری آدمی مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا جب انہیں تم دیکھو تو انہیں قتل کر ڈالو یہ تین دفعہ فرمایا وہ بدترین مخلوق اور بدترین اخلاق والے ہیں''۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ''الفئۃ الباغیۃ'' ''مارقہ'' ''سبائیہ'' ''خوارج'' حضرت علی کے نہروان میں قتل کر دینے سے ختم نہیں ہو گئے بلکہ مستقبل میں بھی خروج دجال تک نئے ایڈیشنوں میں نئے نئے روپ لے کر دلفریب ناموں، نعروں اور دعووں کے ساتھ یہ سبائی گروہ ہمیشہ ابھرتے رہیں گے اور امت مسلمہ کے لئے دردِ سر بنتے رہیں گے۔

سوال نمبر ۴: ان میں وہ اصل گمراہی کیا ہے جس کی وجہ سے انہیں شر الخلق والخلیقۃ (بدترین مخلوق اور بدترین اخلاق والے) قرار دیا گیا ہے اور انہیں واجب القتل قرار دیا گیا ہے؟......

ذوالخویصرہ تمیمی اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے لے کر ماضی کے مختلف ادوار میں ان کے مختلف گروہوں اور تحریکوں کی روش کا جب مطالعہ کریں گے تو ان کے نعروں، دعووں اور نظریہ و عمل میں تضاد و اختلاف کے باوجود آپ ان میں ایک قدر مشترک پائیں گے وہ یہ ہے کہ اپنی کم علمی کو کمال علم اور دین میں اپنی کج فہمی کو کمال دین اور حقیقت تقوے سے بے خبری کو کمال تقوی سمجھنے کے زعم میں مبتلا ہونا اور اپنے زعم ہمہ دانی میں معمولی فروعی مسائل کو ضروریات دین کا درجہ دے کر امت کو اختلاف و انتشار کی دلدل میں دھکیلنا اور اکابر دین اور اسلاف امت پر اعتراض اور طعن کی زبان کھولنا جس کے بعد ان کے لئے ایمان و تقویٰ کا ایک سراب ابھر کر سامنے آجاتا ہے جس کے لق و دق صحراء میں وہ بگٹٹ دوڑتے ہیں اس سراب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ موت تک ان کی امیدیں ٹوٹنے نہیں دیتا۔

نیزوں پر قرآن اٹھائے جانے کا افسانہ

جمعہ کے روز صبح ہوگئی ابھی جنگ جاری تھی صبح کی نماز حالت جنگ میں اشارے ہی سے ادا کی گئی دن چڑھ آیا اور اہل عراق کو اہل شام پر غلبہ حاصل ہوگیا وہ اس طرح کہ میمنہ کی کمان اشتر نخعی کے ہاتھ میں تھی اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اہل شام پر بھرپور حملہ کیا حضرت علی نے بھی اس کی پیروی کی چنانچہ ان کی اکثر صفیں ٹوٹ گئیں قریب تھا کہ شکست کھا کر بھاگیں عین اس وقت اہل شام نے نیزوں پر قرآن اٹھالئے اور کہنے لگے یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے لوگ برباد ہوگئے کون رہ گیا سرحدوں کی حفاظت کے لئے کون رہ گیا مشرکین و کفار سے جنگ کرنے کے لئے؟! (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۲) طبع لاہور

جب نیزوں پر قرآن اٹھائے گئے تو اہل عراق کہنے لگے ہم کتاب اللہ کو قبول کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں حضرت علی کہنے لگے اللہ کے بندو! اپنے حق کی خاطر اور اپنی سچائی کے لئے ثابت قدم رہو اور اپنے دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھو! معاویہ ؓ، عمرو بن عاص، ولید بن عقبہ، حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس یہ دین والے لوگ نہیں ہیں اور نہ قرآن سے ان کا کوئی تعلق ہے میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں میرا بچپن ان کے ساتھ گزرا ہے میری جوانی ان کے ساتھ گزری ہے جب بچے تھے تو بدترین بچے تھے جب مرد بنے تو بدترین مرد تھے، ارے کمبختو! اللہ کی قسم! یہ قرآن انہوں نے اس لئے نہیں اٹھائے کہ وہ انہیں پڑھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں بلکہ یہ انہوں نے محض دھوکا دینے کے لئے سازش کرنے کے لئے اور مکروفریب کے لئے اٹھائے ہیں خارجی کہنے لگے کہ یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم انکار کردیں حضرت علی کہنے لگے میں بھی تو ان سے اسی لئے جنگ کررہا ہوں کہ وہ کتاب اللہ کا حکم مان لیں لیکن انہوں نے تو اس حکم کی نافرمانی کی ہے جو اللہ نے انہیں دیا ہے اور انہوں نے اللہ کے عہد کو چھوڑ دیا ہے اور اس کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے! معسر بن فدکی تمیمی اور زید بن حصین طائی کہنے لگے اور قاریوں کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی اے علی! جب تجھے کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جارہی ہے تو اسے قبول کرو ورنہ ہم

تجھے اٹھا کر ان لوگوں کے حوالے کر دیں گے اور یا تیرا بھی وہی حشر کریں گے جو عثمان بن عفان کا کیا ہے وہ بھی کتاب اللہ پر عمل کرنے سے انکاری تھا تو ہم نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ کی قسم تو یا تو مانے گا ورنہ تیرے ساتھ بھی وہی کریں گے۔ حضرت علی نے کہا میرا تمہیں جنگ بند کرنے سے روکنا یہ بھی یاد رکھ لو اور تمہارا مجھے جواب دینا بھی یاد رکھ لو! اگر میری مانو تو میں پھر یہی کہوں گا کہ جنگ جاری رکھو اور اگر میری نہیں مانتے تو پھر جو جی میں آئے کرو۔ وہ کہنے لگے کہ آپ اشتر کو پیغام بھیجیں کہ وہ جنگ روک دے اور آپ کے پاس چلا آئے''۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۲)

حضرت علی نے اشتر کو پیغام بھیجا لیکن اس نے جنگ بند نہیں کی وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لہٰذا اس نے قتل کا بازار گرم کر دیا جس سے ایک دم شور اٹھا جس کے بعد حضرت علی نے سخت حکم بھیجا اور زبردستی جنگ رکوائی۔'' (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۳)

''اہل عراق کی اکثریت اور اہل شام تمام تر مصالحت کے خواہاں تھے تاکہ کسی ایسے معاملہ پر اتفاق ہو جائے جس میں مسلمانوں کی جانوں کا تحفظ حاصل ہو سکے۔''

(البدایہ ج ۷، ص ۲۷۴) طبع لاہور

ثمرہ بحث

حکایت سازوں کی مذکورہ روایات سے حسب ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اہل شام اشتر نخعی کے زبردست حملہ کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا گئے۔

۲۔ اہل شام کو جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ سوجھی تو انہوں نے نیزوں پر قرآن اٹھا لئے تاکہ جان بچانے کی سبیل پیدا کی جائے۔

۳۔ اہل شام کو جب جان کے لالے پڑے تو سرحدوں کی حفاظت کی دہائی دینے لگے۔

۴۔ اہل شام کو شاید عراقی لشکر کی قوت و شوکت کا اندازہ نہیں تھا جب مقابلہ شروع ہوا تو جان بچانا دشوار ہو گیا۔

۵۔ اہل شام پر حضرت علی نے بھی اشتر نخعی کی پیروی میں سخت ترین حملہ کیا۔

۶۔ حضرت علی جنگ روک دینے کے سخت مخالف ہیں اور جنگ جاری رکھنے کے علاوہ آپ کوئی بات ماننے پر آمادہ نہیں ہیں۔

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زبردستی جنگ رکوائی جاتی ہے اور وہ بادل نخواستہ جنگ روک دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل شام میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان ماننے سے انکاری ہیں گویا وہ کافر اور منافق ہیں۔

۹۔ حضرت علی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافق ہونے پر قسم کھا رہے ہیں۔

۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جنگ کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دے رہے ہیں۔

۱۱۔ اہل عراق نے قرآن دیکھتے ہی ہاتھ روک لئے سیدھے سادھے بھولے بھالے مومن تھے قرآن کے آگے جھک گئے۔

۱۲۔ خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ ماننے کی صورت میں قتل کی دھمکی دیتے ہیں اس کے باوجود حضرت علی جنگ جاری رکھنے کے لئے ان کی حمایت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں گویا یہ حضرت علی کے بہت ہی قابل اعتماد خیر خواہ اور نہایت باوقار ساتھی ہیں۔

۱۳۔ اشتر نخعی سے زبردستی جنگ رکوائی گئی وہ آخر وقت تک کسی حالت میں جنگ روک دینے پر آمادہ نہیں ہوا۔

۱۴۔ اہل شام سب کے سب مصالحت کے خواہاں ہیں اور اہل عراق کی اکثریت مصالحت کی خواہاں ہے۔

ان امور میں آخری بات کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ حقیقت کی صحیح عکاسی ہے کہ اہل ایمان شام کے ہوں یا عراق کے ان میں سے کوئی بھی جنگ بہر حال نہیں چاہتا تھا البتہ اہل عراق میں سبائی گروہ وہ صرف جنگ ہی کا خواہاں تھا اور جنگ کے لئے پوری مستعدی اور احساس مندی سے کوشاں تھا خاص طور پر ان میں اشتر نخعی شرارت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ رہے وہ امور جو حضرت علی سے متعلق ہیں؟ یعنی نمبر۵، نمبر۶، نمبر۷، نمبر۸، نمبر۹، نمبر۱۰ تو وہ سب سبائی جھوٹ اور مکر و فریب کی کارفرمائی ہے اور حضرت علی پر نہایت ہی بھونڈے قسم کا جھوٹا بہتان ہے اگر ان باتوں کو حضرت علی کے بارے میں (العیاذ باللہ) سچا مان لیا جائے تو پھر کہنا

پڑے گا کہ حضرت علی ؓ حدیث کی صریح نصوص کے منکر تھے العیاذ باللہ! اور یہ بات ہم پہلے پوری تفصیل اور قطعی دلائل سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی کسی حال میں بھی جنگ کے حامی نہ تھے بلکہ حضرت علی مصالحت کنندگان کے ہمنوا ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی خود مصالحت کے داعی ہیں اور خارجی جنگ جاری رکھنے پر مصر ہیں لیکن جب ان کی بات نہیں چلی تو وہ ''لا الحکم الا اللہ!'' کہہ کر حضرت علی کی جماعت سے ہی نکل گئے۔ رہی یہ بات کہ اہل شام نے ایسی شکست کھائی کہ نیزوں پر قرآن اٹھائے بغیر جان بچانے کی بھی کوئی سبیل باقی نہ رہ گئی اس افسانے کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہمیں شام وعراق کے لشکروں کی ہیئت کذائی ان کی شجاعت اوران کی جرأت اقدام کا جائزہ لینا ہوگا تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ واقعی شامی لشکر اتنا کمزور اور بزدل تھا کہ بھاگنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتا!......اور واقعی عراقی لشکر اتنا منظم متحد جری بہادر اور مضبوط تھا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ شامی لشکر کے قدم نہیں جمنے دیئے بلکہ بھاگنے کے راستے بھی مسدود کر دیئے لہٰذا انہوں نے نیزوں پر قرآن اٹھا کر جان بچانے کی راہ نکالی!

آیئے! عراقی شیروں کے اس بے مثال لشکر کے حالات وکوائف حکایت سازوں ہی کی زبانی سنتے ہیں:

تذکرہ عراقی بہادروں کا:

کہتے ہیں کہ:

''جب حضرت امیر معاویہ کے معاملہ کو غالبیت حاصل ہوئی تو حضرت علی نے ایک شخص کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ دمشق جائے اور اپنی سواری مسجد کے دروازے کے ساتھ باندھ کر بہیئت مسافر مسجد میں چلا جائے اور وہاں جو کچھ کہنا کرنا تھا وہ سمجھا دیا، اہل دمشق نے اس سے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا عراق سے، انہوں نے کہا پیچھے کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ علی نے تمہارے لئے لشکر جمع کیا ہے اور اہل عراق کو لے کر آ رہے ہیں حضرت معاویہ کو پتہ چلا تو انہوں نے ابوبکر الاعور سلمی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ ابوالاعور نے واپسی پر خبر کی تصدیق کی، نماز کے لئے اذان دی گئی اور مسجد لوگوں سے بھر گئی تو حضرت معاویہ منبر پر چڑھے حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ علی اہل عراق کی فوج لئے تمہاری طرف چلے آ رہے ہیں للہذا بتاؤ کیا رائے ہے؟ ہر شخص کی

ٹھوڑی سینے پر تھی کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا بالآخر ذوالکلاع حمیری اٹھے اور کہنے لگے رائے آپ کے ذمہ ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا حضرت معاویہ منبر سے اتر آئے اور لوگوں میں منادی کرادی گئی کہ اپنے معسکر کی طرف چلو تین دن بعد اگر کوئی پیچھے رہا تو اس نے خود کو سزا کا مستحق بنالیا۔ حضرت علی کے قاصد نے یہ صورت حال حضرت علی کو کہہ سنائی چنانچہ حضرت علی نے حکم دیا نماز کے لئے اذان کہی گئی لوگ جمع ہوئے آپ منبر پر چڑھے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

میں نے جو قاصد شام کی طرف بھیجا تھا وہ واپس آگیا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ معاویہ اہل شام کا لشکر لئے تمہاری طرف آرہا ہے لہٰذا کیا رائے ہے؟ حضرت علی کا اتنا کہنا تھا کہ مسجد میں ایک ہنگامہ کی سی صورت پیدا ہوگئی لوگ کہہ رہے تھے امیر المومنین ایسا کرنا چاہئے! امیر المومنین ایسے نہیں ایسے کرنا چاہئے! بولنے والے اتنے تھے کہ حضرت علی کو کسی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی لہٰذا حضرت علی ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہتے ہوئے منبر سے اتر آئے اور کہہ رہے تھے کہ جگر خور کا بیٹا یعنی معاویہ بازی لے گیا۔''

(التاریخ للذھبی ج ۱۱ ص ۵۴۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی لشکر میں نظم وضبط اور ہم آہنگی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے منتشر قسم کے افراد کی بھیڑ کا نام لشکر ہے ایسا لشکر میدان جنگ میں اس لشکر پر غالب کیسے آسکتا ہے؟ جس کا نظم وضبط مثالی نظم وضبط ہے اور جس کی اطاعت امیر مثالی اطاعت ہے! جہاں ایک فرد کی آواز پورے لشکر کی آواز ہے! لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہر کوفہ ہمیشہ اہل علم وفضل اور ارباب فکر ودانش کے حوالے سے مشہور ہے لہٰذا جب رائے پوچھی جائے گی تو ارباب فکر ودانش کا اظہار رائے کرنا ایک فطری بات ہے اور ان کا فرض بھی ہے کہ وہ صحیح مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیں اس لئے کثیر تعداد میں لوگوں کے اظہار رائے کو بدنظمی اور انتشار سے تعبیر کرنا صحیح نہیں یہ انتشار دانشورانہ اظہار رائے تک تھا جس کا جنگی کاروائی سے کوئی تعلق نہیں جنگ میں کامیابی موقوف ہے اطاعت امیر اور شجاعت و جرأت اقدام پر جس میں عراقی لشکر کے بے مثال ہونے میں کلام نہیں!......

لہٰذا آیئے! عراقی لشکر کو میدان جنگ میں دیکھیں جہاں وہ شجاعت ومردانگی کی اچھوتی

مثالیں قائم کررہا ہے: عراقی لشکر دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔'' کہتے ہیں کہ ایک روز کسی نے ایک تیر پر حضرت معاویہ کی طرف سے یہ تحریر لکھی: اللہ کے خیر خواہ بندے کی طرف سے، اے اہل عراق! معاویہ چاہتے ہیں تم پر دریائے فرات توڑ دیں تا کہ تمہیں ڈبو دیں لہذا تم اپنا بچاؤ کرلو! تیر پر یہ لکھ کر وہ تیر اہل عراق کے لشکر میں پھینک دیا لوگوں نے وہ تیر لیکر پڑھا اور بات چل نکلی۔ حضرت علی سے ذکر کیا کہ وہ دریا توڑنے لگے ہیں حضرت علی نے فرمایا ایسا ہونا ممکن نہیں ہے دریا بھی کبھی ٹوٹا کرتے ہیں؟ لیکن یہ بات پھیلتی چلی گئی ادھر معاویہ نے دو سو آدمی بھیج دیئے جنہوں نے دریا کا ساحل کھودنا شروع کر دیا جب لوگوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور گھبرائے ہوئے حضرت علی کے پاس پہنچے۔ حضرت علی نے کہا تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ وہ تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں تا کہ موجودہ جگہ سے ہٹا دیں اور اس جگہ پر خود قابض ہو جائیں کیونکہ یہ جگہ جنگی نقطہ نظر سے اس جگہ کی نسبت بہتر ہے جس جگہ وہ بیٹھے ہیں لیکن عراقی کہنے لگے کہ ہم تو کسی صورت یہاں نہیں ٹھہریں گے اور اس جگہ کو ہم ہر حال میں خالی کریں گے چنانچہ سب وہاں سے چل دیئے حضرت علی سب سے آخر میں جب اکیلے رہ گئے تو وہ بھی چلے آئے''۔

(البدایہ ج ۷، ص ۲۵۹)

یہ روایت عراقی لشکر کی شجاعت و مردانگی، دانش و بینش اور اطاعت امیر کی بہترین مثال ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ قصہ خوانوں کا کہنا ہے کہ اگلے دن اچانک عراقی لشکر کو بہادری کا دورہ پڑا اور انہوں نے اہل شام کو شکست دے کر پانی پر قبضہ کرلیا......

اور آیئے ذرا میدان جنگ کا منظر بھی دیکھیں......

اہل عراق میدان جنگ میں

''حبیب بن مسلمہ نے اپنے بہادر ساتھیوں کے ساتھ عراقی لشکر کے میمنہ پر حملہ کر دیا اور انہیں انکی جگہ سے پسپا کر دیا جس کے بعد وہ اپنے امیر کو تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے امیر کے ساتھ صرف تین سو کے قریب افراد رہ گئے باقی سب اہل عراق بھاگ گئے حضرت علی کے ساتھ ان قبائل میں سے اہل مکہ کے سوا کوئی باقی نہ رہا...... پھر حضرت علی نے اشتر نخعی کو حکم دیا کہ وہ جائے اور شکست خوردہ لوگوں کو پیچھے سے جا ملے اور انہیں واپس لے کے آئے چنانچہ اشتر انہیں جا ملا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا شرم دلانے لگا اور قبیلوں اور ان کے بہادروں کو ترغیب دے دے کر آمادہ کرنے لگا حتی کہ ایک گروہ اس کے ساتھ ہولیا اور باقی اپنی شکست پر پکے رہے وہ اسی طرح کوشش میں لگا رہا حتی کہ جو شکست کھا کر بھاگے تھے ان کی ایک بڑی تعداد کو جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا...... پھر اشتر نخعی نے شکست کھا کر بھاگے ہوؤں کو ساتھ لے کر اہل شام کے فاتح لشکر پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ اہل شام (شکست کھا کر بھاگے ہوئے ان بہادروں) کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔'' (البدایہ ج ۷، ص ۲۶۴)

کہتے ہیں ان شکست خوردہ بہادروں کا یہ حملہ اتنا زبردست اور بے مثال تھا کہ اہل شام کے لشکر کو جان بچانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور نہ بھاگ جانے کا کوئی رستہ تھا بھلا ہو عمرو بن عاص کا کہ اس کے عیار ذہن کو (العیاذ باللہ) بروقت یہ تجویز سوجھی کہ نیزوں پر قرآن اٹھا کر جان بچانے کی تدبیر کی جائے !...... ہم تو اس پر اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ تاریخ کے اس عجوبے کو لوگوں نے دنیا کے بڑے عجوبوں میں شامل کیوں نہیں کیا؟!...... لیکن اس پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے دراصل پہلی بار بہادروں کو بہتر قیادت میسر نہیں آئی تھی جس کی بناء پر ان کے قدم اکھڑ گئے دوسرے روز جب اشتر نخعی انہیں گھیر گھار کے لے آیا تو اس کی بے مثال اور ماہرانہ کمان میں عراقی بہادروں نے اپنی حقیقی شجاعت کے جوہر دکھائے جس سے شامی لشکر کو اپنی اوقات یاد آ گئی!

گویا اس کا مطلب یہ ہے شکست کا یہ ناخوشگوار واقعہ عراقی سورماؤں کی زندگی کا محض ایک اتفاقی حادثہ ہے جسے ان کی سیرت کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا ہمیں ان کی شجاعت و

بہادری کا اندازہ کرنے کے لئے صفین کو چھوڑ کر دیگر معرکہ ہائے جنگ کا مطالعہ کرنا ہوگا!

لہٰذا آیئے! ان کے کسی دوسرے معرکے کا مطالعہ کریں......

''حضرت علی جب خارجیوں سے نمٹ چکے تو اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا احسان فرمایا ہے اور اپنی نصرت سے تمہیں نوازا ہے لہٰذا فوراً اپنے دشمن کا رخ کرو! کہنے لگے امیر المومنین ہمارے تیر ختم ہو چکے تلواریں کند ہو گئیں نیزوں کی انیاں ٹوٹ گئیں لہٰذا ایک بار واپس اپنے شہر چلیں اور تیاری کر کے تازہ دم ہو کر آئیں گے اور اس طرح شاید آپ ہماری تعداد میں بھی بہت اضافہ کرلیں گے جو آپ کے لئے تقویت کا باعث ہوگا چنانچہ آپ واپس آئے اور مقام نخیلہ میں قیام پذیر ہوئے اور حکم دیا کہ ہر شخص لشکر میں پابند رہے اور اپنے آپ کو سب لوگ جہاد کے لئے آمادہ کریں اور عورتوں بچوں سے میل ملاپ بہت کم کریں یہیں سے دشمن کی طرف کوچ کرنا ہے چند دن تک وہ اس حکم پر قائم رہے لیکن پھر کھسکنا شروع کر دیا حتیٰ کہ چند افراد کے سوا سب شہر میں جا گھسے اور معسکر خالی پڑا رہ گیا جب آپ نے یہ حال دیکھا تو آپ خود بھی کوفہ میں تشریف لے آئے اور جنگ کے لئے نکلنے کی رائے ناکامی کا شکار ہو کر رہ گئی آپ نے شہر میں آ کر لوگوں کو پھر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے کئی روز تک آپ نے دیکھا کہ شاید انہیں کچھ احساس ہو جائے حتیٰ کہ آپ مایوس ہو گئے تو آپ نے ان کے سرکردہ افراد کو بلایا اور ان سے رائے لی کہ کیا چیز ہے جو لوگوں میں بددلی پیدا کر رہی ہے لیکن یہاں خود ان لیڈروں کا یہ حال ہے کہ بعض نے عذر بہانے کر کے ٹال دیا اور بعض نے بامر مجبوری بادل ناخواستہ حامی بھر لی اور ایک آدھ ایسے بھی تھے جو خوشدلی سے آمادہ ہوئے آپ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کھڑے ہو کر ایک مؤثر تقریر فرمائی: اے اللہ کے بندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ نکلو تم زمین پر بھاری ہوئے جاتے ہو! کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ اور عزت کی جگہ پر تم نے ذلت ورسوائی کو قبول کرلیا ہے؟ جب بھی میں نے تمہیں جہاد کے لئے پکارا تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگیں جیسے

موت کی بے ہوشی طاری ہو گئی ہو گویا تمہارے دل حواس باختہ ہیں اور تم ہوش و خرد کھو چکے ہو! گویا تمہاری آنکھیں بینائی سے محروم ہیں اور تمہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا' اللہ کی قسم تم! تم جنگل کے شیر ہو لیکن حالت امن میں اور جب تمہیں جنگ کے لئے پکارا جائے تو تم مکار لومڑی ہو! تم کبھی میرے لئے قابل اعتماد نہیں ہو سکتے' تم ایسا کارواں نہیں جس کے بل بوتے پر حملہ کیا جا سکے بدترین سامان جنگ تم ہو! تم تدبیر کے چنگل میں پھنستے ہو خود تدبیر نہیں کر سکتے تمہارے اعضاء کاٹے جاتے رہیں تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے لوگ تم سے غافل نہیں ہوتے اور تم غفلت میں مست ہو"۔

(الکامل ابن اثیر ج ۳' ص ۳۴۹' طبری ج' ص ۶۷)

اور سنئے!

جب اہل مصر نے محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کے دفاع کی فکر کی اور اہل عراق سے کہا:

"مصر شام کی نسبت زیادہ اہم ہے اس میں ہر اعتبار سے خیر و برکت ہے لہٰذا مصر تمہارے ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے اور مصر کا تمہارے قبضہ میں ہونا تمہاری عزت اور دشمن کی ناکامی ہے لہٰذا تم لوگ حیرہ اور کوفہ کے درمیان مقام جرعہ میں جمع ہو جاؤ اور تم سب لوگ مجھے وہیں ملو۔ انشاء اللہ!

چنانچہ اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ حسب پروگرام گھر سے نکلے اور سویرے ہی سویرے مقام جرعہ میں پہنچ گئے اور دوپہر تک اکیلے وہیں تشریف فرما رہے دوسرا کوئی ایک آدمی بھی وہاں نہیں پہنچا آپ مایوس ہو کر واپس تشریف لے آئے شام ہوئی تو آپ نے معززین شہر کو بلوایا وہ آئے تو آپ نہایت غمگین اور رنجیدہ خاطر بیٹھے تھے فرمایا: اللہ کا شکر ہے اس کی تقدیر کے فیصلوں پر اور اس کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے ذریعہ مجھے آزمایا اور اے جیالوں کے وہ گروہ! جو مانتے ہی نہیں جب میں حکم دوں! اور بولتے ہی نہیں جب میں پکاروں! تمہاری خیر ہو! تم مصر کے دفاع کے لئے کس چیز کے منتظر ہو؟ اپنے حق کے لئے جہاد کرنے کی خاطر کس کا انتظار کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم اگر مجھے موت

آ جائے اور آخر ایک روز میری موت کو آنا ہے جو یقیناً میرے اور تمہارے درمیان جدائی کر دے گی اور میں تمہاری صحبت سے بیزار ہو چکا ہوں اور تمہارے ساتھ ہونے سے میری نفری میں اضافہ نہیں ہوتا'' اللہ کی قسم! میں تمہیں کیا کہوں؟ جب تم سنتے ہو کر دشمن تمہارے شہروں پر قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے تم پر حملہ آور ہے تو کیا تمہارا کوئی ایسا دین نہیں جو تمہیں جمع کر دے اور تمہاری کوئی ایسی غیرت نہیں جو تمہیں حمایت کے لئے آمادہ کر دے''۔ (طبری ج ۴' ص ۸۱' الکامل ۳۵۸)

معلوم ہوتا ہے کہ دفاع مصر کے لئے اہل عراق کو آمادہ کرنے کے لئے آپ ؓ نے انتہائی کوشش کی ہے اور غالباً وہ کوشش جس کا ذکر پہلی روایت میں ہے وہ بھی دفاع مصر ہی کے لئے تھی حتی کہ جب آپ کو اطلاع ملی کہ مصر پر مکمل قبضہ ہو گیا اور وہ ہاتھ سے نکل گیا تو آپ ؓ نے اہل عراق کے سامنے بڑی رقت انگیز تقریر فرمائی' فرمایا:

''اللہ کی قسم میں اپنے آپ کو کوتاہی پر ملامت نہیں کرتا اور میں ایک تجربہ کار جفاکش شخص کی حیثیت سے جنگ کی سختیاں جھیلنا جانتا ہوں میں اقدام کرنا جانتا ہوں حزم و احتیاط کے طریقوں سے واقف ہوں اور تمہیں علی الاعلان چیخ چیخ کر پکارتا رہا اور میری پکار ایک فریاد کنندہ کی پکار تھی جو لگی لپٹی رکھے بغیر صراحتہً پکار رہا ہو لیکن تم ہو کہ میری بات سنتے ہی نہیں تم میری بات مانتے ہی نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرا ہر معاملہ برے انجام سے ہمکنار ہوتا ہے اور تم وہ قوم ہو جن کے ذریعہ کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی تمہارے حوصلہ پر کمانوں کے وتر توڑ کے نہیں بیٹھا جا سکتا میں تقریباً دو ماہ سے تمہیں تمہارے بھائیوں کی مدد کے لئے پکار رہا ہوں اور تم جواب میں بڑی باچھوں والے اونٹ کی طرح گھگیا کے رہ جاتے ہو اور تم اس شخص کی طرح زمین پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے جس کی جہاد کرنے یا اجر کمانے کی نیت ہی نہ ہو' پھر تم میں سے ایک چھوٹا سا لشکر ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی نکل کر میرے پاس آتا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ گویا موت سامنے ہے اور انہیں موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے! افسوس ہے تم پر!!''

(طبری ج ۴' ص ۸۳' الکامل ج ۳' ص ۳۵۹)

لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی یہ پر اثر تقریریں تمام تر تگ و دو اور تمام بے قراری اور تڑپ نتیجہ خیز نہ ہو سکی اور ان کو اٹھانے میں بے سود ہی رہی جس سے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نام ایک دکھ بھرے خط میں اس دکھ کا اظہار فرمایا' فرماتے ہیں:

''میں نے آغاز ہی میں دوڑ دھوپ شروع کر دی تھی اور میں نے واقعہ پیش آنے سے پہلے انہیں مدد کے لئے پہنچنے کا حکم دیا تھا اور میں نے علانیہ اور پوشیدہ ہر طرح انہیں دعوت دی اور انہیں بار بار بلایا کچھ نے آنا گوارا کیا بھی تو بادل ناخواستہ بوجھل طبیعت کے ساتھ اور بعض وہ تھے جنہوں جھوٹے بہانے کئے اور بعض دھرنا مار کر بیٹھ گئے انہوں نے اٹھنا ہی گوارا نہ کیا! میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کسی طرح ان لوگوں سے میری جان چھڑا دے اور ان سے مجھے بہت جلد نجات دلا دے' ان سے راحت بخشے! اللہ کی قسم! اگر دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہادت پانا میری آرزو نہ ہوتی تو میں ایک دن کے لئے ان کے ساتھ رہنا گوارا نہ کرتا''۔ (طبری ج ۴' ص ۸۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''عراقیوں کی مستقل عادت یہ بن گئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں جو حکم بھی دیں گے وہ اس کی مخالفت کریں گے اور جس چیز سے انہیں روکیں گے اس کے خلاف ورزی کریں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کریں گے اور آپ کے احکام اقوال اور افعال سے دور رہیں گے یہ نتیجہ تھا ان کی کم عقلی' جہالت' بے وفائی اور اکھڑ مزاجی کا اور ان میں بدمعاشی اور بدتمیزی بہت زیادہ آ گئی تھی''۔ (البدایہ ج ۷' ص ۳۱۶)

کون سا علاقہ کس کے زیر کنٹرول ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے؟ اس بارے میں کوئی آخری حد بندی نہیں تھی جس کی وجہ سے بعض دفعہ تصادم تک کی نوبت آ جاتی

تھی اسی قسم کے ایک تصادم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو اٹھنے پر آمادہ کیا لیکن وہ حسب عادت نہ اٹھے جس پر آپ نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

"اے اہل کوفہ! جب تم سنتے ہو کہ اہل شام کا کوئی فوجی دستہ تم پر حملہ آور ہوا ہے تو تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے گھر میں گھس کر اندر سے کنڈی لگا لیتا ہے جس طرح گوہ اپنے بل میں اور بجو اپنے غار میں گھس جاتا ہے فریب خوردہ وہ شخص ہے جسے تم نے دھوکا دیا اور جس نے تمہیں پایا وہ ناکارہ ترین تیر پانے میں کامیاب ہوا اور جس نے تمہیں چھوڑا اس نے صحیح نشانے پر پڑنے والے تیر پائے! میری وہ کون سی آرزو ہے جو تم سے پوری ہو سکے اندھے ہو تم تمہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا گونگے ہو تم کچھ بول نہیں سکتے بہرے ہو تمہیں کچھ سنائی نہیں دے سکتا! انا للہ و انا الیہ راجعون!"

(الکامل ج ۳، ص ۳۷۴ / البدایہ ج ۷، ص ۳۱۹ / طبری ج ۴، ص ۳۰۱)

آپ رضی اللہ عنہ نے زندگی کا آخری جمعہ پڑھایا تو اس کا خطبہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا غالباً آخری خطبہ تھا اس خطبہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے یمن پر بسر بن ارطاۃ کے غلبہ کا ذکر فرمایا:

"مجھے بتایا گیا ہے کہ بسر بن ارطاۃ یمن پر غالب آ گیا ہے اور اللہ کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ یقیناً تم پر غالب آئیں گے اور ان کے غلبہ کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے امام کے نافرمان ہو اور وہ اپنے امام کے اطاعت شعار ہیں تم خیانت کار اور وہ امانت دار ہیں تم اپنی زمین میں فساد کرنے والے اور وہ اصلاح کرنے والے ہیں میں نے فلاں کو بھیجا اس نے خیانت کی غداری کی فلاں کو بھیجا اس نے بھی خیانت کی غداری کی اور مال معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا اگر میں تم میں سے کسی کے پاس پیالہ امانت رکھتا ہوں تو وہ اس پیالے کا دستہ اتار لے گا اے اللہ! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اے اللہ! انہیں مجھ سے راحت دے اور مجھے ان سے راحت دے! اس دعا کے بعد اگلا جمعہ نہیں پڑھنے پائے تھے کہ شہید کر دیئے گئے"۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۲۵)

غور فرمایئے! اہل عراق کا یہ لشکر جس کی نبرد آزمائی اور اطاعت شعاری کے کارنامے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ نے سماعت فرمائے جب اس لشکر کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ میدان صفین سے اپنے معمول کے مطابق شکست کھا کر جب بھاگ گیا تو اگلے روز کہتے ہیں کہ اشتر نخعی انہیں کسی طرح گھیر گھار کے میدان میں لے آیا میدان میں آتے ہی انہیں بہادری کا اچانک دورہ پڑا جو زندگی میں پھر دوبارہ کبھی نہیں پڑا اور نہ پہلے کبھی پڑا تھا جس سے وہ شامی لشکر پر ایسے غالب آئے کہ انہیں بھاگنے کا بھی حوصلہ نہ رہا اور انہوں نے نیزوں پر قرآن اٹھا کر جان بچانے کی صورت پیدا کی! آپ ہی بتائیں کہ میں اسے دنیا کے عجوبوں میں سے ساتواں عجوبہ نہ کہوں تو کیا کہوں؟!!

کہتے ہیں کہ طویل ترین جدوجہد اور سخت کدوکاوش کے بعد بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں چالیس ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جنہوں نے "بایعوا علیاً علی الموت" علی رضی اللہ عنہ سے موت پر بیعت کی تھی لیکن اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

کی میرے قتل کے بعد اس بت نے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

لیکن کہتے ہیں کہ یہ عظیم الشان لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رائیگاں نہیں گیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آرزوؤں اور کاوشوں کا یہ ثمرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھا "بایعوا علیاً علیٰ الموت" کا جذبہ لئے نئے ولولوں اور نئے عزائم کے ساتھ چالیس ہزار کا یہ لشکر جرار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جلو میں پورے جوش ایمانی کے ساتھ اطاعت شعاری کے جذبوں میں ڈوبا ہوا شام کی طرف رواں دواں ہے یہ لشکر ماضی کے سارے الزام دھو دے گا اور شجاعت و جوانمردی امانت و دیانت' وفاداری و اطاعت کی نئی مثالیں قائم کر کے دکھائے گا' آیئے! ہم بھی اس کے ایمان پرور کارناموں کی جھلک دیکھنے کی سعادت حاصل کریں!

"کہتے ہیں کہ جب اس اطاعت شعار لشکر کی کمان کرتے ہوئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن

پہنچے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں پڑاؤ ڈالا تو لشکر میں کسی نے بات اڑا دی کہ قیس رضی اللہ عنہ بن سعد رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے لہٰذا بھاگ جاؤ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیموں پر حملہ کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا تمام ساز و سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ وہ قالین جس پر آپ تشریف فرما تھے اس پر بھی چھینا جھپٹی ہو گئی حتیٰ کہ وہ قالین آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا لوگوں نے ہٹربونگ مچا دی وہ آپس میں ایک دوسرے کو لوٹ رہے تھے حتیٰ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا یہ صورت حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لئے انتہائی نفرت انگیز تھی آپ زخمی حالت میں مدائن کی قصر ابیض میں تشریف لے گئے'' (البدایہ ج ۸'ص ۱۴'ص ۱۲۲/ الکامل ج ۳'ص ۴۰۴)

''جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے معاملہ کی یہ ٹوٹ پھوٹ دیکھی تو اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کے لئے پیغام بھیج دیا'' (طبری ج ۴'ص ۱۲۲)

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا کہ:

''میرا جی چاہتا ہے کہ اہل عراق کے دس افراد دے کر ان کے بدلے اہل شام کا ایک لے لوں جیسے کہ ایک دینار کے عوض دس درہم دے دیئے جاتے ہیں'' (کنز العمال ج ۱۱'ص ۳۵۶)

ثمرہ بحث

① اہل شام کا لشکر اطاعت امیر میں بے مثال لشکر ہے۔

② اہل عراق کا لشکر غوغا آراؤں کے جم گھٹے کا نام ہے گویا تماش بینوں کا یہ کوئی مجمع ہے جنہیں شوق نظارگی نے اتفاقاً میدان میں جمع کر دیا ہے جن کا نہ کوئی مقصد ہے نہ کوئی پروگرام۔

③ شامی لشکر ایک سوچ ایک تدبیر ایک رخ ایک مقصد اور ایک آواز پر آگے بڑھنے والے ایسے بہادر افراد کی جماعت کا نام ہے جو ہر اقدام اور ہر کاروائی کے لئے امیر کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے ہیں اور جب کوئی قدم اٹھا لیں تو پیچھے ہٹنا نہیں جانتے۔

④ عراقی لشکر انتہائی بزدل قسم کے آرام طلب راحت پسند اور مفاد پرست افراد کے مجمع کا نام ہے جن میں امیر کی نافرمانی کے علاوہ اور کوئی قدر مشترک نہیں ہے اور جن کے ہر اقدام پر (بشرطیکہ وہ کوئی اقدام کریں) بھاگ نکلنے کی سوچ چھائی رہتی ہے۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ شامی لشکر کی قدر و قیمت اور عراقی لشکر کے بے وقعتی اور ناکارہ پن بخوبی سمجھتے ہیں اور اپنے لشکر کی بزدلی اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں سے بے حد نالاں اور سخت بیزار ہیں اور انتہائی مایوس ہیں۔

⑥ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس لشکر سے دامن چھڑانے ہی میں عافیت سمجھی، اس میں شک نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فیصلہ شروع ہی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا تھا لیکن آپ نے مدائن پہنچ کر دستبرداری کے لئے یکا یک جو ڈرامائی انداز اختیار کیا ہے اس کا سبب عراق کے اس جیالے لشکر کا نہایت بدتمیزانہ طرز عمل ہی تھا۔

⑦ حکایت سازوں کی زبانی ہم ہمیشہ یہی سنتے آئے ہیں اور یہی مانتے آئے ہیں کہ لشکر نمبر ۲ (عراقی)، لشکر نمبر ۱ (شامی) پر غالب آ گیا اور لشکر نمبر ۱ نے قرآن نیزوں پر اٹھا کر جان کی امان پائی لیکن لشکر نمبر ۲ کی جو سیرت گزشتہ صفحات میں بیان ہوئی ہے وہ اس کہانی کو سچا قرار نہیں دیتی اور مذکورہ سیرت کے علاوہ لشکر نمبر ۲ کی سیرت کا کوئی اور مرقع کہیں موجود نہیں ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ سیرت کے مذکورہ خاکے کے علاوہ اس لشکر کی سیرت کا ایک اور خاکہ بھی اسے معلوم ہے تو یہ اس کہنے والے کی ایک نئی دریافت ہوگی جس کا وجود اس کے واہمہ سے باہر کہیں نہیں اور جو سیرت معلوم و مذکور ہے وہ نیزوں پر قرآن اٹھائے جانے والی کہانی سے کوئی میل نہیں کھاتی یعنی یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ بزدل ترین افراد کی غیر منظم بھیڑ بہادر ترین لشکر کو شکست فاش دے اور وہ بے مثال بہادر لشکر بزدل افراد سے جان کی امان مانگے ؟!---

اگر اس جھوٹ کے سچ بن جانے کی گنجائش ہے تو پھر ہماری درج ذیل کہانی کو بھی سچا ماننا ہوگا کہ:

ایک دفعہ کا واقعہ ہے ہم جنگل میں گئے کیا دیکھتے ہیں کہ جنگل میں ایک طرف شیر جمع ہیں

دوسری طرف تقریباً اتنی ہی مقدار میں گیدڑ بھی پہنچ گئے جس کے بعد شیر اور گیدڑ میں جنگ چھڑ گئی گیدڑوں نے حسب روایت وہ بہادری کے جوہر دکھائے کہ اپنی خاندانی روایات کا گراف نہ صرف برقرار رکھا بلکہ پہلے سے بھی اونچا کر کے دکھا دیا اتنے زور کا رن پڑا کہ شیروں کے چھکے چھوٹ گئے اور گیدڑ تھے کہ پدرم سلطان بود کے نعرے لگاتے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور شیر ادھر ادھر جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی بالآخر ایک چالاک شیر نے جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو امن پسندی کی دہائی دی جس پر بے وقوف گیدڑ دھوکا کھا گئے اور انہوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لئے تب کہیں شیروں کی جان بچی ورنہ گیدڑوں کی بہادرانہ یلغار سے کوئی شیر زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ کہانی عقل و نقل کے خلاف ہے اور ایسا ہونا ناممکن و محال ہے تو ہم عرض کریں گے کہ ایسی ہی ایک کہانی بارہ صدیوں سے سنی جا رہی ہے اور مانی جا رہی ہے جب سے ابو مخنف رافضی نے جنم لیا لیکن اس کہانی کے بارے میں کبھی عقل و نقل کا لحاظ نہیں کیا گیا حالانکہ نفس حکایت میں دونوں کہانیاں ایک سی ہیں یعنی دونوں جگہ مقابلہ بزدلی کا بہادری سے ہے جس میں بزدل غالب ہے اور بہادر کو جان کے لالے پڑے ہیں لہٰذا یا دونوں کہانیاں سچی ہیں یا دونوں جھوٹی ہیں۔

⑧ اگر حکایت سازوں نے کچھ بھی سمجھ داری سے کام لیا ہوتا تو اس بارے میں کہانی گھڑنے سے پہلے وہ کم از کم عراقی لشکر کے اخلاق و سیرت، عادات و اطوار، مزاج و طبیعت اور کوائف و نفسیات کو ایک نظر دیکھ لیتے پھر اگر اس کی مدح مطلوب ہی تھی تو کوئی ایسی کہانی گھڑی ہوتی جو لشکر مذکورہ کے حالات سے مناسبت رکھتی ہوتی! اگر ایسا ہوتا تو وہ من گھڑت کہانی اتنی مضحکہ خیز نہ ہوتی جتنی وہ موجودہ حالت میں ہے۔

اور کچھ نہیں تو کم از کم لشکر مذکور کے بارے میں خلیفۃ النبی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی خود اپنی رائے ہی کو ایک نظر دیکھ لیا ہوتا! ذرا غور فرمائیے! بھلا جس لشکر کو دریا توڑے جانے کی افواہ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ جانا آتا ہو اور جو لشکر اپنے ایک کمانڈر کے قتل کی افواہ پر خود

اپنے قائد حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو لوٹ کر بھاگ جانا جانتا ہو یعنی فتح کا عزم لئے چالیس ہزار جاں نثاروں کا وہ لشکر میدان جنگ کی طرف رواں دواں ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موت پر بیعت کی تھی اسی دوران راستے میں یہ افواہ سننے میں آئی کہ مقدمۃ الجیش کے کمانڈر قیس بن سعد قتل رضی اللہ عنہ کر دیئے گئے یہ سنتے ہی پورا لشکر الٹے پاؤں بھاگ گیا' اور بھاگتے بھاگتے اپنے ہی قائد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لوٹ لیا' ادھر خوف کے مارے بھاگنا بھی تھا اور لالچ کے مارے لوٹنا بھی تھا حتیٰ کہ بھاگنے کی جلدی میں وہ قالین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نیچے سے کھینچ لیا جس قالین پر وہ تشریف فرما تھے اور گھبراہٹ میں انہیں قالین سے کھڑے ہونے کا موقعہ بھی نہ دے سکے۔ اس لشکر کی مدح میں شامی لشکر پر اس کی فتح اور غلبہ کا قصہ تصنیف کرتے وقت اگر عقل سے کام نہیں لینا تھا تو کم از کم پڑھنے سننے والوں کی ہنسی کا اندازہ تو کر لیا ہوتا! ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کہانی کیوں گھڑی گئی! کیونکہ کہانی گھڑنا سبائی ذوق کی مجبوری ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب کہانی گھڑنی ہی تھی تو عراقی لشکر کے حالات و کوائف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے حسب حال کہانی گھڑی ہوتی' مثلاً یوں کہتے:

کہ جب صفین میں میدان جنگ گرم ہوا اور لڑائی نے شدت اختیار کی تو عراقی لشکر حسب عادت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ان کو بھاگتا دیکھ کر اہل شام کو بہت مایوسی ہوئی کیونکہ اہل شام مسئلہ کا ایسا حل چاہتے تھے جس سے فتنہ آئندہ کے لئے مٹ جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بھی پہلے یہی چاہتے تھے لیکن اشتر نخعی کی شرارت نے جنگ بھڑکا دی اور عراقی لشکر کا بھاگ جانا ان کے لئے سازش کی کوئی نئی راہ کھولے گا لہٰذا اہل شام نے عراقی لشکر کو واپس لانے کی کوشش کی کہ بھاگنے کی ضرورت نہیں ہم تو پہلے ہی جنگ نہیں چاہتے تھے مل بیٹھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ کسی کی نہیں سنتے تھے اور بھاگے ہی چلے جا رہے تھے بالآخر اہل شام نے قرآن نیزوں پر اٹھا کر انہیں قرآن کا واسطہ دیا کہ بھاگو نہیں واپس آ جاؤ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اہل شام کی یہ تدبیر کارگر ہوئی جس کے بعد ثالثی کا معاملہ طے پایا۔۔۔ اگر اس طرح کی کوئی کہانی بنائی جاتی تو یہ عراقی لشکر کے حسب حال' حسب عادت اور حسب مزاج ہوتی اور ان کی سیرت و اخلاق کی صحیح ترجمان ہوتی لیکن اس طرح کی کہانی میں ایک

خرابی تھی وہ یہ کہ اس کہانی کا معقول ہونا بجا اور عراقی لشکر کے عادات واطوار کیمطابق ہونا بھی تسلیم! لیکن یہ کہانی عراقی لشکر کی خوبی کردار کے بجائے ان کے کردار کی نہایت بھونڈی مثال بن جاتی ہے لہٰذا اسبائی ذہن کو ایسی معقول کہانی گوارا نہیں جو عراقی لشکر کو بھیانک کردار کا آئینہ دکھادے اس کے بجائے انہیں ایسی کہانی مطلوب تھی جو عراقی لشکر کے اخلاق و سیرت کے بے شک نقیض ہو اور بے شک جھوٹ اور دروغ گوئی کی نامعقول اور بھونڈی مثال ہو لیکن اس سے عراقی لشکر کی بہادری اور وفاشعاری اور شامی لشکر کی مکاری اور غداری ٹپکتی ہو چنانچہ وہ مثال انہوں نے مہیا کردی۔

صحیح صورت حال

مذکورہ بحث سے یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ "رفع مصاحف" یعنی نیزوں پر قرآن اٹھائے جانے کی کہانی اگر جھوٹی کہانی ہے تو پھر صحیح واقعہ پیش کیا جائے!

سوال بجا و درست ہے کہ صحیح واقعہ منظر عام پر آنا چاہیے' لیکن یاد رکھیے کہ اگر بالفرض صحیح واقعہ منظر عام پر نہ آسکے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کرتا کہ چلو پھر جھوٹ ہی کو سچ سمجھ لو جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے صحیح واقعہ خواہ معلوم ہو یا معلوم نہ ہو۔

آیئے! اب ہم اوراق تاریخ سے صحیح واقعہ کی ٹوہ لگائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ شام اور عراق کے قاری الگ ایک طرف بصورت لشکر موجود تھے جن کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی یہ لوگ فریقین میں مصالحت کنندہ کا کردار ادا کر رہے تھے ان کا وفد کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ان کا موقف معلوم کر کے یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کا جواب لے کر پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اس دوران فریقین میں کئی جھڑپیں ہوئیں لیکن یہی شام و عراق کے قاری حضرات آڑے آجاتے رہے اور انہوں نے ان جھڑپوں کو جنگ کی صورت نہیں اختیار کرنے دی۔ (البدایہ ج ۷' ص ۲۵۸) طبع لاہور)

ایک روایت میں ہے کہ محرم کا پورا مہینہ مصالحانہ کوششیں جاری رہیں اور جنگ کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ (ایضاً ج ۷' ص ۲۵۷)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کی مصالحانہ کوشش کا ذکر بھی پہلے کہیں گزر چکا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فریقین کا ماحول جنگجویانہ نہیں بلکہ خوشگوار اور مصالحت طلب ہے۔

اسی طرح ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمایا: ”جب ہم جنگ کے بجائے نارمل حالت میں ہوتے تو وہ لوگ ہمارے پاس بات چیت کرنے کے لئے آجایا کرتے تھے اور ہم ان کے ہاں چلے جایا کرتے تھے“۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۶۹)

گویا اول سے آخر تک ایک بے تکلفی کا ماحول قائم رہا اور ظاہر ہے کہ جنگ کی نوبت آجانے کے بعد ماحول کا اس طرح مناسب اور خوشگوار رہنا ناممکن ہے باقی معمولی جھڑپیں ماحول کی اس خوشگواری کو ختم نہیں کر سکتیں اور ”اذا تـوادعـنـا من القتـال“ (جنگ کے بجائے نارمل حالت میں ہوتے) کی تعبیر ماحول کی خوشگواری ہی کی ترجمانی کر رہی ہے، یہ ساری تگ و دو اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ آخر کار حضرت عبداللہ بن عمرو اہل عراق کے ہاں اہل شام کے با قاعدہ نمائندہ کی حیثیت سے تشریف لائے اور مصالحت کی دعوت دی ادھر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشیر حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصالحت کی اس پیش کش کو قبول فرما لینے کا مشورہ دیا۔

(البدایہ ج ۷، ص ۲۷۳ طبع لاہور)

اہل عراق کی اکثریت اور اہل شام تمام تر مصالحت کے خواہاں تھے تا کہ شاید کوئی اتفاق کی صورت نکل آئے اور مسلمانوں کی خونریزی سے بچا جا سکے۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۴ طبع لاہور)

یہ روایت بھی ماحول کی خوش گواری کی دلیل ہے

صاحب البدایہ نے صحیحین کے حوالے سے روایت نقل فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف نے صفین والے دن فرمایا اے لوگو! دین کے مقابلہ میں اپنی رائے کو موردالزام قرار دو میں نے ابو جندل والے دن اپنے آپ کو دیکھا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو رد کر سکتا تو اس روز میں یقیناً آپ کا حکم رد کر دیتا اور اللہ کی قسم! جب سے ہم نے اسلام قبول کیا ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہمیں درپیش کسی مشکل کام کے لئے ہم نے تلواریں اپنے کندھوں پہ اٹھائی ہوں اور پھر ہماری تلواروں نے وہ معاملہ ہمارے لئے آسان نہ کر دیا ہو سوا اس ایک معاملہ کے جواب ہمیں درپیش ہے کہ ہم اس کا ایک رخنہ ابھی بند نہیں کر پاتے کہ دوسرا کھل جاتا ہے ہم نہیں سمجھ پا رہے کہ اس سے کیونکر عہدہ برآ ہوں“۔ (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۶ طبع لاہور)

ثمرہ بحث

(۱) معلوم ہوتا ہے کوئی صلح کا معاملہ درپیش ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح کی پیش کش قبول فرما چکے ہیں لیکن لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو مان نہیں رہے جس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا صلح کو قبول فرما لینا ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا لیکن ہم نے اپنی رائے کو معتبر نہیں جانا بلکہ اپنے جذبات کو نظر انداز کر کے رسول اللہ ﷺ کی رائے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

(۲) حضرت سہل بن حنیف جنگ سے گریز کرنے اور مصالحت کی روش کو اپنانے کی وجہ سمجھا رہے ہیں کہ جنگ سے پہلو تہی ہماری کمزوری کی دلیل نہیں بلکہ دینی نقطہ نظر سے معاملہ ایسا پیچیدہ ہے کہ اس کا حل تلوار میں نہیں ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ہمیں تلوار چلانا نہیں آتا۔

(۳) حضرت سہل بن حنیف کا گفتگو میں انداز دلسوزی بتاتا ہے کہ ایک گروہ جنگ ہی پر اصرار کر رہا ہے اس کے علاوہ کوئی اور بات اسے قابل قبول ہی نہیں ہے

(۴) حضرت سہل بن حنیف چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ترجمانی کر رہے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی بھی قیمت پر جنگ گوارا نہیں ہے!

(۵) معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کے کسی ایسے حل کے لئے جس سے دینی اقدار مجروح نہ ہونے پائیں اکابر امت بہت پریشان ہیں اور اصلاح احوال کے لئے بیقرار ہیں۔

(۶) معلوم ہوا کہ قاری حضرات کے دو گروہ تھے ایک وہ جو باقاعدہ عراقی لشکر میں شامل تھے ان میں کوفے کے قاری جو اشتر نخعی کے ساتھی تھے اور بصرے کے قاری جو حرقوص بن زہیر کے ساتھی تھے یہ دونوں قسم کے قاری ہیں جو اپنے لیڈروں کی خواہش پر جنگ کے دلدادہ ہیں اور یہی لوگ بعد میں خارجی قرار پائے

دوسرا گروہ ان قاری حضرات کا تھا جو غیر جانبدار تھے ان میں اہل عراق بھی تھے اور اہل شام بھی۔ یہی لوگ مصالحت کے لئے تگ ودو کر رہے تھے اور انہی کی مساعی تھیں جو

بالآخر بارآور ہوئیں۔

⑦ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص مصالحت کے لئے بے حد فکر مند تھے اوراس کی خاطر وہ سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور جنگ پیش آنا انہیں کسی حال میں گوارا نہیں تھا۔

⑧ معلوم ہوتا ہے سبائیوں کے لئے مصالحت کی کوششیں سخت پریشان کن تھیں وہ فریقین کو ہر ممکن طریقے سے لڑانا چاہتے تھے صلح کی صورت میں انہیں اپنی موت نظر آ رہی تھی جس حادثے سے وہ جمل میں بذریعہ سازش بچ نکلے تھے اسی حادثے کا سامنا انہیں اب پھر تھا لہٰذا یہاں بھی اپنے تحفظ کے لئے ویسی ہی کسی سازش کا سہارا مطلوب تھا لہٰذا کسی نہ کسی بہانے یہاں بھی جنگ چھیڑنا ضروری تھا اسی بنا پر اشتر نخعی نے اپنے محاذ سے اہل شام پر حملہ کر دیا لیکن اہل شام مقابلہ کرنے کے بجائے پسپا ہو کر ٹیلے کی طرف سمٹ گئے کیونکہ صلح کی کارروائی پوری کامیابی کے ساتھ نتیجے کی طرف بڑھ رہی تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً جنگ روک دینے کا پیغام بھیجا جسے اشتر نخعی نے قبول نہیں کیا اور اس کے حامی جنگجو قاری کندھوں پر تلواریں سجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور جنگ کرنے پر اصرار کرنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھائے جب وہ نہیں سمجھے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف نے انہیں حدیبیہ کا حوالہ دے کر سمجھانے کی کوشش کی۔

سانحہ صفین کے بارے میں صحیح روایت

سانحہ صفین کے بارے میں ایسی روایت جو صحیح بھی ہو اور مفصل بھی ہو وہ حضرت ابووائل کی روایت ہے جو اگرچہ پیش آمدہ واقعہ کی مفصل کہانی نہیں ہے لیکن اس میں ایسی تصریحات ہیں جن سے واقعہ کے حقیقی خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں اور یہ روایت ثقہ و صدوق راویوں سے مروی ہے:

''حبیب بن ابی ثابت سے روایت ہے کہ میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی مسجد میں آیا میرا مقصد ان لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا تھا جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان

میں قتل کیا معلوم یہ کرنا تھا کہ پہلے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پکار پر لبیک کہا پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کا اقدام کیوں کیا؟ ابووائل رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ہم صفین میں تھے کہ اہل شام کے خلاف جب قتل کا بازار گرم ہوا تو انہوں نے ایک ٹیلے پر پناہ لی اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو قرآن مجید دے کر بھیج دیں اور انہیں کتاب اللہ کی دعوت دیں مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی دعوت کا ہرگز انکار نہیں فرمائیں گے چنانچہ ادھر سے ایک شخص یہ دعوت لے کر آیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصل ہے...... اور قرآن کی آیت تلاوت کر کے سنائی...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بجا اور درست ہے میں اس بات کا سب سے پہلے حقدار ہوں کہ کتاب اللہ کو ہمارے مابین فیصل قرار دوں' اس کے بعد خارجی آ گئے اور ہم انہیں اس وقت قاری کہہ کر پکارا کرتے تھے کندھوں پہ تلواریں تھیں کہنے لگے امیر المؤمنین! وہ لوگ جنہوں نے ٹیلے پر پناہ لے رکھی ہے ان کے لئے ہم کس بات کے منتظر ہیں ہم کیوں نہ تلواریں سونتے ان کے مقابلہ میں آ جائیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟ پھر سہل بن حنیف نے گفتگو فرمائی اور کہا اے لوگو! اپنے آپ کو موردالزام قرار دو میں نے حدیبیہ کے موقع پر اپنے آپ کو دیکھا کہ اگر ہم جنگ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟ اور کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتولین آگ میں نہیں ہیں؟ کیا ہم یونہی واپس ہو جائیں گے اور ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کیا ہی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے لیکن غضبناکی اسی طرح تھی صبر نہ ہو سکا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہاں یہی سوال و جواب ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی وہی جواب پایا' سہل بن حنیف کہتے ہیں پھر سورہ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں انہیں یہ سورت پڑھ کر سناؤں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! (الفتح الربانی ج ۲۱' ص ۱۴۵/ البدایہ ج ۷' ص ۲۷۶)

مسند امام احمد رحمہ اللہ کی اس روایت میں ایسے وقفے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت یہ طویل روایت مفصل صورت واقعہ کا اختصار ہے لیکن تفصیل میں جانے سے پہلے ابومخنف

کی وہ روایت بھی ذرا ایک بار پھر دیکھ لیں جسے ہم شروع بحث میں نقل کر آئے ہیں لیکن یہاں ہم اس روایت کا ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت سے تقابلی مطالعہ چاہتے ہیں تا کہ جھوٹ اور سچ دونوں عیاں ہو کر سامنے آ جائیں' اس لئے اس روایت کو یہاں دوبارہ ذکر کرتے ہیں۔

''ابو مخنف کہتے ہیں جب قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے تو اہل عراق کہنے لگے ہم کتاب اللہ کو قبول کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے بندو! اپنے حق کی خاطر اور اپنی سچائی کیلئے ثابت قدم رہو اور اپنے دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھو! معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص ولید بن عقبہ' حبیب بن مسلمہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس یہ دین والے لوگ نہیں ہیں اور نہ قرآن سے ان کا کوئی تعلق ہے میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں میرا بچپن ان کے ساتھ گزرا ہے میری جوانی ان کے ساتھ گزری ہے جب یہ بچے تھے تو بدترین بچے تھے جب مرد بنے تو بدترین مرد تھے' ارے کم بختو! اللہ کی قسم! یہ قرآن انہوں نے اس لئے نہیں اٹھائے کہ واقعی یہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں یا اس پر عمل کرتے ہیں انہوں نے قرآن اٹھائے ہیں محض دھوکا دینے کے لئے سازش کرنے کے لئے اور تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے اہل عراق جواب میں کہنے لگے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم انکار کر دیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں بھی تو ان سے اسی خاطر جنگ کر رہا ہوں کہ وہ کتاب اللہ کا حکم مان لیں اور یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اس حکم کی نافرمانی کی ہے جو اللہ نے انہیں دیا اور انہوں نے اللہ کے عہد کو توڑا ہے اور اس کی کتاب کو پس پشت ڈالا ہے قاری کہنے لگے جو بعد میں خارجی ہو گئے اے علی! کتاب اللہ کا حکم مان! ورنہ ہم تجھے اٹھا کر ان لوگوں کے حوالے کر دیں گے یا تیرا بھی وہی حشر کریں گے جو عثمان بن عفان کا کیا ہے وہ بھی کتاب اللہ پر عمل کرنے سے انکاری تھا تو ہم نے اس کو قتل کر دیا اللہ کی قسم! تو یا تو مانے گا ورنہ تیرے ساتھ بھی وہی کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میری مانو تو میں پھر یہی کہوں گا کہ جنگ جاری رکھو اور اگر میری نہیں مانتے تو جو جی میں آئے کرو میرا تمہیں جنگ بند کرنے سے روکنا بھی یاد رکھو اور اپنا جواب بھی یاد رکھو' وہ کہنے لگے کہ اشتر کو پیغام بھیجیں کہ وہ جنگ روک دے اور آپ کے پاس چلا آئے''۔

(البدایہ ج ۷ ص ۲۷۲/طبری ج ۴' ص ۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو پیغام بھیجا لیکن اس نے جنگ نہیں روکی وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لہٰذا اس نے قتل کا بازار گرم کر دیا جس سے ایک دم شور اٹھا جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت حکم دیا اور زبردستی جنگ رکوائی'' (البدایہ ج ۷ ص ۲۷۳)

یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں لیکن مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔

آیئے! دونوں روایتوں کے مضمون کا فرق ملاحظہ کریں!......

ابووائل کی روایت

① مسند احمد کی روایت متصل سند کے ساتھ اعلیٰ درجے کے ثقہ راویوں سے مروی ہے اور صورت واقعہ کی تفصیل مشہور صحابی حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی زبانی ہے۔

② حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ جو تمام صورت حال کے عینی گواہ ہیں ان کی وضاحت حق وصداقت کا مرقع ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت اور منصب خلافت کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے۔

③ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کے بیان سے واضح ہے کہ قرآن نیزوں پر اٹھائے جانے کی بات من گھڑت کہانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے امت کی اصلاح کے لئے اور امت کو تباہی سے بچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کتاب اللہ پر فیصلہ کا پیغام بھیجیں اس مشورہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے مخلصانہ جذبے سے قبول فرمایا گویا وہ پہلے سے کسی مثبت حل کی جستجو میں پریشان تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خوشی سے اس تجویز کو قبول فرمایا گویا یہ ان کے اپنے دل کی آواز تھی اور یہی طرز عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے اہل شام سبائیوں کے حملے کا جواب دینے کے بجائے جنگ سے بچنے کی خاطر ٹیلے کی پناہ میں سمٹ جاتے ہیں یہ ان کی شکست نہیں تھی صلح پسندی تھی۔

④ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی روایت بتاتی ہے کہ سبائی جنگ بندی پر راضی نہیں ہیں علی سے جنگ کی اجازت پر اصرار کر رہے ہیں اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھائے نہیں سمجھتے تو حضرت سہل بن حنیف حدیبیہ کا حوالہ دے کر انہیں جنگ سے باز رہنے کی حکمتیں سمجھا

رہے ہیں اور حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ حبیب بن ابی ثابت کے جواب میں یہ بتارہے ہیں کہ سبائیوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ وہ جنگ پر اصرار کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ نہیں چاہتے تھے۔

⑤ ابووائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ نہ کرنے پر اصرار کررہے ہیں اور سبائی جنگ کرنے پر اصرار کررہے ہیں۔

⑥ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے اصرار کررہے ہیں وہ بھی قاری ہیں'

ابومخنف کی روایت

① ابومخنف کی روایت ایک مجہول راوی سے مروی ہے اور واقعہ کی تفصیل مجہول راوی کے مجہول باپ کی زبانی ہے اور ابومخنف خود اکذب الکاذبین ہے۔

② ابومخنف نے واقعہ کے ایک صدی بعد جو صورت حال کا نقشہ تیار کیا ہے وہ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کے بیان کے بالکل برعکس ہے۔ اس کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں صحابیت کا تو سوال ہی کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان تک کی نفی ہو جاتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ النبی کے بجائے محض ایک جنگجو حکمران بن کے رہ جاتے ہیں۔

③ ابومخنف کی روایت کہتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح میدان جنگ میں جب اپنے آخری مرحلہ میں پہنچی تو اہل شام کے پاس اپنی جان بچانے کے لئے اور کوئی سبیل نہ رہی سوا اس کے کہ اپنی کسی عیارانہ چال سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھوٹ ڈال دیں اور اہل شام کو عراقی لشکر کی اس کمزوری کا بھی علم تھا کہ بنی نوع انسان کے بھولے بھالے بہادروں کا یہ گروہ عشق قرآن میں مست ہے حتیٰ کہ ان عاشقان قرآن نے اسی مستی میں خلیفۃ النبی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل بھی کرڈالا تھا لہٰذا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے عیار و مکار ذہن نے ان عاشقان قرآن کو قرآن کے نام پر دھوکا دینے کے لئے نیزوں پر قرآن اٹھانے کا عیارانہ مشورہ دیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عملی جامہ پہنایا جس سے مؤمنین باصفا میں پھوٹ ڈلوادی۔

④ ابومخنف کی روایت میں اشتر نخعی کی شرارت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید وحمایت حاصل ہے

سبائی جنگ روک دینے پر اصرار کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی صورت نہیں مانتے حتی کہ سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ نہ روکنے کی صورت میں قتل کی دھمکی تک دیتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحاب نبی کو بدترین لوگ کہتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا دشمن قرار دیتے ہیں اور ان کے منافق اور بدنیت ہونے پر اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں آخر کار بصد حسرت و افسوس حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ روکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

⑤ ابو مخنف کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنے پر اصرار ہے اور سبائیوں کو جنگ نہ کرنے پر اصرار ہے۔

⑥ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جنگ روک دینے کے لئے اصرار کر رہے ہیں وہ بھی قاری ہیں۔

قاری حضرات کا کردار:

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں قاری حضرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ صلح جو کا کردار ادا کر رہا تھا یہ گروہ شام اور عراق کے غیر جانبدار قاری حضرات پر مشتمل تھا ابو مخنف کی روایت میں در حقیقت اسی صلح جو گروہ کا ذکر ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بند کرنے کی درخواست کر رہے ہیں لیکن ان کا یہ اقدام چونکہ سبائی سازش کو بلڈوز کرنے کے مترادف تھا اس لئے ان کے اس اقدام کو سبائی ذہن نے انتہائی بھونڈے انداز میں پیش کیا ہے تاکہ ان کا یہ قابل فخر اور قابل صد تعریف کارنامہ لوگوں کی نگاہ میں ایک گھٹیا اور قابل نفرت حرکت بن کے رہ جائے دوسرا گروہ فتنہ جو کا کردار ادا کر رہا تھا یہ قاریوں کا سبائی گروہ ہے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی فتنہ جو گروہ کا ذکر ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جاری رکھنے پر اصرار کر رہا ہے اور یہی تھے جو بعد میں خارجی قرار پائے۔

روایات میں الجھاؤ کے باوجود دونوں کردار نمایاں طور پر موجود ہیں دراصل نام کے اشتراک کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی گروہ سمجھ لیا گیا کیونکہ دونوں گروہ قراء کے نام سے معروف تھے ہم دلیل کے طور پر دونوں کرداروں کے لئے ایک ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں:

① ''اہل شام کی پیش کش قبول کرنے والے قاریوں سے اشتر نخعی جھگڑا کرنے لگا اشتر نے ان سے کہا اللہ کی قسم! تم نے دھوکہ دیا ہے اور دھوکہ کھایا، تمہیں جنگ روک دینے کی

دعوت دی گئی جسے تم نے قبول کر لیا اے بدترین لوگو! ہم تمہاری نمازوں کو دنیا سے بیزاری اور عشق الٰہی سمجھتے تھے اور تمہارا یہ فرار میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کی محبت اور موت کے خوف کے سوا کچھ اور ہے اے غلاظت کھانے والی بوڑھی اونٹنی کی شکل والو! آج کے بعد تم اللہ والے نہیں ہو! لعنت ہو تم پر جیسا کہ ظالموں پر لعنت ہوتی ہے! انہوں نے بھی آگے سے بے نقط سنائیں اشتر نے بھی سنائیں پھر انہوں نے اشتر کے گھوڑے کے منہ پر کوڑوں کی بوچھاڑ کر دی اور اس باہمی جھگڑے نے بہت طول کھینچا''

(البدایہ ج ۷/ص ۲۷۴/طبری ج ۴' ص ۳۲)

۲ ''حضرت اشعث بن قیس صلح نامہ کی تحریر لے کے نکلے تا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور انہیں دیں تا کہ وہ بھی پڑھ لیں حتیٰ کہ جب وہ بنو تمیم کے ایک گروہ کے پاس گئے اور انہیں پڑھ کر سنایا تو عروہ بن ادیہ کہنے لگا کہ تم اللہ کے معاملہ میں لوگوں کو ثالث بناتے ہو؟ لاحکم الا اللہ'' پھر تلوار سونتی اور ان کے گھوڑے پر پیچھے سے ہلکا سا وار کر دیا گھوڑا ایک دم پیچھے کو بھاگا اور اس کے ساتھی چیخے: ہاتھ روک لے اشعث کے خاندان والے اور دیگر اہل یمن بھی مشتعل ہو گئے پھر احنف بن قیس نے بیچ بچاؤ کر کے معاملہ نمٹایا''

(طبری ج ۴ص ۳۲/البدایہ ج ۷/ص ۲۷۷)

پہلی روایت سے واضح ہے کہ اشتر نخعی قاریوں سے بیزار ہے اور قاری اشتر نخعی سے بیزار ہیں یہ جنگ چاہتا ہے وہ صلح چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو قاری اشتر سے بیزار ہیں وہ سبائی نہیں ہو سکتے کیونکہ اشتر فتنہ جو گروپ کا لیڈر ہے اور یہ قاری حضرات صلح جو گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اشعث بن قیس جن کا صلح میں بڑا کردار ہے سبائی گروہ ان سے ناراض ہے کیونکہ اشعث صلح چاہتے ہیں اور سبائی جنگ چاہتے ہیں۔

یہ روایتیں بطور مثال ذکر کی ہیں ورنہ بہت سی روایتیں آپ دیکھیں گے جن میں سبائی قاری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ روک دینے کو نا قابل معافی جرم قرار دیتے ہیں یعنی وہ کسی حال میں بھی جنگ روک دیئے جانے کے روادار نہیں اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے باقاعدہ مناظرہ جات موجود ہیں لیکن حکایت سازوں کی چابک دستی

نے مسئلہ کو ایسا الجھایا کہ پڑھنے والے انہیں ایک ہی گروہ سمجھ بیٹھے یعنی وہی خارجی گروہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر کے حروریہ میں قیام پذیر ہوئے اس پر مزید ستم یہ کہ صلح جو قاریوں کی صلح جوئی کی کوشش اور خواہش کو ایک ایسی گھٹیا حرکت اور احمقانہ و بزدلانہ فعل بنا کر پیش کیا گیا جس کو دیکھ کر سن کر گھن آئے اور صلح جو قاریوں کے بارے میں نفرت قائم ہو۔

چونکہ سبائی ہر حال میں جنگ کے روادار تھے وہ کسی حال میں صلح نہیں چاہتے تھے صلح میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی لیکن قاری حضرات کا یہ دوسرا گروہ جس میں کوفہ کے قاریوں کے ساتھ شام کے قاری بھی شامل ہو گئے تھے یہ جنگ نہیں ہونے دے رہے تھے بالآخر بات صلح پر منتج ہوئی تو یہ بات سبائیوں کو کیونکر گوارا ہو سکتی تھی لہٰذا ایک طرف انہوں نے لا الحکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر صلح کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور دوسری طرف صلح کی تکمیل میں جس جس کا کوئی عمل دخل تھا اس کی کردارکشی کے ذریعہ اس سے بھرپور انتقام لیا چنانچہ خاکم بدہن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کو کتا ابوموسی رضی اللہ عنہ کو گدھا، مغیرہ بن شعبہ کو مکار عیار، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بے غیرت لالچی بے ضمیر اور پیٹو اور صلح جو قاریوں کو بزدلی اور بے وقوفی کے تاریخی لطیفے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سبائیوں کی کٹھ پتلی ثابت کر کے اپنے غیظ و غضب کی آگ ٹھنڈی کرتے رہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ میں قاری حضرات کے صلح جو گروہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اہل عراق اور اہل شام کے قاری حضرات الگ ایک لشکر کی صورت میں جمع ہوئے ان کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی ان حضرات نے فریقین میں مصالحت کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سنتے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ان کا موقف سنتے جو جواب پاتے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کر دیتے پھر ادھر سے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب پیش کرتے یہ سلسلہ عرصہ تین ماہ تک چلتا رہا اور اس عرصے میں ان کے مابین پچاسی مشاورتیں ہوئیں بعض دفعہ جھڑپ کی نوبت بھی آجاتی لیکن یہ قاری حضرات درمیان میں حائل ہو جاتے اور جنگ نہ ہونے دیتے'' (البدایہ ج ۷ ص ۲۵۸ ملخصاً طبع لاہور)

یہاں اس روایت کے علمی اور واقعاتی پہلو سے بحث نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قاری حضرات کا گروہ غیر جانبدار حیثیت سے ایک موثر اور فیصلہ کن پوزیشن میں موجود تھا جس نے صلح میں قابل قدر خدمات انجام دیں چنانچہ جب اہل شام کی طرف سے تحکیم قرآن کی پیش کش ہوئی

تو بلا تامل قبول کرنے والے اور بلا حیل و حجت اس پر لبیک کہنے والے بھی کوفے کے ہی قاری حضرات تھے جن کو اہل شام کے قاریوں کی حمایت حاصل تھی نہ کہ حروریہ والے جو خارجی کے نام سے موسوم ہوئے لیکن چونکہ ان کا یہ اقدام سبائیوں کی مضموم مساعی کی نفی کرتا تھا اس وجہ سے تاریخ میں ان کے اس قابل قدر کارنامے اور امت کی خیر خواہی کے لئے کئے گئے اس دانشمندانہ اقدام کو سبائی حکایت سازی کے ذریعہ بری طرح مسخ کر کے انتہائی بھونڈے انداز میں پیش کیا گیا ہے

...... ایسے ہی جب ثالثی کی بات آئی تو انہی قاری حضرات نے ثالثی کے لئے حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کیا اور دلیل یہ دی کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ خود بھی جنگ سے کنارہ کش رہے اور لوگوں کو بھی جنگ سے منع کرتے رہے اور فتنے میں پڑنے سے روکتے رہے لیکن جب اشتر کا نام آیا تو یہی قاری حضرات تھے جنہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اشتر کے سوا اور کون ہے جس نے جنگ میں آگ بھڑکائی اور خون سے زمین کو رنگین کیا۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۷۶)

گویا یہ قاری حضرات اشتر سے بیزار تھے اور نفرت کرتے تھے جب کہ سبائی قاری اشتر کے عاشق تھے اور اشتر کی طرح جنگ بندی کے کسی بھی صورت روادار نہ تھے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تحکیم کے جواز پر ان سے گفتگو کر رہے تھے اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دلیل میں یہ آیت پیش فرمائی ''یحکم به ذوی عدل منکم'' (تم میں سے دو صاحب انصاف فیصلہ کریں) سبائی قاری کہتے ہیں ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: یہی آیت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیتی ہے! کیا آپ کے نزدیک عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صاحب عدل ہیں؟ جب کہ کل ہمارے خلاف وہ برسر جنگ تھے اور ہمارا خون بہا رہے تھے لہٰذا اگر وہ عادل ہیں تو ہم عادل نہیں ہیں بلکہ ہم پھر اہل حرب ہیں اور تم اللہ کے حکم میں مردوں کو ثالث مانتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ معاویہ اور اس کے گروہ کے بارے میں فیصلہ دے چکے ہیں کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ توبہ کریں اور باز آئیں اور ہم اس سے پہلے انہیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دے چکے ہیں جس پر انہوں نے نہیں مانا پھر تم اپنے اور ان کے مابین معاہدہ لکھتے ہو اور آپس میں صلح اور بات چیت کا معاملہ طے کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام اور اہل حرب کے مابین بات چیت اور مصالحت کا معاملہ اس وقت سے ختم کر دیا تھا جب سے سورہ توبہ نازل ہوئی سوا ان لوگوں کے جو جزیہ دینا قبول کریں''۔ (طبری ج ۴ ص ۴۷)

اس روایت کو بغور پڑھیے اور پھر بتایئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے والے قاری کیا یہ وہ قاری ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ روک دینے پر اصرار کر رہے تھے؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر رہے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتاب اللہ کی دعوت قبول کریں اور صلح کی بات چیت کریں؟...... یہ قاری تو صلح کے ہر امکان کو رد کر رہے ہیں اور وہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل اسلام کے بجائے اہل حرب قرار دے رہے ہیں جن سے جزیہ سے کم کوئی پیش کش قبول ہی نہیں کی جا سکتی اور ظاہر ہے کہ جب وہ غیر مسلم ٹھہرے تو ان کی طرف سے قرآن کی پیش کش قبول کیے جانے کے کیا معنی؟

کیفیت جنگ حکایت سازوں کی زبانی:

ماہ ذوالحج تک یونہی قیام پذیر رہے پھر جنگ چھڑ گئی جو پورا ذوالحج کا مہینہ جاری رہی بعض دفعہ ایک دن میں دو بار بھی جھڑپ ہو جاتی۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۵۹)

ذوالحج کے مہینے میں روزانہ جنگ ہوتی رہی اور کسی روز دوبارہ بھی جھڑپ ہو جاتی اور اتنی جنگیں ہوئیں کہ جن کے تذکرے سے دامن قرطاس بھی تنگ ہے غرض جب ماہ محرم داخل ہوا تو لوگوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اس امید میں کہ شاید کوئی باہم مصالحت کی صورت نکل آئے اور پھر سے معاملہ صلح صفائی کی طرف لوٹ آئے اور مسلمانوں کو خون ریزی سے بچایا جا سکے۔

(البدایہ ج ۷/ص ۲۵۷)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان سفیروں کی آمد و رفت کا تانتا بندھ گیا اور لوگ جنگ سے رکے ہوئے تھے حتی کہ محرم ۳۷ھ کا پورا مہینہ گزر گیا لیکن صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھی پھر حضرت علی نے یزید بن حارث جشمی کو حکم دیا کہ غروب آفتاب کے وقت اہل شام میں اعلان کر دے کہ امیر المومنین تم سے یہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں مہلت دی تاکہ تم حق کی طرف واپس لوٹ آؤ اور میں نے تم پر حجت قائم کر دی لیکن تمہاری طرف سے مجھے مثبت جواب نہیں ملا۔ میں نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اور تم بھی آزاد ہو اللہ خیانت کاروں سے محبت نہیں کرتے۔ اہل شام گھبرائے ہوئے اپنے سرداروں کے پاس گئے جو کچھ انہوں نے اعلان کرنے والے سے سنا تھا وہ انہیں بتایا یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

اٹھے اور لشکر کی تیاری میں لگ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رات بھر لشکر کی ترتیب و تیاری میں مصروف رہے۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۶۰/طبری ج ۴ص ۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لاکھ پچاس ہزار کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے اور اتنا ہی لشکر حضرت معاویہ لے کر آئے تھے اہل شام کے لشکر کی گیارہ صفیں تھیں اور گیارہ صفیں ہی عراقی لشکر کی تھیں اسی کیفیت میں دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے تھے صفر کی پہلی بدھ کا دن تھا عراقیوں کا امیر حرب اشتر نخعی اور اہل شام کا امیر الحرب حبیب بن مسلمہ تھا اس روز جنگ زوروں پر رہی دن کے آخری حصہ میں لوگ جنگ سے باز آ گئے جنگ کا پلڑا دونوں طرف برابر رہا اگلے دن بروز جمعرات اہل عراق کا امیر الحرب ہاشم بن عتبہ اور شامیوں کا امیر الحرب ابوالاعور سلمی رضی اللہ عنہ ہے جنگ آج کے روز بھی شدید ترین جنگ تھی پچھلے پہر جنگ روک دی گئی ہر فریق ثابت قدمی سے لڑا۔ پلڑا برابر رہا آج صفر کے تیسرے جمعہ کا دن ہے عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آمنے سامنے ہیں نہایت شدید جنگ ہوئی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر براہ راست حملہ کیا اور انہیں ان کے موقف سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا شام کو جنگ رک گئی ہر فریق جم کر لڑا' آج ہفتہ کا دن ہے عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن حنفیہ کو للکارا ہے محمد بن حنفیہ نکلے ہی تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود مقابلہ میں پہنچ گئے عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آنے سے انکار کر دیا' مورخہ ۵ صفر بروز اتوار عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں' شدید ترین جنگ ہوئی' ابومخنف کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کہنے لگا تم نے خلیفۃ النبی کو قتل کیا تھا اور جو تم چاہتے تھے وہ تمہیں حاصل نہیں ہوا اور اللہ کی قسم اللہ تمہارے خلاف ہماری مدد کرے گا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تو مقابلہ میں تو آ لیکن اس نے مقابلہ میں آنے سے انکار کر دیا اور کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آج سخت ترین جنگ کی' مورخہ ۶ صفر بروز پیر آج اہل عراق کی طرف سے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اور اہل شام کی طرف سے ذوالکلاع حمیری میدان میں ہیں انتہائی سخت جنگ ہوئی فریقین جنگ میں جم کر لڑے شام کو جنگ رک گئی آج جنگ کا ساتواں روز ہے منگل کا دن ہے اشتر نخعی کے مقابلہ میں حبیب بن مسلمہ ہیں جنگ آج بھی انتہائی عروج پر رہی اور ان تمام ایام میں کسی فریق کا پلہ بھاری نہیں رہا دونوں فریق برابر رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کب تک ہم سب مل کر ان کے مقابلہ میں نہیں آئیں

گے؟ پھر مورخہ ۸ صفر بروز بدھ بعد از عصر حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور بہت بلیغ تقریر کی اور آخر میں فرمایا سنو! کل تمہیں ان لوگوں کے خلاف میدان جنگ میں اترنا ہے لہٰذا رات بھر قیام لمبا کرو قرآن کی تلاوت بہت زیادہ کرو اللہ سے مدد اور صبر مانگو اور نہایت محنت اور زیرکی سے قوت کا استعمال کرو اور سچے بن کر دکھاؤ! لوگ سنتے ہی فوراً اپنی تلواروں نیزوں اور تیروں کی طرف لپکے اور انہیں درست کرنے میں لگ گئے اگلی صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر ہی میں تھے اور اسے اپنی حسب مرضی تیار کیا اور مرتب کیا ایسے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے لشکر میں آئے اور اسے اپنے حسب منشاء تیار کیا اور ترتیب دیا۔ (البدایہ ج ۷/ص ۲۶۱/طبری ج ۶ص ۸)

ثمرۂ بحث

مندرجہ بالا روایات میں مختصر طور پر جنگ کی پوری صورت حال بیان ہوئی ہے جس میں حسب ذیل امور واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔

① صفین میں دونوں لشکر ذوالحج سے پہلے قیام پذیر ہو گئے تھے اور مورخہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ثالثی نامہ لکھا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں لشکر کم از کم اڑھائی تین ماہ تک میدان صفین میں فروکش رہے۔

② دونوں لشکروں کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے اسی نسبت سے ان کے نقل وحمل اور سواری کے جانوروں کا اندازہ کر لیں اور پیچھے سے رسد پہنچائے جانے کی کوئی بھی جھوٹی سچی روایت تاریخوں میں دستیاب نہیں ہے من وسلویٰ کا بنی اسرائیل کے بعد کسی پر اترنا سنا نہیں گیا اور ڈیڑھ لاکھ کا لشکر گھر سے چلتے وقت ظاہر ہے کہ اسے نہ معلوم کتنے دن وہاں رہنا ہوگا اگر معلوم ہو بھی سکتا تو تین چار ماہ کی غذائی ضروریات جس میں جانوروں کا چارہ دانا بھی ہو ساتھ لے کے چلنا ناممکنات میں سے ہے اور سفر دارالحرب کی طرف نہیں ہے کہ مال غنیمت سے یہ ضرورتیں پوری کر لی جائیں گی ادھر حکایت سازوں کا اندازہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ماہ محرم کے علاوہ طلوع ہونے والا ہر سورج اپنے دامن میں گزشتہ روز سے زیادہ شدید جنگ لئے ہوئے طلوع ہوتا ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ”جرت بینھما حروب یطول ذکر ھا“ اتنی جنگیں ہوئی کہ ان

کا ذکر بھی ایک لمبی داستان ہے لیکن غذائی پہلو سے ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں لشکر اس طرح مطمئن ہیں کہ جیسے یہ لشکر نہیں ہیں بلکہ کرکٹ کی دو ٹیمیں ہیں جو فائیو سٹار ہوٹل میں قیام پذیر ہیں یا شاید انہیں بھوک لگتی ہی نہیں اور نہ ان کے جانور چارہ کھانا جانتے ہیں یا کسی تیسری فورم نے تماشائیوں کی دلچسپی کے لئے جنگ کا میچ رکھا ہے؟!

③ پورا مہینہ مصالحت کے لئے سفیروں کا تانتا بندھا رہا لیکن اس پورے عرصے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایسی نامعقول ترین سفارت کے علاوہ جس کی حضرت علی کی طرف نسبت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین ہے اور کسی سفارت کا اتہ پتہ نہیں ملتا حالانکہ مہینے کی آخری تاریخ کو جو اعلان جنگ ان کی طرف منسوب ہے اس میں ہے کہ ''میں نے تم پر حجت پوری کر دی لیکن تمہاری طرف سے مجھے مثبت جواب نہیں ملا'' لیکن یہ حجت کیسے پوری کی گئی؟ اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں صرف اتنی بات کا ذکر ہے کہ پورا مہینہ سفیروں کا تانتا بندھا رہا اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب کسی منصوص دلیل کا پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مسئلہ اجتہادی ہو تو حجت قائم کرنے کے نقطہ نظر سے صورت حال بہت نازک ہو جاتی ہے خصوصاً وہ حجت جس کے بعد اعلان جنگ کا جواز ثابت ہو جائے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب کہ ایک فریق دلائل سے تہی دست ہو اور فریق ثانی کے پاس یکطرفہ دلائل کی زبردست قوت کے ساتھ حکیمانہ ابلاغ کا تسلسل قائم ہو جائے اور یہ موقوف ہے موثر اور ناصحانہ سفارتوں پر اور چونکہ یہ ایک عوامی مسئلہ ہے اس لئے ایسی سفارتیں عوامی معلومات کی دسترس سے باہر نہیں ہوسکتیں لیکن یہاں حکایت سازوں کی روایت میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا جس کا مطلب یہ ہے کہ سفارتوں کی روداد سبائیوں کے حسب ذوق نہیں کیوں کہ ان کے تذکرے سے فریقین کے دلائل منظر عام پر آتے تھے جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اعلان جنگ کے منسوب کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی لہٰذا ان سفارتوں کے تذکروں کو گول کر جانا ہی حکایت سازی کے مفید مطلب تھا۔

④ محرم کی آخری تاریخ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلان جنگ فرماتے ہیں اور رات بھر فریقین لشکر کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں حتی کہ صبح تک اپنے اپنے لشکر کو ہر اعتبار سے مستعد اور

چاق و چوبند کر دیا گیا ہے اور صفر کی یکم کو جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے روزانہ تازہ دم فوج میدان میں اترتی ہے اور" اقتتل الناس قتالا شدیدا " (لوگوں نے سخت ترین جنگ لڑی اور خم ٹھونک کر لڑے) ہفتہ بھر یہی روزانہ کا معمول رہا ساتویں روز حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کے بعد فیصلہ کرتے ہیں کہ کب تک ہم ان کے خلاف پوری قوت کے ساتھ نہیں اٹھیں گے!! سوال یہ ہے کہ ہفتہ بھر سے جو لوگ شدید ترین جنگ لڑ رہے ہیں تو کیا یہ نرا ڈرامہ ہی تھا؟ گویا ابھی اٹھے ہی نہیں آج پہلے روز اٹھنے کا سوچا جا رہا ہے؟ حالانکہ ہفتہ پہلے منادی کے ذریعے باقاعدہ اعلان جنگ کرایا گیا تھا اور اسی صبح شدید ترین جنگ شروع ہوگئی تھی جو ابھی تک جاری ہے!! پھر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سن کر لوگ اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکے اور اپنی تلواروں نیزوں اور تیروں کو درست کرنے لگے، سوال یہ ہے کہ:

جب ہفتہ بھر سے جنگ مسلسل جاری ہے تو کیا اس نئے اعلان کے ساتھ زیر استعمال تلواریں نیزے اور تیر سبھی زنگ آلود ہو گئے؟ کہ اب وہ ان کی درستی کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں یا اب تک صرف ڈھول ڈھپا ہی تھا اور اسی کو شدید ترین جنگ کہہ دیا گیا؟...... پھر یہ کہ محرم کی آخری تاریخ کو اعلان جنگ کے ساتھ ہی لشکر کو ہر لحاظ سے تیار کر دیا گیا تھا تب سے اب تک جنگ مسلسل جاری ہے تو کیا ایک ہفتہ پہلے کا تیار کردہ چاق و چوبند لشکر ساتویں روز بکھر گیا ہے کہ ہر فریق لشکر کی تیاری میں اس طرح لگ گیا ہے جیسے کہ اس سے پہلے لشکر لڑنے کے موڈ ہی میں نہیں تھا؟

⑤ مورخہ ۸ صفر بروز بدھ حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر کی تیاری میں مصروف ہیں آج کی رات نہایت امن کی رات تھی جو تلاوت کرتے نوافل پڑھتے اللہ کا ذکر کرتے اور دعا مانگتے گزری کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی تلقین فرمائی تھی کہ چونکہ کل ہمیں میدان جنگ میں اترنا ہے لہٰذا رات بھر لمبا قیام کرنا ہے قرآن کی بہت زیادہ تلاوت کرنی ہے اللہ سے نصرت اور صبر کے لئے دعائیں مانگنی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کل آنے والا دن جنگ کا پہلا دن ہوگا تو اس سے پہلے کے جنگ کے تمام قصے افسانہ سازی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ اگر روزانہ جنگ ہوا کرتی تو کثرت تلاوت خصوصی نوافل ذکر اللہ اور دعائیں یہ معمول کا حصہ ہوتا خصوصی تلقین کا مطلب یہ ہے کہ جنگ ابھی شروع

ہوئی ہی نہیں بلکہ شروع ہونی ہے۔

⑥ صفین میں مدت قیام کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مختلف روایات نقل کی ہیں سیف بن عمرو سے روایت ہے کہ سات یا نو ماہ تک قیام رہا ابوالحسن بن براء تین ماہ اور بیس دن کا ذکر کرتے ہیں یعنی چار ماہ اور ابو مخنف کی روایت کے مطابق ستتر دن بنتے ہیں امام ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الاسلام میں صرف تین ہفتہ کا ذکر کیا ہے یعنی محرم کے عشرے میں صفین پہنچے اور ۱۳ صفر کو ثالثی نامہ لکھا گیا اور قصہ ختم ہو گیا۔

⑦ امام ذہبی رحمہ اللہ کی بات قرین قیاس بھی ہے اور دلائل کے لحاظ سے قوی بھی ہے کیونکہ یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں کہ پورا ایک ماہ مصالحت کی کوششیں تسلسل سے جاری رہیں اور اس عرصہ میں قرآن کی بات ذکر میں آئی ہی نہیں قرآن پر فیصلہ کی بات مؤرخہ ۹ صفر کو اہل شام کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اور یہ کہ اتنا بڑا لشکر ایک طویل مدت تک بے فکری سے رہ رہا ہے اور اخراجات کی کوئی پریشانی اسے لاحق نہیں ہوتی ذوالحج پورا مہینہ اور ماہ صفر کا پہلا عشرہ شدید ترین جنگیں جاری ہیں طرفین سے ۴۵، ۴۵ ہزار افراد قتل ہو چکے ہیں لیکن بے فکری سے روٹین کے مطابق لڑے جا رہے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں شام کو پچھلے پہر جنگ روک دی جاتی ہے تو آپس میں گھل مل جاتے ہیں جیسے باہم کوئی اختلاف موجود ہی نہیں ہے صبح اٹھ کر پھر کشتوں کے پشتے لگانا شروع کر دیتے ہیں شام تک ہزاروں افراد قتل کر کے پھر آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں؟! اس لئے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ لشکروں کا آمنا سامنا زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رہا بلکہ چند دنوں ہی کا معاملہ ہے۔ جس میں مصالحانہ صورت حال غالب رہی ہے اور بعض اوقات سبائیوں کی اشتعال انگیزی سے جنگی جھڑپ بھی ہو جاتی رہی ہے۔

⑧ ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لڑا دیا جبکہ ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ جمل یا صفین میں کہیں شریک ہی نہیں ہوئے تو انہوں نے کہیں سے میزائل داغا ہوگا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی میزائل فائر کر کے جواب دیا ہوگا اور بذریعہ وائرلیس ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ہوگا!

مورخہ ۸ صفر بروز بدھ جنگ کا پہلا دن

مصنف البدایہ کی روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدھ کی شام اپنی فوج کو آگاہ کیا کہ جنگ کے سوا اب کوئی چارہ نہیں' ابن جریر طبری کی روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب منگل کی شام مورخہ ۸ صفر کو تھا اور بدھ کے روز جنگ کا آغاز ہوا' ہم یہاں طبری ہی کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں''

''ابو مخنف کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بدھ کی صبح کو مقابلہ کے لئے نکلے اور پھر آپ رضی اللہ عنہ نے طویل دعا فرمائی اور لوگ بدھ کے دن ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے جنگ بہت شدید ہوئی اور یہ جنگ دن بھر بلا کسی وقفے کے جاری رہی صرف نماز کے لئے وقفہ کرتے تھے اور بہت قتل عام ہوا رات کو جنگ رک گئی کسی کو بھی برتری حاصل نہیں ہوئی اگلی صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعرات کے روز صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کی جس کے بعد اہل شام نے میدان میں آنا شروع کیا اور جب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے مقابلہ میں آگئے ہیں تو باقی سب لوگ بھی نکل آئے عبداللہ بن بدیل میمنہ پر تھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میسرہ پر تھے اور قراء اہل عراق عمار بن یاسر قیس بن سعد اور تینوں کے ساتھ تھے اور لوگ اپنے پرچموں اور اپنے مرکزوں پر تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کے درمیان قلب میں تھے جہاں اہل مدینہ تھے (طبری ج ۴ ص ۱۰) ''

''عبداللہ بن بدیل نے اپنے میمنہ کے ساتھ حملہ کر دیا اور اتنا گھمسان کا رن پڑا کہ عبداللہ بن بدیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ تک پہنچ گیا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے موت پر بیعت کی تھی عبداللہ بن بدیل سے مقابلہ کا حکم دیا اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دستہ کو لے کر ابن بدیل کے میمنہ پر حملہ کر دیا چنانچہ ابن بدیل کے میمنہ کو شکست ہوئی اور اہل عراق بھاگ کھڑے ہوئے ابن بدیل کے ساتھ صرف دو تین سو قاری باقی رہ گئے باقی تمام سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کو حکم دیا تو وہ اہل مدینہ کو لے کر آگے بڑھے اہل شام نے ان پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ انہیں بھی میمنہ سے ملا دیا میمنہ سے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے پاس قلب میں اہل یمن تھے وہ بھی بھاگ نکلے اور شکست کا دائرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ میسرہ کی طرف چلے پھر میسرہ سے بنو مضر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو چھوڑ کر بھاگ نکلے صرف بنو ربیعہ اپنی جگہ ثابت قدم رہے'' (طبری ج ۴' ص ۱۲)

''جب اہل عراق شکست کھا کر بھاگے تو حضرت علی ؓ میسرہ کی طرف آئے اتنے میں اشتر گزرا جو خطرے کے مقام کی طرف بھاگ رہا تھا حضرت علی ؓ نے پکارا اے مالک! اس نے کہا لبیک! آپ نے فرمایا لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو اس موت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے جس موت کو تم شکست نہیں دے سکتے اور تم اس زندگی کے لئے بھاگ رہے ہو جو باقی نہیں رہے گی؟ چنانچہ وہ گیا اور بھاگے ہوؤں کے سامنے آیا اور ان سے وہ باتیں کہیں جو حضرت علی ؓ نے کہی تھیں اور پھر پکار پکار کر کہنے لگا اے لوگو! میں مالک بن حارث ہوں میری طرف چلے آؤ میں مالک بن حارث ہوں! یہ سن کر ایک گروہ اس کے پاس چلا آیا اور ایک گروہ اس سے دور بھاگ گیا' اس نے لوگوں سے خطاب کیا اے لوگو! تم وہیں جا گھسے جہاں سے نکلے تھے (پنجابی محاورہ وڑ گئے جتھوں نکلے سی) آج تم بہت ہی بری جنگ لڑے ہو! اے لوگو! بنو مذحج کو میرے سامنے کرو بنو مذحج آ گئے تو اشتر کہنے لگا تم پتھر کی چٹان کو تھام کے بیٹھ گئے؟ تم نے اپنے رب کو راضی نہیں کیا اور دشمن کے معاملہ میں اللہ کے دین کی خیر خواہی نہیں کی! یہ کیسے ہو گیا؟ حالانکہ تم جنگوں کی گود کے پالے ہو' تم چھکے چھڑا دینے والے ہو' تم صبح کی یلغار کے جوانمرد ہو' تم میدان کارزار کے شاہسوار ہو' تم اپنے مدمقابل کی موت ہو تم وہ شمشیر زن ہو جن کے حملہ کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ جن کے خون رائیگاں نہیں جاتے اور جو کسی معرکے میں ناکامی سے آشنا نہیں ہوتے''۔

(طبری ج ۴ص ۲۷)

کہتے ہیں کہ اشتر کی اس تقریر سے ان بھگوڑوں میں یکا یک بہادری سرایت کر گئی اور جمعرات کی شام رات کو پھر جنگ چھڑ گئی اشتر میمنہ میں تھا حضرت ابن عباس ؓ میسرہ میں تھے اور حضرت علی ؓ قلب میں تھے لوگ ہر طرف سے جنگ میں مصروف تھے یہ جمعہ کا دن تھا اشتر اپنے میمنہ کو لے کر بڑھ رہا تھا اور جمعہ کی رات سے اس نے اس کا چارج سنبھالا تھا اور دن چڑھے تک لڑائی جاری رہی اشتر اپنے ساتھیوں سے کہتا بس نیزہ بھر آگے بڑھ جاؤ اور خود چند قدم اہل شام کی طرف بڑھ جاتا لوگ بھی اس کے ساتھ آگے بڑھ جاتے تو پھر کہتا بس! یہ کمان بھر اور آگے بڑھ جاؤ حتی کہ لوگوں کی اکثریت اس پیش قدمی سے تنگ آ گئی جب اشتر نے یہ دیکھا تو

کہنے لگا میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں خدا کرے آٹھوں پہر بکریوں کا دودھ پیتے رہو (یعنی اردو محاورہ: دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو!) پھر اس نے اپنا گھوڑا منگوایا اور پرچم حیان بن ہوذہ نخعی کو دیا اور خود لشکر میں چلتے ہوئے کہہ رہا تھا کون ہے جو اللہ سے اپنی جان خرید لے پھر اشتر کے ساتھ جنگ میں شریک ہو پھر یا غالب آئے یا اللہ سے جا ملے چنانچہ حیان بن ہوذہ اور ایک اور شخص دونوں اس کے ساتھ ہو لئے" (طبری ج ۶ ص ۳۴)

ان تینوں نے جب زبردست حملہ کیا کہتے ہیں کہ اہل شام کا لشکر شکست کھا کر بھاگ نکلا اور انہوں نے جان بچانے کی یہ سبیل نکالی کہ قرآن نیزوں پر اٹھا لئے ورنہ تو اشتر نخعی اب زندہ چھوڑنے والا نہیں تھا' ادھر "بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" اہل عراق پہلے ہی رستے تڑار ہے تھے اور جان چھڑانے کی فکر میں تھے انہوں نے قرآن کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بندی کا مطالبہ کر دیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق جمعہ والی رات جنگ نہیں رکی "عشاء اور مغرب کی نمازیں اشارے سے پڑھی گئیں اور یہ پوری رات جنگ جاری رہی اور یہ رات مسلمانوں میں بدترین رات تھی اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں" (البدایہ ج ۷ ص ۲۷۱)

ثمرۂ بحث

① حکایت سازوں کی کہانی جو پورا ماہ ذوالحج اور صفر کے پہلے عشرے میں نہایت ہلاکت خیز جنگ کا ذکر کرتی ہے اور کشتوں کے پشتے لگا دیتی ہے فریقین کے تقریباً نوے ہزار آدمی قتل کروا دیتی ہے گویا دونوں لشکروں کے ایک تہائی آدمی کام آ چکے لیکن جب اس کہانی کو کھنگالا گیا تو ثابت ہوا کہ جنگ درحقیقت مورخہ ۸ صفر بروز بدھ شروع ہوئی اور دوسرے روز جمعرات کو اہل عراق شکست کھا کر بھاگ نکلے اور تقریباً پوری فوج میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئی یہ تب ہے جب ہم طبری کی روایت کو پیش نظر رکھیں اور اگر البدایہ کی روایت کو لیں تو پھر یہ ہے کہ جنگ جمعرات ہی کو شروع ہوئی اور پہلے ہی معرکہ میں اہل عراق نے پیٹھ دکھا دی اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اگر دیگر معرکوں میں

اہل عراق کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو البدایہ کی روایت ہی صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سانحہ جمل میں شب خون مارنے کے بعد سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دستبردار ہونے تک اہل عراق نے یہ ریکارڈ قائم کیا ہے کہ جب بھی کسی میدان میں اترنا ہے تو بھاگ جانے کا پروگرام لے کر اترنا ہے لہذا پیچھے راستہ صاف ہونا چاہئے صرف نہروان ایک ایسا معرکہ ہے جس میں خارجیوں کے مقابلے میں یہ ثابت قدم رہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل نہروان یعنی خارجی صریحاً باطل پر تھے دوسری بات یہ کہ خارجی چند سو تھے اور یہ ایک لشکر جرار تھے اور مسئلہ اجتہادی نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خارجیوں کو قتل کر ڈالنے کا نہایت تاکیدی حکم موجود تھا لہذا جو نہروان میں آئے ان سب کو تہ تیغ کر دیا گیا لہذا نہروان کا معرکہ اس لحاظ سے ایک استثنائی صورت ہے۔

(۲) اشتر نخعی بھاگ جانے والوں کے پیچھے گیا اور ان میں سے بہت سوں کو سمجھا بجھا کر شرم دلا کر واپس لے آیا اب ان بھگوڑوں نے واپس آ کر جو حملہ کیا تو وہ اتنا زبردست تھا کہ اہل شام کو جان کے لالے پڑ گئے لہذا جان بچانے کے لئے قرآن کی آڑ لینی پڑی اور اس زبردست حملے کی کیفیت یہ تھی کہ اشتر انہیں آگے کھینچتا تھا اور وہ بیزار ہو کر قدم پیچھے کھینچتے تھے۔ اور آخر میں اشتر کے ساتھ صرف دو آدمی باقی رہ گئے

(۳) حکایت سازی کے اس طلسم میں بڑی تعجب انگیز صورت حال ہے یعنی ذوالحج کا پورا مہینہ شدید ترین جنگ جاری رہی اور ماہ صفر کا پہلا عشرہ بھی ہلاکت خیز جنگ کا عشرہ ہے کشتوں کے پشتے لگ گئے حکایت سازوں کی یومیہ رپورٹ یہ ہے: اقتتل الناس قتالا شدیدا وقد صبر کل فریق لصاحبہ و تکافؤ او تصابروا "(لوگوں نے مہلک ترین جنگ لڑی، اور ہر فریق اپنے حریف کے مقابل برابر ڈٹا رہا، اور ایک دوسرے کا صحیح جوڑ ثابت ہوئے، اور خم ٹھونک کے لڑے) لیکن پھر اچانک یہ کیا ہوا کہ مورخہ ۹ صفر ۳۷ ھ بروز جمعرات اہل عراق یکا یک میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتے ہیں جو سوا مہینے تک شدید ترین جنگوں میں خم ٹھونک کر لڑے ہیں ایک قدم بھی پسپا نہیں ہوئے تو آج کیا کسی فرشتے نے کان میں پھونک دیا تھا کہ بھاگ جاؤ؟ لیکن ان کا میدان جنگ

سے یہ پیٹھ پھیر کر بھاگنا ایسا رنگ لایا کہ شجاعت وجوانمردی کے تمام جو ہر بھاگنے والوں کے سینے میں بھر گئے اوران کو بھاگتا دیکھ کر اہل شام پر لرزہ طاری ہوگیا اوران کی تمام بہادری وجنگجوئی کافور ہوگئی چنانچہ جب اشتر نخعی بھگوڑوں کو گھیر گھار کے واپس لایا تو ان کے فرار من الزحف اور شکست خوردگی پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں برسنے لگیں اس پر مزید یہ ہوا کہ جب ان بھگوڑوں کو اشتر نخعی واپس میدان جنگ میں لے کے آیا تو ان کی یہ حالت تھی کہ اشتر انہیں قدم قدم آگے کھینچ رہا تھا اور وہ اپنا قدم پیچھے کھینچ رہے تھے اور اکتا کر بیزار ہو کر حوصلہ چھوڑ رہے تھے حتی کہ آخر میں اشتر کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے باقی سب حوصلہ چھوڑ کر پسپا ہو گئے تو اللہ کو ان کی یہ ادائے دلبرانہ اتنی پیاری لگی کہ یکا یک اہل شام کے دلوں میں رعب ڈال دیا حتی کہ انہوں نے ان ہمت شکستہ اور دل گرفتہ بہادروں کے ڈر سے نیزوں پر قرآن اٹھا لئے !! حیات انسانی کی یہ نرالی مثال جب سے آدم زمین پر اترے ہیں یہیں صفین کی اس طلسمی کہانی ہی میں دیکھنے کو ملی ہے اگر کسی نے اس کے علاوہ بھی ایسی مثال کہیں دیکھی یا سنی ہو وہ ہماری معلومات میں اضافہ کر کے ثواب دارین حاصل کرے بہت مشکور ہوں گے!

④ یہ اشکال غالباً حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو بھی پیش آیا ہے کیونکہ نہایت کھلی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں وہ دوبارہ اسی معرکہ میں جم کر نہیں لڑ سکتے پھر یہ کہ اشتر انہیں میدان میں لا کر ان سے کہتا ہے:

"از حفوا قيد هذا الرمح و هو يزحف بهم نحو اهل الشام فاذا فعلوا فقال از حفوا فاد هذا القوس فاذا فعلوا سئا لهم مثل ذلك حتى مل اكثر الناس الاقدام"

(بس نیزہ بھر آگے بڑھ جاؤ اور وہ خود اہل شام کی طرف تھوڑا سا آگے بڑھ جاتا ہے جب وہ اس پر عمل کر لیتے ہیں تو کہتا ہے بس ایک کمان بھر اور بڑھ جاؤ جب وہ یہ بھی کر لیتے ہیں تو ایسا ہی سوال ان سے پھر کر دیتا ہے حتی کہ لوگوں کی اکثریت اس پیش قدمی سے بیزار ہوگئی۔ (طبری ج ۴ ص ۳۴)

اشتر نے جب دیکھا کہ بات نہیں بن رہی تو اس نے کہا کہ کون ہے جو اللہ سے اپنی جان خرید لے اور میرے ساتھ جنگ میں شامل ہو تو اس کی اس پکار پر صرف دو آدمی لبیک کہتے ہیں تو گویا اشتر اور دو وہ کل تین نفر ہو گئے جن پر اب اہل عراق کا میمنہ مشتمل ہے اس میمنہ کی ہلاکت خیز یلغار کی تاب نہ لاتے ہوئے اہل شام نے کہتے ہیں نیزوں پر قرآن اٹھا لئے''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صورت احوال کی اس کیفیت کو عقل کے دائرے میں کیسے لایا جائے؟...... حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں:

'' وذلك ان الا شتر النخعي صارت اليه امرة الميمنة فحمل بمن فيها على اهل الشام و تبعه علي فتنقضت غالب صفو فهم و كادوا ينهز مون فعند ذلك رفع اهل الشام المصا حف فوق الر مح ''

''اور یہ اس طرح ہوا کہ میمنہ کی کمان اشتر نخعی کو مل گئی تو اس نے ان لوگوں کو لے کر جو میمنہ میں تھے اہل شام پر حملہ کر دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا ساتھ دیا جس سے اہل شام کی اکثر صفیں ٹوٹ گئیں اور قریب تھا کہ وہ شکست کھا جاتے کہ اس موقع پر اہل شام نے قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے۔''

(البدایہ ج ۷/ص ۲۷۲)

لیکن ابن کثیر کے اس جواب سے اشکال رفع نہیں ہوتا کیونکہ اشتر نخعی جس میمنہ کا کمانڈار ہے وہ آخر میں اشتر سمیت تین افراد کے مجموعہ کا نام ہے میمنہ کی کمان کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے جس سے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر شکست کھا جائے اور نہ وہ عصائے موسیٰ ہے کہ جس کے اژدھا بننے سے انسانی طبیعتیں خوفزدہ ہو کر بھاگ جائیں گی اور اشتر نخعی اشتر نخعی ہی ہے اسرافیل نہیں ہے کہ تنہا پورے لشکر کے لئے کافی ہو جائے اور پھر وہ آج نیا نہیں آیا تھا بلکہ اس کے بارے میں ہے کہ: فجعل علی یومر کل یوم رجلا واکثر من کان یومر الاشتر'' (البدایہ ص ۲۵۹)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ کے لئے روزانہ کسی کو امیر حرب بناتے تھے اور وہ اکثر اشتر ہی کو امیر بناتے تھے) اس لئے ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف سے جواب میں کہی گئی بات کوئی وزن نہیں رکھتی آخر سوچنے کی بات ہے کہ ایک دن پہلے بدھ کے روز حکایت سازوں کے بقول عراقی لشکر نے

بھرپور حملہ کیا ہے میمنہ میسرہ اور قلب کے تینوں لشکر جان توڑ کر لڑ رہے ہیں تلواریں ٹوٹ گئیں نیزوں کی انیاں مڑ گئیں کمانیں دوہری ہو گئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ ہیں آیات قتال پڑھ پڑھ کے لشکر کے حوصلے بڑھائے جا رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شجاعت انگیز خطبے ہیں اور تمام امراء لشکر کی جنگجویانہ اشتعال انگیز تقریریں ہیں لیکن شام تک بغیر کسی نتیجہ کے جنگ انجام پذیر ہوتی ہے اگلے روز بھی جنگ کی کیفیت وہی ہے لیکن کامیابی کے بجائے شکست فاش کا سامنا ہے اشتر کچھ لوگوں کو گھیر کر واپس لاتا ہے تو ان کی حالت یہ ہے کہ اشتر انہیں آگے کھینچتا ہے اور وہ پاؤں پیچھے کھینچتے ہیں آخر میں صرف دو آدمی اس کے ساتھ باقی رہ جاتے ہیں جن کے ساتھ وہ بھرپور حملہ کر کے اہل شام کو نیزوں پہ قرآن اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے بتائیے اسباب کی اس دنیا میں اسے بھگوڑوں کا معجزہ کہیں، کرامت کہیں، کرشمہ کہیں عجوبہ کہیں یا مداری کا جھرلو کہیں؟ یا کیا کہیں؟

حاصل کلام

حضرت ابووائل کی صحیح روایت...... سبائی روایتوں کا تناقض الجھاؤ اور نامعقولیت...... سانحہ جمل کی سازش کا نفسیاتی اسلوب...... اور اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقی نوعیت...... جس کا مفصل ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس چوکور میں جب آپ سانحہ صفین کا مطالعہ کریں گے تو حسب ذیل نتیجہ آپ کے سامنے واضح اور مبرہن ہو جائے گا۔

① یہ کہ دونوں لشکر صفین میں حسب روایت امام ذہبی محرم کے آخری عشرے میں فروکش ہوئے۔

② آتے ہی سبائیوں نے بتقاضائے سبائیت شرارت کی جس سے جنگی جھڑپ ہوئی اور شاید ایسا متعدد بار ہوا۔

③ فریقین کسی حال میں جنگ نہیں چاہتے تھے لیکن پھر بھی جنگ کے امکانات سو فیصد تھے۔

④ فریقین کے صفین میں اترتے ہی مصالحتی کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا جن میں لحہ بہ لحہ تیزی اور مستعدی آتی چلی گئی۔

⑤ مصالحتی کوششوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر اشعث بن قیس اور دوسری طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص ذوالکلاع الحمیری اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے، علاوہ ازیں قراء شام وعراق کا کردار اس بارے میں فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔

⑥ مصالحتی کوششوں کے امکانات جس قدر امید افزاء اور روشن ہوتے گئے اسی قدر سبائی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور اسی تناسب سے ان کی شرارتوں میں اضافہ ہوتا گیا جو جنگی جھڑپوں کی صورت میں بروئے کار آنے لگیں۔

⑦ سبائیوں کی جنگی جھڑپیں کھلی جنگ کی صورت اختیار کر سکتی تھیں لیکن قراء شام وعراق بر وقت آڑے آ جاتے رہے اور سبائیوں کی آرزوئیں خاک میں مل جاتی رہیں آخر میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے مشورے کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی مصالحتی تجویز کو بخوشی قبول فرمایا تو سبائیوں سے یہ برداشت نہ ہو سکا لہٰذا وہ آخری چانس کے طور پر اپنی پوری شریرانہ منصوبہ بندی کے ساتھ میدان میں کود گئے لیکن جب اہل شام کی طرف سے مناسب جواب ملا تو حسب عادت میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اب ان کے سامنے امید کی صرف ایک کرن باقی رہ گئی تھی کہ جنگ جمل والا داؤ آزمائیں یعنی رات کو سوئے ہوئے شامی لشکر پر شب خون ماریں اور جمل والے نتائج حاصل کر لیں چنانچہ ۹ صفر ۳۷ھ شب جمعہ کو انہوں نے یہی کام کیا اسی رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں ادھر حضرت اشعث رضی اللہ عنہ بن قیس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تجویز کا مثبت جواب لے کر غالباً جمعرات کی شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے تھے جس کے بعد جنگ کے امکانات ختم ہو گئے تھے چنانچہ جب سبائیوں نے حسب پروگرام شب خون مارا تو شامی لشکر نے مصالحتی پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جوابی کارروائیوں کو اپنے تحفظ اور دفاع تک محدود رکھا تا کہ مصالحتی عمل پر آنچ نہ آنے پائے اس میں شامی لشکر کو جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور ممکن ہے یہ سمجھ کر کہ یہ حملہ

کسی مغالطہ میں کیا جارہا ہے لہٰذا صلح کے عمل کی یاددہانی کے لئے قرآن نیزے پہ اٹھایا ہوتا کہ حملہ آوروں کو معلوم ہو سکے کہ ہم اسی صلح پر قائم ہیں جو طے پاچکی ہے اس لئے ہم حملے کا جواب نہیں دیں گے لیکن سبائیوں نے شاید اسے اہل شام کی کمزوری سمجھا لہٰذا اس حملہ میں اور زور دکھایا بالآخر اہل شام نے ٹیلے پر پناہ حاصل کی لیکن مصالحتی عمل کو مجروح نہیں ہونے دیا ورنہ تو سبائیوں کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا' اس صورت حال کو دیکھ کر شام و عراق کے قراء حضرات حرکت میں آئے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سبائیوں کی یہ شریرانہ کارروائی رکوانے کے لئے کہا لیکن سبائی یہ کارروائی روکنے پر آمادہ نہیں ہیں اس لئے قاریوں کا سبائی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جنگ جاری رکھنے کی اجازت لینے پہنچتا ہے اشتر نخعی اس موقع کو غنیمت جان کر حملہ اور بھی سخت کر دیتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت سختی سے حکم دیتے ہیں کہ جنگ روک دی جائے تو اشتر نخعی اپنی آنکھوں سے اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا نہیں دیکھ سکتا اس لئے وہ اپنا غیظ و غضب شام و عراق کے ان قاری حضرات کو گالی دے کر ٹھنڈا کرتا ہے جو شروع سے اب تک جنگ کی راہ میں ایک مضبوط دیوار بن کر حائل ہیں۔

⑧ اس سے پہلے یہ بات پوری وضاحت اور قطعی دلائل کے ساتھ مفصل گزر چکی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل عراق کا سبائی ٹولہ ہے اور حدیث شریف میں ''الفئة الباغية '' انہی کو کہا گیا ہے لیکن انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کب اور کیسے قتل کیا؟ اگر یہ بات آشکار ہوتی تو حدیث شریف میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی پیشگی نشاندہی اور تعین کی کوئی وجہ نہیں تھی نشاندہی کی وجہ شاید یہی ہے کہ قتل کے الزام میں دھاندلی کی جانی تھی اس لئے پیشگی بتادیا گیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل وہ نہیں ہوں گے جن کی طرف قتل منسوب کیا جائے گا بلکہ عمار رضی اللہ عنہ کو ''الفئة الباغية '' قتل کرے گی اور ''الفئة الباغية '' کو علامات و تعریفات سے متعین فرمادیا گیا تھا تاکہ کسی کو مغالطہ نہ ہو لیکن سبائیوں نے اس بارے میں گھپلا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کسی گہری سازش اور بڑی منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا اور غالباً یہ ناپاک

اقدام اسی رات کیا گیا جس رات سبائیوں نے شب خون مارا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ غالباً جنگ روک دینے کے لئے اصرار کر رہے تھے اس وقت انہیں قتل کیا گیا' کیونکہ حدیث شریف میں قاتلین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

" یدعوھم الی الجنة وھم یدعونه الی النار "

(عمار رضی اللہ عنہ انہیں جنت کی طرف پکار رہا ہوگا اور وہ اسے جہنم کی طرف پکار رہے ہوں گے)

حدیث شریف کا یہ فرمان اسی صورت حال پر صادق آتا ہے کیونکہ عمار رضی اللہ عنہ انہیں المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم "(اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو) کے فرمان الٰہی کی طرف دعوت دے رہے تھے جو جنت کی راہ ہے اور سبائی انہیں اہل ایمان کے خلاف جنگ پر قائل کر رہے تھے جو جہنم کی راہ ہے ورنہ طرفین سے دعوت کی عملی صورت اس کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہیں ہے طرفین سے دعوت کی اسی کشمکش میں وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیتے ہیں' دوسری یہ بات بھی تھی جیسا کہ قتل عمار رضی اللہ عنہ کے باب میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے کہ مصالحت کی تکمیل کی صورت میں سبائیوں کو اتحاد امت کا خطرہ ڈرانے لگا تھا لہٰذا مصالحت کو ناکام بنانا ان کے لئے موت وحیات کا مسئلہ تھا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک تدبیر تو وہی تھی جسے سانحہ جمل میں آزمایا جا چکا تھا لیکن شامی لشکر کی مستعدی چوکسی اور فنی مہارت کے پیش نظر اس تدبیر کی ناکامی کے امکانات بھی واضح تھے لہٰذا کسی ایسی متبادل تدبیر کا ہونا بھی ضروری تھا جو آزمودہ تدبیر میں ناکامی کی تلافی کر سکے اور وہ تدبیر قتل عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور ممکن ہی نہیں تھی کیونکہ اگر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اہل شام کو ان کا قاتل قرار دے دیا جائے تو انہیں الفئة الباغیة سمجھ لیا جائے گا جن کا قتل کیا جانا بموجب فرمان نبوی واجب اور فرض ہے جس کے بعد کوئی بھی ان سے مصالحت کا معاملہ کرنے کا روادار نہیں ہوگا' مسند احمد کی روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا یہ ہے کہ:

" انما قتله علی واصحابه جاؤ ابه والقوه بین رماحنا "

(عمار رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ اور اس کے لشکر والوں ہی نے قتل کیا ہے اور لا کر

ہمارے نیزوں کے درمیان ڈال گئے ہیں)

(مسند احمد الفتح الربانی ج ۲۳، ص ۱۴۲)

لیکن سبائیوں نے پروپیگنڈے کی اپنی پوری فنکارانہ مہارت سے یہ مشہور کیا کہ اہل شام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا! جس سے معلوم ہوا کہ وہ "فئة باغية" ہیں!...... لیکن صلح کی کارروائی ان کے اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو سکی شاید اس لئے کہ "الفئة الباغية" کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خصوصی ہدایات دی گئی تھیں اور اس کی علامات وضاحت سے بتائی گئی تھیں تا کہ ان سے نمٹتے وقت پہچاننے میں غلطی نہ لگے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خارجیوں کو قتل کرتے ہیں تو "الفئة الباغية" کے بارے میں رسول اللہ کی فرمودہ علامات ان پر منطبق کرتے ہیں اور جب کوئی علامت منظر عام پر نہیں آتی تو فرماتے ہیں تم جھوٹ کہتے ہو اللہ اور اس کے رسول نے جھوٹ نہیں کہا کچھ وقت کے بعد وہ علامت بھی سامنے آ جاتی ہے تو اللہ کا شکر بجالاتے اور اطمینان کا اظہار کرتے ہیں لیکن صفین کے بارے میں وہ اپنے اقدام کو محض اپنے اجتہاد پر مبنی قرار دیتے ہیں اور پوچھنے پر صاف فرماتے ہیں مجھے الگ سے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت نہیں فرمائی بلکہ یہ میرا اجتہاد ہے جو فہم قرآن پر مبنی ہے لہٰذا جب معاملہ خالصتاً اجتہادی تھا جبکہ نہروان میں الفئة الباغية کے خلاف اقدام اجتہادی کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات پر مبنی تھا پھر کیسے ممکن تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سبائیوں کے پروپیگنڈے سے دھوکا کھا جاتے اور صلح کے منافی کوئی اقدام کر ڈالتے لیکن یہ بھی کیسے ممکن تھا کہ سبائی اپنی دونوں کارآمد تدبیروں کی ناکامی برداشت کر سکتے! لہٰذا جب دیکھا کہ نہ شب خون مارنا کام آیا اور نہ قتل عمار رضی اللہ عنہ سے بات بن پائی تو "لا حکم الا اللہ" کا نعرہ لگا کر مصالحت کے عمل کو سبوتاژ کرنے کے لئے شرارت کا ایک نیا باب کھول دیا حتیٰ کہ تحکیم (ثالثی) کا عمل اسی شر یرانہ اقدام کا ہدف بنا جیسا کہ تحکیم کی بحث میں آپ تفصیلاً پڑھیں گے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال جواب طلب ہے، وہ یہ کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ اصلاح تھا تو پھر شام کی طرف لشکر لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ سوال پیدا ہونے کا سبب درحقیقت حالات سے بے خبری ہے، درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے لکھے گئے جھوٹے خطوط اور اسی سیاق میں حضرت عثمان الامین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سبائی میڈیا کا سانحۂ قتل کو حضرت علی کی طرف منسوب کرنا پھر حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سائے کی طرح ان کے ساتھ لگ جانا، اس ناگوار صورت حال سے گھبرا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کا صحابہ وتابعین کے جم غفیر کے ساتھ عازمِ مکہ ہونا اور وہاں سے اصلاحِ حال کے لئے حضرت ام المؤمنین کے ہمراہ بصورتِ لشکر بصرے کا رخ کرنا اور سبائیوں کا اپنے پروپیگنڈے میں اسے یہ رنگ دینا کہ طلحہ وزبیر صحابہ کے جم غفیر کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں حضرت عثمان کا قصاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرمِ نبوی کے سبائیوں کو لے کے نکلنا تاکہ مدینہ طیبہ ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے اور طلحہ رضی اللہ عنہ زبیر رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مل کر فتنے سے عہدہ برآمد ہونے کے لئے مناسب لائحہ عمل تیار کیا جائے، اور سبائیوں کا اس نکلنے کو جنگی اقدام قرار دینا اور پھر جمل میں جنگ برپا کر کے دکھا دینا اور پھر یہاں سے حضرت علی کا سبائیوں کے ہمراہ شام کا رُخ کرنا اور سبائیوں کا اس مہم کو بھی جنگی مہم ہونے کا پروپیگنڈا کرنا اور اس سبب کے صحابہ کا کنارہ کش رھنا، جھوٹے خطوط سے لے کر صفین میں اترنے تک واقعات کا یہ تسلسل اتفاقا ایسی صورت میں متشکل ہوتا چلا گیا کہ اس کا ہر لمحہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو مشتبہ بنا رہا ہے اور سبائی میڈیا کا دجل آمیز منفی پروپیگنڈا جھوٹ کو حقیقت کا لباس پہنا رہا ہے، ۳۴ھ جھوٹے خطوط کا سال ہے اور آج ۳۷ھ ہے جب صفین میں اترے ہیں، گندے والے تین سال کا ہر لمحہ حالات کی الجھی گتھی میں نئی گرہ ڈال دیتا ہے اس قدر الجھے ہوئے حالات کو سلجھا کر تعلقات کی فضا کو خوشگوار بنا دینا اور شام میں سکونت پذیر صحابہؓ و تابعین کے دلوں کی کدورتیں دھو دینا اور جنگ کے ماحول کو ''فاصبحوا بنعمة ربك اخوانا'' تیرے رب کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے...... کے ماحول میں بدل دینا یہ کوفے اور شام کے قاری حضرات کا بہت بڑا کارنامہ ہے، یہ دوسری بار

ہے کہ سبائیوں نے صلح کے فیصلہ کو اس وقت سبوتاژ کر دیا جب وہ نتیجہ تک پہنچ گیا تھا، کوفے کے قاری حضرات در حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ لشکر تھا جو صحابہؓ وتابعین پر مشتمل تھا جو حضرت علی کے ساتھ اس لئے چلے تھے کہ جنگ کی نوبت پیش نہیں آنے دیں گے بلکہ باہمی بات چیت سے غلط فہمیاں دور کی جائیں گی اور اتحاد و اتفاق کی صورت پیدا کی جائے گی اور فتنہ سے عہدہ برآمد ہونے کے لئے متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے گا، اور اس لشکر کی تعداد پندرہ بیس ہزار تھی یہ لوگ میدان جنگ میں نہیں اترے جنگی کاروائی سبائی گروپ کا فعل تھا جس میں کوفے والے قاری آڑے جاتے تھے اور کوفے والوں نے جاتے ہی شام کے قاریوں یعنی صحابہؓ وتابعین سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور جواب مثبت پا کر ان کے تعاون سے مصالحت کے مشن میں سرگرم ہو گئے تھے لیکن سبائی جنگی جھڑپوں سے باز نہیں آتے تھے انہیں صلح کسی قیمت پر گوارا نہیں تھی اور قاری حضرات کو جنگ ہونا کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا دونوں کے مشن میں ٹکراؤ ہے اسی لئے صلح کے معاملہ کو تکمیل تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی، حضرت علی چونکہ قاریوں کے مشن کی حمایت میں تھے اس لئے کوفے اور شام کے قاری حضرات کو اپنے مشن میں کامیابی ہوئی۔

باقی جنگ کی کہانیاں وہ سبائیوں کی کارستانیوں کے افسانے ہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں یہاں ایک سوال اور حل طلب ہے، یہ کہ جب بصرے میں حضرت طلحہ وزبیر سے ملاقات کے بعد سبائیوں کو حضرت علی اپنے سے جدا کر دیا تھا، پھر ان کو اپنے ساتھ کیوں ملایا جب کہ علیحدہ ہونے کے بعد وہ جمل میں اپنا ہاتھ دکھا چکے تھے؟، اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان بدطینتوں سے بیزار تھے چاہتے تھے کہ ایک لمحے کے لئے بھی انہیں ساتھ نہ رکھیں حالات کی ستم ظریفی نے ایسی الجھنیں پیدا کر دیں جن کے باعث ان بدبختوں کو مجبوراً ساتھ رکھنا پڑ گیا، جنگ جمل کے بعد ان کے بارے میں حضرت علی کی پالیسی یہ تھی کہ ان کو تنہا نہ چھوڑا جائے ورنہ یہ امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائیں گے لہٰذا کم از کم خلافت کی بیعت مکمل ہونے تک ان کو اپنے قابو میں رکھا جائے اسی وجہ سے آپ ان کو صفین میں لے گئے جب آپ صفین سے واپس آرہے تھے تو یہ راستے ہی میں بارہ ہزار کی تعداد میں حضرت علی سے جدا ہو گئے اور مقامِ حرورا میں فروکش ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اقدام کیا اور ان کے لیڈروں کو مختلف عہدوں پہ روانہ کر دیا جب ان

کی قیادت نہ رہی تو حضرت علی سب کو سمجھا بجھا کر کوفے لانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ انہوں نے کوفے میں آنے کے بعد بہت ستایا۔

حضرت علی منبر پہ آتے تو یہ لوگ "لا حکم الا اللہ" کا نعرہ لگا کر مسجد میں اودھم مچا دیتے حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریر نہ کر سکتے، اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ صبر اور تحمل سے کام لیتے رہتے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سبائیوں کو قابو رکھنے کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی، اور انہوں نے عبداللہ بن وھب راسبی کو اپنا امیر چنا اور کوفے سے نکل نکل کر نہروان پہنچ گئے لہٰذا حضرت علی و مجبوراً ان کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر پڑا۔

تحکیم

تحکیم کے معنی ہیں فریقین کا اپنے مابین تنازع کے تصفیہ کے لئے کسی تیسرے کو ثالث بنانا اور یہاں تحکیم سے مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث بنانا جس کا سبب یہ بات ہوئی کہ خلیفۃ النبی کی شہادت کے نتیجہ میں جو امت میں اختلاف پھوٹ پڑا ہے امت کو اس اختلاف سے نکال کر پھر سے اتحاد کے رشتے میں پرو دیا جائے' اب اگر معاملہ یہیں تک ہوتا کہ ثالث اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے ایک فیصلہ پر پہنچیں گے اور فریقین فیصلہ سن کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو معاملہ میں کوئی الجھن نہ تھی' لیکن یہ تبھی ہوسکتا تھا جب معاملہ فقط ثالثوں اور فریقین سے متعلق ہوتا جیسا کہ عام طور پر ہوتا رہتا ہے مگر یہاں ایک اور گروپ بھی ہے جس کا مشن ہے ''نہ کھیڈاں نہ کھیڈن دیواں۔

اس گروپ کو سبائی گروپ کہتے ہیں اس گروپ نے اپنے اس ابلیسی مشن کا آغاز خلیفۃ النبی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے خلاف نہایت جھوٹے اور گھٹیا پروپیگنڈے سے کیا تھا اور اس گروپ کے اس ناپاک مشن کا نقطہ عروج خلیفۃ النبی کی اندوہناک شہادت کا سانحہ تھا جس کے نتیجہ میں اصلاح احوال کے لئے کئے جانے والے اقدامات سنگین قسم کے اختلاف رائے کی صورت میں نمودار ہوئے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم ہر حال میں اس اختلاف سے نکلنے کی تگ و دو کر رہے تھے ان کی یہ مبارک کوشش انجام کار ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ثالث مقرر کئے جانے پر منتج ہوئی کہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی اپنی ایمانی بصیرت اور غیر معمولی خداداد مدبرانہ صلاحیت کو بروئے کار لا کر امت کے اتحاد کی تدبیر کریں' یہ تو تھے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی مؤمنانہ آرزوئیں مؤمنانہ راہ پر گامزن ہیں لیکن دوسری طرف سبائی ٹولہ اپنی تمام فریب کارانہ چالوں کے ساتھ ہمہ وجوہ مستعد ہے' خلیفۃ النبی کو اس لئے شہید نہیں کیا تھا کہ بعد میں امت کے اتحاد کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑے گا! سبائی بھی زندہ ہوں اور پھر امت متحد رہ جائے؟...... ناممکن! ناممکن!! چنانچہ صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اتحاد کا عمل تکمیل کو نہیں پہنچنے دیا گیا بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ثالثوں سے ایسا گھناؤنا انتقام لیا گیا کہ ان کی عبقری شخصیتوں کو اپنی ناپاک ترین پر

وپیگنڈائی مہم کے ذریعہ ایک معمولی آدمی کی سطح سے بھی گھٹیا دکھایا گیا اور واقعات میں جھوٹ اس قدر بولا گیا کہ جھوٹ کی غلاظتوں کے ڈھیر لگ گئے جس سے ایک سیدھا سادہ واقعہ اتنا الجھ گیا کہ جھوٹ کی غلاظتوں کے اس ڈھیر میں سچ اپنا وجود ہی کھو بیٹھا' اگر معاملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی آبرو کا نہ ہو تا تو جھوٹ کے اس ڈھیر کے قریب سے بھی نہ گزرتے بلکہ دور ہی سے ناک پکڑ کر منہ پھیر لیتے لیکن یہاں معاملہ یہ آن پڑا ہے کہ غلاظت پھینکنے والے سبائی پائپ کا رخ اصحاب محمد کے پاک دامن کی طرف ہے جو پورے پریشر سے غلاظت پھینک رہا ہے تو جیسے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دامن کو پاک دیکھنا گوارا نہیں ہوتا ایسے ہی ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاک دامن کو میلا دیکھنا گوارا نہیں ہوتا! منحوس الفطرت لوگ داغ لگائیں گے اور ہم دھوئیں گے حتی کہ اگر آب مصفی کام نہیں کرتا تو ہم اپنے خون رگ جان سے دھونے کو سعادت سمجھتے ہیں۔

غرض واقعہ تحکیم کو بھی سبائی تیز دستی نے اسی سلسلہ کے دیگر بہت سے واقعات کی طرح ایک نہایت پیچیدہ اور الجھا ہوا واقعہ بنا کے رکھ دیا ہے ہم اس الجھاؤ کی گرہیں کھول دینا چاہتے ہیں اور جھوٹ کا میک اپ زائل کر کے واقعہ کو اس کی سادہ اور اصلی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم جب واقعہ کی گرہیں کھولیں گے تو واقعہ کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا...... ثالثوں کا تقرر، ثالثی نامہ کا متن، معاہدہ تحکیم کے حدود و آداب، ثالثوں کی عبقری شخصیتیں، ثالثی کے لئے نفسیاتی فضاء ...... ثالثوں کا فیصلہ...... فیصلہ کا اعلان...... اور سبائی پروپیگنڈے کا طوفان...... اور نتائج......

تو آیئے! سب سے پہلے "ثالثوں کی عبقری شخصیتیں" دیکھتے ہیں جن کے سپرد فریقین نے امت کی قسمت کر دی اگر یہ دونوں حضرات نا اہل تھے تو اس کی ذمہ داری براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہو گی جنہوں نے امت کی قسمت کا فیصلہ نا اہلوں کے حوالے کر دیا۔

ثالثوں کی عبقری شخصیتیں

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو نبی اکرم ﷺ انہیں اپنے بہت قریب رکھتے تھے ان کی سوجھ بوجھ تجربہ کاری اور بہادری کی وجہ سے آپ نے انہیں غزوۃ ذات السلاسل میں سپہ سالار بنا کے بھیجا اور اس لشکر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کی کمان میں ہیں' بعد میں انہیں آپ ﷺ نے عمان پر عامل بنایا اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ عمان کے امیر ہی تھے' پھر شام کی جنگوں میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف لشکروں کے امیر رہے قنسرین انہیں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ حلب' منج اور انطاکیہ والوں نے انہیں کے ہاتھ پہ صلح کی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فلسطین پر عامل بنایا ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو چلے جاتے دیکھا تو فرمایا: ابوعبداللہ تو بطور امیر ہی چلتے پھرتے اچھے لگتے ہیں' قبیصہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں میں نے کسی شخص کو ان سے بڑھ کر نہیں دیکھا جو قرآن بیان کر سکتا ہو اور ان سے بڑھ کر کریمانہ اخلاق کا مالک ہو اور جس کا ظاہر و باطن ایک ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ اس کی زبان میں لکنت اور الجھاؤ ہے کہ وہ بات سمجھا نہیں سکتا تو کہتے میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خالق ایک ہے' یعنی اس کی تخلیق کا کمال ہے کہ کہیں تیرے جیسے کودن اور گاؤدی پیدا کر دیئے اور کہیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے عقل کے بادشاہ اور رائے کے عبقری انسان بنا دیئے امام شعبی کہا کرتے تھے کہ عرب کے عبقری سیاستدان چار ہیں ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کو شمار کرتے اور پھر کہتے کہ باقی رہے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص تو وہ پیچیدہ ولاینحل معاملات کی گتھیاں سلجھانے کے لئے ہے'' (الاصابۃ ۳/۲)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص قریش کے صالحین میں سے ہیں'' بغوی اور ابویعلی نے اس میں مزید اضافہ کیا ہے کہ: ''آپ ﷺ نے فرمایا کیا اچھا گھرانہ ہے عبداللہ، عبداللہ کا باپ اور عبداللہ کی ماں''

(الاصابہ ۳/۲)

''جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر مدینہ آئے انہیں جب نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں''۔ (الاستیعاب ہامش الاصابہ ۲/ ۵۰۸)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور عمارہ بن خرم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عاص کے دونوں بیٹے مومن ہیں عمرو بھی ھشام بھی علقمہ رضی اللہ عنہ بن رمثہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین کی طرف ایک لشکر بھیجا پھر آپ خود ایک فوجی دستے میں نکلے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ ﷺ سو گئے پھر جاگے تو فرمایا اللہ عمرو رضی اللہ عنہ پر رحم کرے! یہ کون عمرو ہو سکتا ہے......؟ ہم نے آپس میں عمرو نام کے سب افراد کا تذکرہ کیا' آپ دوبارہ سو گئے پھر جاگے تو فرمایا اللہ عمرو رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! ہم نے عرض کیا کون عمرو یا رسول اللہ؟ فرمایا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عرض کیا اسے کیا ہوا؟ فرمایا وہ مجھے یاد آ گیا تھا! حقیقت یہ ہے کہ میں نے جب بھی لوگوں کو صدقے کے لئے پکارا تو عمرو رضی اللہ عنہ صدقہ لے کے آیا اور جھولیاں بھر دیں! میں اس سے کہتا اے عمرو رضی اللہ عنہ تنا تجھے کہاں سے مل گیا؟ تو وہ کہتا اللہ کے ہاں سے واقعی عمرو رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ کے ہاں بہت بھلائیاں ہیں''

(کنز العمال ۱۳/ ۵۴۹)

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سیرت میں قابل لحاظ امور:

① عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کو نبی ﷺ کی طرف سے کمال درجے کا اعتماد حاصل ہے' آپ ﷺ انہیں قریب رکھتے ہیں' اہم امور میں مشورہ لیتے ہیں' غیر معمولی معاملات ان کے سپرد کئے جاتے ہیں' آپ ﷺ کی وفات کے وقت بھی وہ عمان پر آپ ﷺ کی طرف سے عامل ہیں۔

② حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان کو لشکر کا سربراہ بناتے ہیں چنانچہ قنسرین' حلب منج انطاکیہ اور مصر کے فاتح عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص ہی ہیں' فلسطین کے اور پھر مصر کے عامل رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تا دم آخر معزول نہیں فرمایا۔

③ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عبقری شخص جو رائے قائم کرنے میں انتہائی محتاط اور انتہائی سخت ہے وہ عمرو رضی اللہ عنہ کی عقل و دانش اور ذہانت و زیرکی پر حیران ہیں اور اسے قدرت کا ایک خاص

معجزہ قرار دیتے ہیں اور جو اعتماد ان پر نبی ﷺ کو تھا ٹھیک وہی اعتماد ان کے بارے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ہے۔

④ قبیصہ بن عامر کی عمرو بن عاص کی صحبت میں رہنے کے بعد مشاہداتی گواہی درحقیقت نبی ﷺ کے اس فرمان کی عملی تفسیر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ عاص کے دونوں بیٹے عمرو اور ہشام مؤمن ہیں۔

⑤ نبی ﷺ کا عمرو بن عاص کی مؤمن کے لقب سے مدح فرمانا اس لئے نہیں ہے کہ ان کا ایمان دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی نرالا تھا بلکہ شاید اس لئے کہ مستقبل میں اتحاد امت کا کارنامہ سرانجام دینے پر سبائیوں کی طرف سے انہیں منافق کے کردار میں پیش کیا جانا تھا اس لئے آپ نے پیشگی فرما دیا کہ عمرو رضی اللہ عنہ مؤمن ہے تاکہ اہل ایمان ان کے بارے میں سبائی پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں اور ان کی طرف منسوب جب کوئی ایسی بات سنیں جو صفت ایمان کے منافی ہو تو سمجھ لیں کہ نبی ﷺ خود اس کی تردید فرما چکے ہیں لہٰذا یہ جھوٹی اور من گھڑت بات ہے۔

⑥ علقمہ کی خواب والی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص سے بے حد محبت کرتے ہیں۔

⑦ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو پیچیدہ ولاینحل مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے لئے ہے۔ سبائی روایتیں فرماتی ہیں: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو قابل حل مسائل کی گتھیاں الجھانے کے لئے ہے۔

⑧ نبی ﷺ کی گواہی اللہ کی گواہی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گواہی گویا نبی ﷺ کی گواہی ہے۔ اس کے بعد کسی اور گواہی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

⑨ سبائیوں کی گواہی درحقیقت ابلیس کی گواہی ہے اور ابلیس سے زیادہ جھوٹا کون ہو سکتا ہے......؟

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

السابقون الاولون میں سے ہیں، نبی ﷺ نے یمن میں انہیں عامل بنایا اور آپ ﷺ

کی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرے کا عامل بنایا اھواز واصفہان انہوں نے فتح کیے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کے مطالبہ پر انہیں کوفہ کا عامل بنایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت وہ اسی عہدے پر تھے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں لکھا کہ میرا کوئی عامل ایک سال سے زائد عرصے کے لئے نہ رکھا جائے سوا ابوموسیٰ اشعری کے کہ انہیں چار سال تک برقرار رکھا جائے امام شعبی کہتے ہیں علم چھ افراد پر ختم ہے جن میں ایک ابوموسیٰ ہیں ابن مدینی کہتے ہیں امت کے جج چار ہیں عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (الاصابہ ۲/۳۵۹،۳۶۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ علم کے رنگ میں رنگے گئے ہیں (الاستیعاب ہامش الاصابہ ۲/۳۷۳)

سیرت ابوموسیٰ میں قابل لحاظ امور:

① جس کو نبی ﷺ نے عامل بنایا اور آخر دم تک وہاں سے نہیں ہٹایا۔

② پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں عامل بنایا جن کی احتیاط اور سخت گیری معروف ومشہور ہے۔

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وصیت فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کو میرے بعد چار سال تک ان کے عہدے سے سبکدوش نہ کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خصوصی طرز عمل ابوموسیٰ کی عبقریت کی دلیل ہے اور ان کے مدبر دور اندیش زیرک اور باکمال ہونے کی دلیل ہے۔

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اھواز واصفہان کے لئے سپہ سالار بنایا چنانچہ دونوں ممالک فتح کیے۔

⑤ امت کے عبقری ججوں میں عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے بعد تیسرا نمبر انہی کا ہے۔

⑥ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے چھ علماء میں ایک نام ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ہے

⑦ سب سے بڑھ کر یہ کہ السابقون الاولون میں سے ہیں اور یہ وہ صفت ہے جس کے برابر ایمان کے بعد کوئی دوسری صفت نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص دونوں حضرات کی سیرت کا نقشہ آپ دیکھ چکے ہیں یہ ان کی سیرت کا وہ نقشہ ہے جس پر بنفس نفیس خاتم النبیین ﷺ کی گواہی موجود ہے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی گوائی موجود ہے اس کے بعد ان کی سیرت کا دوسرا نقشہ آپ کے سامنے سبائی روایات کی گواہی سے آئے گا جو اس مذکورہ نقشے کی قطعی ضد اور نقیض ہے اور دونوں نقشوں میں وہی فرق ہے جو نور و ظلمت میں ہے دن اور رات میں ہے لیکن ان روایات کا آپ سے مطالبہ ہوگا کہ ان حضرات کی سیرت کا آپ وہی نقشہ صحیح مانیں جو سبائی روایات نے کھینچا ہے اور جو نقشہ احادیث نبویہ میں معلوم و معروف ہے اس کو نظر انداز کر دیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی ﷺ کی بات (العیاذ باللہ) غلط اور سبائیوں کی بات سچی......!

ثالثوں کا تقرر:

جب یہ بات طے ہوگئی کہ فریقین صلح کے طلب گار ہیں تو اب اگلا قدم یہ ہے کہ صلح کی تکمیل کا کام کس کے سپرد کیا جائے اس کے لئے ظاہر ہے کہ ایسے افراد درکار ہیں جو (۱) صادق اور امین ہوں اور (۲) کوئی سی دنیوی غرض نہ رکھتے ہوں۔ (۳) امت کے اتحاد سے زیادہ کوئی دوسری چیز انہیں مطلوب نہ ہو۔ (۴) زیرک معاملہ فہم اور مدبر ہوں۔ (۵) فریقین کے لئے قابل اعتماد ہوں۔ (۶) جانبداری کے رجحان سے بالاتر ہوں۔

اس میں شبہ نہیں کہ جن دو حضرات کو ثالث مقرر کیا گیا وہ بجا طور پر ان چھ شرطوں پر کماحقہ پورا اترتے تھے جیسا کہ ان کی سیرت کے بیان سے واضح ہے اور اگر ثالث مقرر کرنے والے لوگ ثالثوں کے لئے مذکورہ شرائط کو ملحوظ نہ رکھیں تو گویا وہ خود امت کے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ ان کے پیش نظر اپنی اپنی اغراض ہیں اور پھر وہ آخرت کے نہیں بلکہ دنیا کے بندے ہوں گے۔ یہاں ثالث مقرر کرنے کے ذمہ دار امت کی دو عظیم ترین ہستیاں ہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خدانخواستہ کسی بدطینت کا بغض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن ظنی میں رکاوٹ بنتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت تو بہر حال آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ اتحاد امت جیسے نازک ترین مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ثالث مقرر کرتے وقت ان بنیادی اور لازمی شرائط میں کسی نرمی یا بے احتیاطی سے کام لیں اگر خدانخواستہ کسی بھی مصلحت کے

پیش نظر ایسا کریں تو ان کی اپنی شخصیت مجروح ہو کے رہ جائے گی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص کو ثالث مقرر فرمایا تو گویا وہ اپنی اس نازک ترین ذمہ داری سے ایمان وامانت کے تقاضوں کے عین مطابق عہد برآ ہوئے ہیں ان کا یہ انتخاب بہترین انتخاب تھا جیسا کہ ثالث حضرات کی سیرت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں اور جیسا کہ ثالثی نامہ کے متن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان دونوں حضرات کو فریقین کا پورا اعتماد حاصل تھا لیکن آیئے! ذرا یہ بھی دیکھیں کہ ہمارے مؤلفین تاریخ نے اس بارے میں ابومخنف رافضی کی زبانی جو معلومات ہم تک پہنچائی ہیں وہ کیا ہیں؟

ابومخنف کہتے ہیں: جب صلح کی تحریک ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''اے اللہ کے بندو! اپنے حق وصداقت پر اور اپنے دشمن سے جنگ پر کاربند رہو اس میں کوئی شک نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور ضحاک رضی اللہ عنہ بن قیس یہ دین والے لوگ نہیں ہیں اور نہ قرآن سے ان کا کوئی تعلق ہے میں انہیں تم سے بہتر جانتا ہوں میں ان کے ساتھ رہا ہوں جب یہ بچے تھے اور ان کے ساتھ رہا ہوں جب یہ مرد بنے جب یہ بچے تھے تو بدترین بچے تھے جب یہ مرد بنے تو بدترین مرد بنے۔ تمہارا بھلا ہو انہوں نے قرآن اس لئے نہیں اٹھائے کہ وہ انہیں پڑھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ اٹھائے ہیں دھوکا دینے کے لئے تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے اور تمہیں سازش میں پھانسنے کے لئے''۔ (طبری ۴/۴۴، البدایہ ۷/۲۷۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (العیاذ باللہ) مذکورۃ الصدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو سرے سے مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کا مطلب؟ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو اتحاد امت جیسے حساس اور نازک مسئلہ میں ثالث ماننے کا مطلب؟......

جب ثالثوں کی تجویز آئی تو اہل شام نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے جو بعد میں خارجی ہو گئے تھے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم شروع میں (صلح کی تجویز مان کر) میری نافرمانی کر چکے ہو! میں ابوموسیٰ کو اختیار دینا درست نہیں سمجھتا، لیکن اشعث اور زید بن حصین طائی اور مسطر بن فدکی کہنے لگے کہ ہم ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے کو مانتے ہی نہیں اور جس سے وہ ہمیں ڈراتا تھا وہی کچھ ہو کے رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ میرے نزدیک قابل اعتماد نہیں وہ مجھ سے جدا ہو گیا تھا اور لوگوں کو مجھ سے بددل کرتا رہا پھر مجھ سے بھاگ گیا پھر کئی ماہ بعد میں نے اسے امان دی' لیکن یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے میں اسے اختیار دے دیتا ہوں وہ کہنے لگے کہ آپ میں اور ابن عباس میں کیا فرق ہے ہمیں ایک آپ کی طرف سے اور ایک معاویہ کی طرف سے دو ایسے آدمی درکار ہیں جو کسی کے طرفدار نہ ہوں سب کے لئے برابر ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں اشتر کو مقرر کر دیتا ہوں وہ کہنے لگے اشتر کے بغیر کوئی اور بھی ہے جس نے جنگ کی آگ بھڑکائی ہو؟ اشعث کہنے لگا اس وقت ہم اشتر کے حکم ہی میں تو چل رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اشتر کا کیا حکم ہے؟ اشعث کہنے لگا اشتر کا حکم ہے کہ ہم ایک دوسرے کو آپس میں تلوار کے گھاٹ اتار دیں حتی کہ وہ کچھ ہو جائے جو اشتر چاہتا ہے اور آپ چاہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر تم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بغیر اور کسی کو نہیں مانتے تو پھر تم جانو اور تمہارا کام جو جی میں آئے کرو،، (طبری ۴/۳۶ البدایہ ۷/۲۷۲)

اشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا آپ مجھے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے ساتھ لگا دیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الہ نہیں اگر وہ میری نگاہ میں چڑھ گیا تو میں اسے یقیناً قتل کر دوں گا احنف بن قیس کہنے لگے اے امیر المؤمنین! آپ ایک طرف زمین کے پتھروں کی زد میں ہیں اور ادھر ان لوگوں کی زد میں آ چکے ہیں جو اسلام سے نفرت کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول سے برسر جنگ رہے ہیں اس شخص (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کو میں خوب ٹھونک بجا کے دیکھ چکا ہوں یہ تلوار ہے جس کی دھار نہیں اور یہ سطحی ذہن رکھنے والا شخص ہے اس قوم کے لئے ایسا شخص درکار ہے کہ وہ ان سے اتنا قریب ہو کہ گویا ان کی مٹھی میں ہے اور اتنا دور ہو کہ اوج ثریا پہ بیٹھا ہے اگر مجھے ثالث نہیں بناتے تو چلئے مجھے دوسرے یا تیسرے نمبر پر رکھ دیں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ کوئی ایسی گرہ نہیں لگائے گا جسے میں کھول نہیں دوں گا اور وہ میری لگائی ہوئی گرہ کھولے گا تو میں دوسری گرہ لگا دوں گا جو پہلی گرہ سے زیادہ پکی ہوگی' لیکن لوگ ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بغیر کسی کو مانتے ہی نہیں احنف کہنے لگا اگر تم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بغیر کسی کو نہیں مانتے تو پھر کم از کم دوسرے افراد کے ذریعہ ابوموسیٰ کی پشت پناہی کرو''۔ (طبری ۴/ ۳۷)

ثالثی نامہ لکھا جانے لگا" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ہے جس پر امیر المومنین نے فیصلہ کیا۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے اعتراض کر دیا اور کہا کہ علی کا نام اور اس کے باپ کا نام لکھیں وہ تمہارا امیر ہے ہمارا امیر نہیں ہے احنف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے امیر المومنین کا نام ہرگز نہ مٹانا اگر آپ نے مٹا دیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ پھر یہ نام آپ کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا لہٰذا انہیں مٹانا ہو گا خواہ اس میں لوگوں کی جانیں کیوں نہ چلی جائیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور دن کا بڑا حصہ اس حال میں گزر گیا پھر اشعث بن قیس نے کہا آپ یہ نام مٹا دیں اللہ اسے برباد کرے! تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نام مٹا دیا اور فرمایا اللہ اکبر ایک سنت دوسری سنت کے مطابق آئی اور ایک مثال دوسری مثال کے برابر آئی اللہ کی قسم میں ہی حدیبیہ والے دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھ رہا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ تو اللہ کا رسول نہیں ہے ہم اس کی گواہی نہیں دیتے لہٰذا اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھ تو آپ ﷺ نے ان کے کہنے کے مطابق لکھ دیا' اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے سبحان اللہ اس مثال کی رو سے ہم کفار سے مشابہہ قرار پا گئے حالانکہ ہم مؤمن ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے نابغہ کے بچے تو کیا فاسقوں کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن نہیں تھا؟ کیا تو اپنی اس ماں کے مشابہ نہیں جس نے تجھے جنا تھا؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ آج کے دن کے بعد کبھی کوئی مجلس مجھے اور آپ کو اکٹھا نہیں کرے گی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں بھی یہی امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مجلس کو تجھ سے اور تیرے جیسوں سے پاک رکھے اور اس کے بعد پھر ثالثی نامہ لکھا گیا"۔ (طبری ۴/ ۳۷' ذہبی ۳/ ۵۴۷' البدایہ ۷/ ۲۷۲)

ابو مخنف رافضی کی زبانی ان مشہور روایات میں حسب ذیل امور واضح ہیں:

① حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف اور صرف جنگ چاہتے ہیں صلح کے وہ کسی حال میں بھی حامی نہیں ہیں لیکن وہ اتنے بے اختیار ہیں کہ نہ جنگ روک دینا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جنگ جاری رکھنا ان کے اختیار میں ہے نہ صلح کرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ صلح سے انکار ان کے اختیار میں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین ہیں' اور پھر سوال یہ ہے کہ جب انہیں کسی طرح کا کوئی اختیار ہی حاصل نہیں تو ان کی طرف سے ثالثی کے کیا معنی ہوئے؟!......

② اہل شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور جن لوگوں نے بیعت کی ہے

وہ ان کی کوئی بات مانتے ہی نہیں بلکہ اپنی ہر بات ان سے زبردستی منواتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کس معنی میں ہوئے؟!......

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالثی کے لئے ایک فیصد بھی اہل نہیں سمجھتے لہٰذا وہ انہیں ثالث بنانے پر قطعاً راضی نہیں ہیں لیکن انہیں ثالث بنانے سے انکار کرنا بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے لہٰذا ایک نااہل ترین شخص کو ثالث مان کر اتحاد امت کی امیدیں اس سے وابستہ کررہے ہیں؟ (العیاذ باللہ)

④ اتحاد امت کے لئے دو ایسے بالغ نظر ثالث درکار تھے جو فریقین کو ایک ہی نظر سے دیکھیں اور کسی طرح کی جانبداری کا اندیشہ نہ ہو اس کی صورت یہ تھی کہ دونوں فریق ایک ایک ثالث نامزد کریں جو دوسرے فریق کو قبول ہو چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ثالث نامزد کیا جس پر انہیں پورا اعتماد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے نامزد ثالث انہیں ہر اعتبار سے قبول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ثالث نامزد کیا جس پر انہیں سرے سے کوئی اعتماد نہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نامزد ثالث انہیں کسی اعتبار سے قبول نہیں؟ ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ثالثی نامہ لکھنے کا شرعی جواز کیا باقی رہ جاتا ہے؟......

⑤ سوال یہ ہے کہ ساری امت کیا اندھی ہوگئی تھی؟ کہ اتحاد امت کا فیصلہ دو ایسے شخصوں کے سپرد کررہے ہیں جو فریقین میں سے ایک فریق کو وہ دونوں ثالث سو فیصد قبول ہیں اور دوسرے فریق کے لئے دونوں کے دونوں ثالث قطعی طور پر ناقابل قبول ہیں! پھر دونوں ثالث جنہیں امت کی قسمت کا فیصلہ کرنا ہے اور جنہیں اس نازک ذمہ داری پر امت کی عظیم ہستیوں نے نامزد کیا ہے ان میں سے ایک (العیاذ باللہ) پرلے درجہ کا بدھو، بے سمجھ عقل سے کورا اور بلید الذہن ہے اور دوسرا پرلے درجے کا عیار، مکار، جھوٹا، غرض پرست اسلام دشمن اور بے غیرت ہے اور ان دو ثالثوں کو یہ اختیار ہے کہ جس کو یہ خلیفہ بنادیں وہ خلیفہ اور جس کو یہ معزول کردیں وہ معزول؟ یاللعجب!

انسانی تاریخ میں کوئی اور قوم بھی آپ ایسی دکھا سکتے ہیں جس کے ہاں ثالثی کی ایسی احمقانہ ابلہانہ اور بیوقوفانہ مثال پائی جاتی ہو؟ نادان بچے بھی اپنے کھیل میں اس طرح کی حماقت کا ارتکاب نہیں کرسکتے کیونکہ خواہ وہ بچے سہی لیکن وہ پاگلوں والی باتیں آخر کیوں کریں! اور پھر ستم

بالائے ستم یہ کہ جس قوم کی یہ ابلہانہ تصویر ابومخنف رافضی کھینچ رہا ہے یہ قوموں میں سے ایک قوم نہیں ہے بلکہ خاتم النبیین ﷺ کی تربیت یافتہ بنی نوع انسان کی منتخب ترین جماعت ہے جس کی کوئی دوسری مثال چشم فلک نے نہیں دیکھی۔

⑥ ثالثی نامہ فریقین کے مابین ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عملدرآمد کے لئے ثالثوں کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے رہی یہ بات کہ یہ معاہدہ کس عبارت میں لکھا جائے کون سا جملہ حذف کیا جائے کون سا درج کیا جائے اس سے ثالثوں کو کوئی سروکار نہیں ہوتا کیونکہ یہ فریقین کا معاملہ ہے لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی نامہ کا پہلا جملہ املا کرایا تو حضرت عمرو بن عاص نے ٹوک دیا حالانکہ وہ ثالث تھے انہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تھا اور دخل دینے کے بعد ان کی غیر جانبدارانہ حیثیت مجروح ہوگئی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ اس دخل اندازی کے بعد ثالث نہیں رہ گئے بلکہ جانبدار قرار پاگئے البتہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے حوالہ سے بات کی تو اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے احتجاج کیا کہ آپ نے ہمیں کفار سے تشبیہ دے ڈالی! اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سنجیدگی کا دامن چھوڑ بیٹھے اور انہیں صریحاً ماں کی گالی دینا شروع کر دیا اور وہ بھی بالکل دیہاتی گنواروں کے انداز میں اور انہیں کافروں کا دوست اور مسلمانوں کا ازلی دشمن قرار دیا' غرض یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس گنوار پن کو حضرت علی کی سیرت کے کس حصہ میں ٹانکا جائے گا؟

⑦ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے گالی سن کر جواب میں کوئی ناگوار بات نہیں کہی صرف اتنا کہا کہ آئندہ میں اور آپ کسی ایک مجلس میں جمع نہیں ہوں گے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مجلس کو تجھ سے اور تجھ جیسوں سے پاک رکھے!'' ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے ہیں اور ادھر ثالثی نامہ میں املاء کرایا جارہا ہے کہ '' دونوں ثالث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کتاب اللہ میں جو پائیں اس پر عمل پیرا ہوں اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں تو سنت عادلہ جامعہ جو اختلاف میں ڈالنے والی نہ ہو خدارا کوئی بتائے کہ اسی لمحے حضرت علی رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو غیر مسلم اور ناپاک وجود قرار دے رہے ہیں اور اسی

لیے ثالثی نامہ میں اس کی ذمہ داری یہ بتا رہے ہیں کہ جو کتاب اللہ میں پائے اس پر عمل پیرا ہو عرض یہ ہے کہ جو مسلمان ہی نہیں وہ کتاب اللہ پر عمل پیرا کیونکر ہوگا اور جو مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے وہ ایسی سنت عادلہ جامعہ کو کیونکر اختیار کرے گا؟ جو اختلاف میں ڈالنے والی نہ ہو! بلکہ وہ تو اختلاف ڈلوائے گا تا کہ ازلی دشمن ہونے کا حق ادا کیا جا سکے!

⑧ دوسرے ثالث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں با دل ناخواستہ مجبوراً مان لینے پر آمادگی ظاہر کی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کس بناء پر ابوموسیٰ کو ثالث بنا رہے ہیں اللہ کی قسم آپ ہمارے بارے میں اس کی روش کو بخوبی جانتے ہیں چنانچہ اس نے ہماری مدد نہیں کی اور جس مصیبت میں ہم اس وقت گرفتار ہیں یہ اس کی امیدوں کے عین مطابق ہے پھر اسے آپ ہمارے معاملات میں دخیل بنا رہے ہیں؟! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا اے ابن عباس! میں کیا کروں یہ تو مجھ پر میرے ساتھیوں کی طرف سے تھونپا گیا ہے اور میں ان کے درمیان عاجز اور بے بس ہوں اور یہ خود ہمت ہار کر بیٹھ گئے'' (تاریخ الاسلام ذھبی ۳/۵۴۷)

یہاں رک کر میں ایک بار پھر پوچھتا ہوں کہ خدارا بتائیے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو پوزیشن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان ہوئی ہے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی مجبوری کا اظہار کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ابوموسیٰ کے لئے یہ املاء کرانا ہے کہ وہ جو کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل پیرا ہوں، کیا معنے رکھتا ہے؟

⑨ عجیب بات ہے کہ احنف بن قیس کہتا ہے کہ اس شخص (ابوموسیٰ) کو میں خوب ٹھوک بجا کر دیکھ چکا ہوں یہ وہ تلوار ہے جس کی دھار نہیں اور یہ سطحی ذہن رکھنے والا شخص ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں یہ ابوموسیٰ کی امیدوں کے عین مطابق ہے پھر آپ اسے ہمارے فیصلوں میں دخیل بنا رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بات آپ کی ٹھیک ہے لیکن میں کیا کروں مجبور ہوں حیران کن بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے رہے ہیں کہ: آپ فیصلہ کریں خواہ میری گردن اڑا دینے کا ہو! کیا یہ عجوبہ روزگار نہیں؟

⑩ احنف بن قیس کہتا ہے امیر المؤمنین کا لفظ ہر گز نہیں مٹانا ہوگا خواہ اس پر بہت سی جانیں کیوں نہ گنوانی پڑیں! حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ٹھیک ہے لہٰذا انکار کر دیتے ہیں اور کسی طرح اس کے مٹانے پر رضامند نہیں ہوتے تیسرے پہر اشعث بن قیس کہتا ہے کہ کہ آپ امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیں تو فوراً مٹا دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں بلکہ اس اقدام کو نبی ﷺ کے واقعہ حدیبیہ سے تشبیہ دینے لگتے ہیں؟!...... اگر اس کا مٹانا سنت نبوی ﷺ کے مشابہ تھا تو احنف بن قیس کی بات کیوں مانی؟ شروع ہی میں اس عمل کو سعادت سمجھتے ہوئے امیر المؤمنین کا لفظ مٹانا چاہیے تھا! اور اگر احنف بن قیس کی بات صحیح تھی تو پھر اشعث کی بات اگر مجبوراً ماننی بھی پڑی تو اسے سنت سے تشبیہ کا کیا مطلب ہے؟!...... گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی کوئی رائے تو تھی ہی نہیں جیسے کسی نے چلایا چل پڑے (العیاذ باللہ)

○ سوال یہ ہے کہ دو ایسے نااہل ترین افراد جن سے زیادہ نااہل ثالثی کے معاملہ میں پندرہویں صدی میں بھی کہیں دستیاب نہیں ہو سکتا ان کے سپرد اس قدر نازک ذمہ داری کرنا اور ان کے ہاتھ میں امت کی قسمت کا فیصلہ دے دینا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس دائرے میں لے آئے گا؟!...... حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جنہیں امت کی تاریخ کے سنگین ترین بحران سے عہدہ برآ ہونے کا ابتلاء پیش آیا لیکن وہ اس ابتلاء سے نہایت زیرکی تدبر معاملہ فہمی حسن عمل اور حلم و وقار کے ساتھ اس طرح کامیاب گزر رہے ہیں جو ٹھیک خلیفۃ النبی کے شایان شان ہے لیکن سبائی روایات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفۃ النبی کیا ہے سچ مچ کا شیخ چلی ہے جو اشتر و شتر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا! العیاذ باللہ!

ثالثی نامہ کا متن

ثالثی نامہ چونکہ ایک تحریری دستاویز تھی جس وجہ سے وہ سبائیوں کی کارستانیوں سے بچی رہ گئی اس لئے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جو فریقین اور ثالثوں کے مقام ومرتبہ اور عزائم ومقاصد کی حقیقی تصویر سامنے لاتا ہے جو مقام صحابیت کے شایاں شان ہے اور سبائی روایتوں کے داغ دھبے نمایاں کر کے رکھ دیتا ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یہ وہ ہے جس پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے صلح کی ہے علی رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا لاگو ہوگا اہل عراق پر اور اہل عراق کے بہی خواہوں پر اور دیگران مسلمانوں پر جو ان کے حامی ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا لاگو ہوگا اہل شام اور ان اہل ایمان اسلام پر جو ان کے حامی ہیں ہم اللہ کے حکم اور اس کی کتاب کی طرف آتے ہیں، اور زندہ کرتے ہیں اسے جسے اللہ نے زندہ کیا اور خاتمہ کرتے ہیں اس کا جس کا اللہ نے خاتمہ کیا ہے لہٰذا دونوں ثالث ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کتاب اللہ میں جو پائیں اس پر عمل پیرا ہوں اور جو چیز کتاب اللہ میں نہ پائیں تو پھر سنت عادلہ جامعہ جو اختلاف میں ڈالنے والی نہ ہو، پھر دونوں ثالثوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دونوں لشکروں سے عہد و پیمان لیا کہ ثالثوں کے گھر بار اور جان و مال کا تحفظ کیا جائے گا اور جو وہ صلح کا فیصلہ کریں گے اس پر امت ان کی مدد گار ہوگی اور طرفین کے تمام مسلمانوں پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے کہ وہ اس پر کاربند ہوں گے جو اس صلح نامہ میں درج ہے، اور یہ کہ ان کے فیصلہ کا قبول کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا اور تمام مسلمان راست روی پر کاربند رہیں گے اور امن قائم رکھیں گے اور ایک دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھائیں گے سب کے گھر بار جان مال حاضر غائب سب محفوظ و ماموں ہوں گے اور عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص پر اللہ کا میثاق ہے کہ وہ اس امت کے درمیان فیصلہ کریں گے اور امت کو دوبارہ جنگ وجدال اور افتراق وانتشار میں نہیں ڈالیں گے الا یہ کہ ان کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا جائے، اگر دونوں میں سے کوئی ثالث فوت ہو جائے تو اس جماعت کا امیر اس کی جگہ دوسرا امیر چنے گا اور اس چناؤ میں کسی صاحب عدل وانصاف کو سامنے لانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے

گا اور رمضان المبارک فیصلہ کی تاریخ مقرر ہوئی اور اگر ثالث باہمی رضا مندی سے تاریخ موخر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور یہ صلح نامہ بروز بدھ ۱۳ صفر ۳۷ کو لکھا گیا''

(طبری ج ۴/ ۳۸ ۳ ص/ ۲۲۰' البدایہ ۷/ ۲۷۶)

معاہدہ تحکیم کے حدود آداب

ثالثوں کے بارے میں عام طور پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ثالثوں نے اپنے حدود کار سے تجاوز کیا حتی کہ کہتے ہیں کہ ''پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی''۔ (خلافت وملوکیت ۱۴۴)

ثالثی نامہ (معاہدہ تحکیم) کا اردو ترجمہ مذکور ہو چکا ہے اس میں تاریخ الاسلام ذہبی سے یہ مزید اضافہ کر لیں:

" حکم معاوية عمرواً و حکم علی ابا موسیٰ علی ان من ولیاه الخلافة فهو الخلیفة ومن اتفقا علی خلعه خلع" قال علی لا بی موسیٰ احکم ولو علی حز عنقی "

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ثالث نامزد کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ کو ثالث نامزد کیا ان کو یہ اختیار دیا کہ جس کو وہ دونوں خلافت کے منصب پر فائز کریں گے بس وہی خلیفہ ہوگا اور جس کی برخاستگی پر دونوں متفق ہوں گے وہ برخاست ہو جائے گا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ فیصلہ کریں گے اگرچہ میری گردن اڑا دینے کا کیوں نہ ہو......

(تاریخ الاسلام ذہبی ۲/ ۵۴۸)

آیئے! اب ثالثی نامہ کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کریں کہ معاہدہ تحکیم کے وہ حدود و آداب کیا ہیں جن سے تجاوز کرنا خیانت قرار پائے گا؟ اور کیا ثالثوں نے ایسا کیا؟......

معاہدہ کی بعض شقوں کا تعلق ثالثوں سے ہے اور بعض کا تعلق فریقین سے اس لئے ہم معاہدہ کے حقوق و فرائض کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ثالثوں کے فرائض وحقوق:

① ثالثوں کو مکمل اختیار تھا کہ وہ جس کو منصب خلافت دیں گے وہی خلیفہ ہوگا اور جس کو معزول کرنے پر وہ متفق ہوں گے وہ معزول ہوگا۔

② ان کا اختیار کسی شرط سے مشروط اور کسی حد سے محدود نہ تھا۔

③ ''کتاب اللہ میں جو پائیں اس پر عمل پیرا ہوں'' اس سے مقصد ثالثوں کا دائرہ کار محدود کرنا نہیں بلکہ وسیع تر کرنا ہے کیونکہ کتاب اللہ سے راہنمائی لینا تو شرائط ایمان میں سے ہے لیکن یہاں راہنمائی کی نوعیت کو ان کے اجتہاد کے حوالے کر کے ان کے اختیار کو آخری حد تک وسیع کر دیا گیا۔

④ '' جو چیز کتاب اللہ میں نہ پائیں'' اس پر یہ نہیں فرمایا کہ اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں کی طرف رجوع کریں تاکہ کتاب اللہ سے راہنمائی ممکن ہو سکے کیونکہ اس کا مطلب تھا ان کی رائے پر پابندی عائد کرنا لہٰذا یوں فرمایا کہ: جو کتاب اللہ میں نہ پائیں تو پھر وہ سنت عادلہ جو اختلاف میں ڈالنے والی نہ ہو' اس میں بھی کسی ہیت کو متعین نہیں کیا گیا بلکہ مقصد کا تعین کر دیا گیا کہ حقیقی مقصد اتحاد و اتفاق ہے بس وہ پیش نظر رہے۔

⑤ کسی ثالث کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس جماعت کے امیر کی ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ وہ نیا ثالث صاحب عدل وانصاف لانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اس سے معلوم ہوا کہ قبل ازیں فریقین نے صاحب عدل وانصاف ثالث لانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گویا موجودہ دونوں ثالث فریقین کے حسن انتخاب کی دلیل ہیں فریقین کو دونوں ثالثوں پر مکمل اعتماد حاصل ہے لہٰذا آئندہ کے لئے خدانخواستہ کوئی ثالث نہ رہے تو نئی نامزدگی میں بھی وہی احتیاط ملحوظ رکھی جائے جو پہلے ملحوظ رکھی گئی ہے۔

⑥ '' ثالثوں پر اللہ کا عہد و میثاق ہے'' گویا ثالث اپنے فیصلہ میں فریقین کے سامنے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں' یہ ان کی آزادی وخودمختاری کی ایک اور دلیل ہے۔

⑦ ثالثوں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدد کے لئے طلب کیا تاکہ شرارت کی صورت میں مؤیدو

معاون ہوسکیں گویا شرارت کے امکانات و دواعی اس قدر قوی تھے کہ تمام پیش بندیوں کے بعد بھی کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو طلب کرنا پڑا۔

⑧ فیصلہ میں وہ بات شامل ہوگی جس کو دونوں ثالث متفقہ طور پر طے کریں دونوں میں سے کسی فرد واحد کا کوئی اعلان یا رائے وغیرہ فیصلہ نہیں کہلائے گا۔

فریقین کے فرائض وحقوق:

① ثالث فیصلہ کرنے میں مطلقاً آزاد ہیں لیکن امت ان کا فیصلہ ماننے یا نہ ماننے میں آزاد نہیں بلکہ ان کے فیصلہ کو ماننے کی پابند ہے۔

② ثالث جو بھی فیصلہ کریں امت کا کردار اس میں معاون و مددگار کا ہے مشیر اور تنقید کنندہ کا نہیں۔

③ تمام مسلمانوں پر ثالثوں کا فیصلہ قبول کرنا غیر مشروط طور پر واجب ہے۔

④ ثالثوں کی طرف سے گھربار کے تحفظ کی ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ ثالثوں کو ماحول کی نفسیاتی کیفیت سے یہ اندازہ تھا کہ فیصلہ ماننے سے انکار کیا جانا ہے خصوصاً اہل عراق کی بدنظمی اور سبائیوں کا اثر ورسوخ جن کا نصب العین ہی اتحاد کی ہر کارروائی کو افتراق میں تبدیل کرنا تھا اسی خطرے کے پیش نظر ثالثوں نے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت کو عہدنامہ کی مستقل دفعہ کے طور پر درج کرایا۔

⑤ فیصلہ سننے کے لئے فریقین کے چار چار سو افراد کی حاضری کو لازم قرار دیا گیا یہ بھی گویا مذکورہ خطرے کی پیش بندی کے طور پر تھا کہ اتنے بڑے گروہ کی قبولیت اور تائید بہت بڑی سند کی حیثیت رکھتی ہے جسے چیلنج کیا جانا ممکن نہیں۔

⑥ ''الا یہ کہ فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے'' ثالثی نامہ کا یہ جملہ صاف بتا رہا ہے کہ نفسیاتی فضاء ثالثوں کو یہ باور کرا رہی ہے کہ شاید فیصلہ کا انکار کیا جائے گا لہٰذا اس جملہ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر فیصلہ تسلیم نہ کیا گیا تو پھر امت کو افتراق و انتشار سے نہیں بچایا جاسکے گا۔

⑦ ثالثی نامہ پر فریقین کے دس دس افراد کو گواہ بنایا گیا اور گواہوں کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ

یہ ثالثوں کی مدد کریں گے اس شخص یا گروہ کے خلاف جو اس عہد نامہ پر کار بند نہ رہے اور اس میں ظلم اور کج روی اختیار کرے اور یہ دعا بھی درج کی گئی ہے کہ اے اللہ! ہم اس شخص کے خلاف تجھ سے مدد مانگتے ہیں جو ان امور کو ترک کرے جو عہد نامہ میں درج کئے گئے ہیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں کے علاوہ خود فریقین کا اندیشہ بھی یقین کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ ایک شر پسند گروہ فیصلہ کا انکار کر کے بحران پیدا کرے گا اور اس کی طرف سے اتحاد کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

تحکیم کیلئے نفسیاتی فضاء

یہ بات پہلے مفصل گزر چکی ہے کہ اتحاد امت کو ناممکن بنانے کے لئے کس طرح سبائیوں نے اہل ایمان کو جنگ میں جھونک دیا جس سے جمل کا اندوہناک سانحہ پیش آیا کیونکہ انہیں امت کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ انہیں اپنے مفاد سے غرض تھی کیونکہ اتحاد کی صورت میں ان کا نفس وجود ہی خطرے میں تھا ٹھیک یہی خطرہ انہیں صفین میں نظر آ رہا ہے جبکہ جمل کی نسبت صفین میں ان کی پوزیشن بہت مضبوط ہے لیکن اگر اتحاد کا عمل کامیاب ہونے دیا جائے تو پوزیشن مضبوط ہونے کے باوجود ان کا وجود اسی خطرہ میں پڑ جائے گا جس خطرے میں جنگ جمل کے وقت پڑا تھا پھر بھلا وہ سبائی جو اپنے استاد ابلیس سے بھی زیادہ سیانے اور چالاک ہیں وہ صفین میں اتحاد امت کی کوششوں کو کیسے کامیاب ہونے دے سکتے تھے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ جانتے بوجھتے خودکشی کر لیتے اور ایسا بھلا وہ کیوں کرنے لگے تھے چنانچہ جیسے ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ فریقین جنگ قطعاً نہیں چاہتے تھے وہ شروع ہی سے صلح کا عزم لئے ہوئے تھے لیکن سبائیوں کی اول سے آخر تک یہی کوشش رہی کہ کسی طرح جنگ چھڑ جائے' اشتر نخعی سبائی لیڈر جس کے ہاتھ میں میمنہ کی کمان تھی وہ جنگ بھڑکانے کے کسی چانس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی مفصل اور صحیح ترین روایت پیچھے گزر چکی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود صفین کے طول طویل قضیئے کی مکمل روداد ہے گویا وہ سانحہ صفین کا متن ہے باقی سبائیوں کی افسانہ سازی ہے اس روایت میں یہ ذکر آ چکا ہے کہ قراء کا وہ گروہ جو بعد میں خارجی بنے وہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے طلب گار ہیں اور یہ اس وقت ہے جب صلح کے معاملات طے ہو رہے تھے لیکن وہ اس صلح کے حامی نہیں ہیں اور جنگ کرنے پر مصر ہیں تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف انہیں حدیبیہ کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں اس کے بعد بھی اشتر نخعی جنگ سے باز نہیں آتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اصرار کر کے اسے اپنے پاس بلوا لیتے ہیں وہ آ کر عراق و شام کے ان قاری حضرات کو جو مصالحت میں مؤمنانہ کردار ادا کر رہے تھے جی بھر کر گالیاں دیتا ہے وہ بھی آگے سے مناسب جواب دیتے ہیں بالآخر صلح کی کوششیں بار آور ہوتی ہیں اور شام و عراق کے احساس مند قاری حضرات کے علاوہ اہل شام کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور اہل عراق سے اشعث بن قیس کے مؤمنانہ تدبر نے ان کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور ثالثی نامہ کا سیاق واضح طور بتا رہا ہے کہ ثالث بھی اور فریقین بھی سبھی یہ خدشہ محسوس کر رہے ہیں کہ فیصلہ کو ناکام بنانے اور اس کے نفاذ کو ناممکن بنانے کی سازش کی جائے گی' اور جب ثالثی نامہ لکھا گیا تو حضرت اشعث بن قیس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ یہ ثالثی نامہ عوام میں جا کر سنائیں کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ شام کے سو فیصد اور عراق کے لوگوں کی اکثریت (گویا سبائیوں کو چھوڑ کر باقی سب) جنگ کے روادار نہیں تھے تو یہ ثالثی نامہ ان کے لئے گویا ایک خوشخبری کی حیثیت رکھتا تھا لیکن سبائی گروہ کے لئے یہی ثالثی نامہ موت کا پروانہ تھا حضرت اشعث بن قیس ثالثی نامہ سناتے ہوئے جب ان کے حلقے میں پہنچے تو وہ ثالثی نامہ کے جواب میں ''لا حکم الا للہ'' کا نعرہ لے کر کھڑے ہو گئے اور ان کی سواری کو پیچھے سے تلوار دے ماری جس پر اشعث بن قیس کے خاندان والے مشتعل ہو گئے لیکن احنف بن قیس کی مداخلت اور اشعث کے تحمل اور زیرکی نے معاملہ پر قابو پایا ورنہ ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا گیا تھا نیز فتنہ کے سد باب کے لئے نفسیاتی لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ ثالثی نامہ پر اشتر کے دستخط ہوں کیونکہ فتنہ اسی کے حلقے میں ہے لیکن اسے دستخطوں کے لئے کہا گیا تو اس کا جواب سنئے: ''جب ثالثی نامہ لکھا گیا تو اشتر کو دستخط کرنے کے لئے دعوت دی گئی تو اشتر نے کہا خدا کرے میرا دایاں ہاتھ میرے ساتھ نہ رہے میرا بایاں ہاتھ مجھے کوئی نفع نہ دے اگر اس ثالثی نامہ میں کسی صلح یا جنگ بندی کے معاملہ میں کسی حیثیت سے میرا نام لکھا جائے! کیا میں اپنے دشمن کی گمراہی میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر نہیں ہوں؟

اگر تم لوگ ظلم پر اتفاق نہ کر لیتے تو کیا تم نے فتح نہیں دیکھ لی تھی؟ حضرت اشعث بن قیس اس سے کہنے لگے اللہ کی قسم! تو نے نہ کوئی فتح دیکھی ہے اور نہ ظلم! تو ہماری طرف آ جا ورنہ ہم سے ہٹ کر تجھے کہیں گوارائی نہیں ملے گی' اس پر اشتر غضبناک ہو کر کہنے لگا کیوں نہیں! اللہ کی قسم تجھ سے میری قدر زیادہ ہے دنیا میں دنیا کی خاطر اور آخرت میں آخرت کی خاطر اور میری اس تلوار سے اللہ تعالیٰ نے جن افراد کے خون بہائے ہیں تو میرے نزدیک ان سے بہتر نہیں ہے اور نہ تیرا خون ان سے زیادہ محترم ہے! عمارہ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس شخص یعنی اشعث کو دیکھا کہ یہ جواب سن کر اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا جیسے اس کی ناک پر کوئلہ مل دیا گیا ہو" (طبری ۴/۳۹)

غرض ثالثی نامہ منسوخ نہ کرایا جا سکا اور شام و عراق کے صلح جو جم غفیر کے سامنے سبائی ٹولے کی دال نہ گلی لیکن کب تک؟ ابھی معاملہ صلح کے روبانجام ہونے میں آٹھ ماہ کا عرصہ ہے۔ رمضان المبارک میں ثالث اپنا فیصلہ سنائیں گے تو اس طویل عرصے میں کیا سبائی لمبی تان کر سو جائیں گے؟ کیا وہ صلح کے عمل کو سبوتاژ کرنے کے لئے ان آٹھ ماہ میں سو جال نہ بچھاویں گے؟ اگر سو آدمی معمول کے مطابق راستے پر جا رہے ہوں تو داؤ پر بیٹھا ہوا ایک آدمی ان سو کا خاتمہ کر سکتا ہے ٹھیک یہی معاملہ یہاں تھا کہ امت اپنے معمول کے راستے پر چل رہی تھی اور سبائی ٹولہ داؤ لگائے بیٹھا تھا چنانچہ ثالثی نامہ کی تکمیل کے بعد جب دونوں فریق واپس لوٹے تو کوفے پہنچنے تک سبائی خود کو ایک نئی پوزیشن میں منظم کر چکے تھے۔

"جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صفین کی طرف جا رہے تھے تو ایک دوسرے پر جان وارتے تھے پھر جب واپس لوٹے تو باہم غضبناک تھے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے صفین میں وہ انہی کے لشکر کا حصہ تھے جب تک کہ ثالثی نامہ کے پروپیگنڈے نے زور نہیں پکڑا تھا اب جو واپس ہوئے تو پورا راستہ دھکم پیل رہی ایک دوسرے کو گالی دیتے تھے، کوڑے لہراتے تھے' اور خارجی کہتے تھے اے اللہ کے دشمنو! تم نے اللہ کے معاملہ میں مداہنت سے کام لیا اور تم نے ثالث بنائے! دوسرے لوگ کہتے تھے تم ہمارے امام سے الگ ہو گئے ہو اور تم نے جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہے' پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تو یہ سبائی ٹولہ ان کے ساتھ داخل نہیں ہوا حتی کہ بارہ ہزار کی نفری لے کر مقام حروراء میں اتر گئے شبث بن ربعی تمیمی امیر قتال قرار پائے اور عبداللہ بن کواء لشکر کے امیر صلوٰۃ بنائے گئے" (طبری ۴/۴۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ کی نزاکت کو بھانپ لیا لہٰذا ان کو سمجھانے پر پوری توجہ مرکوز کر دی تا کہ باغی ٹولے میں مزید اضافے کا سدباب کیا جا سکے اور ان بارہ ہزار کو سمجھانے میں بڑی محنت بروئے کار لائی گئی آخر کار انہیں کوفہ کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اب یہ لوگ بڑی قوت حاصل کر چکے ہیں۔ اور مستقل طور پر اپنے قدم جما چکے ہیں لہٰذا آپ نے اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دو اقدام کئے ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں جماعت بندی سے باز رکھا جائے دوسرے یہ کہ ان کے سرکردہ لیڈروں کو ان سے جدا کر دیا جائے چنانچہ جب یہ لوگ حروراء میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد بن نضر کو ان کی طرف بھیجا کہ تم جا کر معلوم کر آؤ کہ ان کا سب سے طاقتور لیڈر کون ہے اس نے واپس آ کر بتایا کہ سب سے زیادہ جم گھٹا جس کے پاس ہے وہ یزید بن قیس ہے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پڑاؤ میں گئے اور سیدھے یزید بن قیس کے خیمے میں چلے گئے وہاں آپ نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور یزید بن قیس کو "اصفہان" اور "ری" کا امیر بنا کر بھیج دیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے جن سے ابن عباس رضی اللہ عنہ گفتگو کر رہے تھے اور انہیں بات سمجھانے میں کامیاب ہو گئے جس پر سب لوگ کوفہ واپس آ گئے۔ (طبری ۴/۴۷)

اسی طرح آپ نے فوری طور پر اشتر نخعی کو مصر کی حکومت کا پروانہ دے کر روانہ کر دیا جو راستہ میں ہلاک ہو گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو اللہ کا شکر بجا لائے اور فرمایا "للمنخرین والفم" "مرے ناک اور منہ کے بل گر کر۔ کیونکہ جن لوگوں کا مشن یہ تھا کہ امت کا شیرازہ بکھرا رہے اور وہ کبھی متحد نہ ہونے پائے ان میں ابن سوداء یہودی کے بعد سرفہرست یہی شخص اشتر نخعی ہے سبائی حکایت سازوں کی تیز دستی نے اس بدفطرت شخص کی عبقریت کے بڑے چرچے کئے ہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی بھی لیکن وہ اس کے گھناؤنے کردار کی پردہ پوشی نہیں کر سکے جس سے اس کی عبقرت کے فراڈ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مصر روانہ فرما کر اس سے گلو خلاصی کرائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے اچھا نہیں جانتے تھے لیکن اسے مجبوراً برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے بجھانے پر کوفہ واپس تو آ گئے لیکن کوفہ میں واپس آ کر وہ خاموش ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ ہر وقت شرارت کے لئے کمربستہ تھے اور شرارت کا کوئی

موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے منبر پر تشریف لائے تو مسجد میں ہر سمت سے لاحکم الا اللہ کے نعرے شروع ہو گئے اور یہ ایک بار نہیں ہوا بلکہ یہ ان کا مستقل وطیرہ بن گیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے بیٹھتے تو اسی طرح ہڑ بونگ مچا دیتے حتیٰ کہ جب آپ ابوموسیٰ اشعری کو تحکیم کے لئے بھیجنے لگے تو زرعہ بن برج طائی اور حرقوص بن زہیر دونوں سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے لاحکم الا اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا لاحکم الا اللہ اور زرعہ بن برج نے واضح طور پر دھمکی دے دی کہ سن لے اللہ کی قسم اے علی رضی اللہ عنہ اگر تو نے لوگوں کو اللہ کی کتاب میں ثالث بنانا ترک نہ کیا تو میں تیرے خلاف اللہ کی رضا کی خاطر جنگ کروں گا۔ اس صورت حال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ جو چاہے ہو جائے صلح کی بیل منڈھے نہیں چڑھنے دی جائے گی سبائی اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھے کہ صلح کا معاملہ جن دو جلیل القدر صحابہ کے سپرد کیا گیا ہے وہ دونوں غیر معمولی فہم و فراست کے حامل ہیں انہیں نہ مغالطہ دیا جا سکتا ہے اور نہ صلح کے عمل کی تکمیل سے باز رکھا جا سکتا ہے لہٰذا اس کا توڑ یہ کیا گیا کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں امت کو مغالطہ دیا جائے اور یہ حضرات جو بھی فیصلہ کریں اسے ہر صورت نامنظور قرار دیا جائے اور عملاً صورت حال کو موقع پر اتنا الجھا دیا جائے کہ فیصلہ کا نفاذ ناممکن ہو کے رہ جائے کیونکہ ان کا فیصلہ نافذ ہونے کے معنی ہیں ہمیں پروانہ موت مل گیا لہٰذا پروپیگنڈے کا ایسا طوفان اٹھاؤ کہ فیصلہ کجا خود فیصلہ کرنے والے دونوں حضرات کی شخصیتیں بھی طوفان کے اسی ریلے میں بہہ جائیں حتیٰ کہ دونوں کا ذکر ایک گالی بن کے رہ جائے! یعنی ابھی عہد نامہ برائے ثالثی تحریر کیا گیا ہے اس پر یہ طوفان برپا ہے "قیاس کن زگلستان من بہار مرا" میری خزاں سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔ جب ثالث اپنا فیصلہ سنائیں گے اس وقت سبائی جو طوفان کھڑا کریں گے اس کا اندازہ اس فضا سے کریں جو ثالثی نامہ کو تحریر کرنے کے بعد موجود ہے فیصلہ کے وقت کیا ہوگا؟ انہیں اس سے غرض نہیں فیصلہ جیسا بھی ہو بہر حال پہلے سے یہ بات طے ہے کہ اسے نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا!

ثالثوں کا فیصلہ کے لئے اذرح پہنچنا

''جب ثالث حسب پروگرام اذرخ پہنچے تو حاضرین میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ثالثوں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیج کے بلوایا تھا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ایک بڑی جماعت لے کر پہنچ جائیں'' (طبری ۴/۴۱)

ابومخنف کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح بن ہانی حارثی کی قیادت میں چارسو افراد روانہ کئے جن کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے اور وہی نماز پر مامور تھے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اہل شام کے چار صد افراد بھیجے حتیٰ کہ سب دومتہ الجندل کے مقام اذرح پہنچ گئے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام کوئی پیغام لکھتے اور قاصد پیغام لے کر آتا اور واپس جاتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ کیا پیغام آیا اور کیا گیا اور نہ اہل شام کسی چیز کے بارے میں سوال کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اگر قاصد ابن عباس کے نام کوئی پیغام لے کر آتا تو لوگ پوچھنا شروع کر دیتے کہ امیر المؤمنین نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے؟ پھر اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کوئی بات چھپاتے تو طرح طرح کی بدگمانیوں میں لگ جاتے اور کہتے کہ امیر المؤمنین نے یہ کہا ہوگا! یہ لکھا ہوگا! ابن عباس نے کہا تم سمجھتے نہیں ہو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ کہ معاویہ کا قاصد آتا ہے اور پتہ تک نہیں چلتا کہ وہ کیا لے کے آیا اور کیا لے کے لوٹا اور ان کے ہاں کوئی شور شرابہ سننے میں نہیں آتا اور تم میرے ہاں روزانہ طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا رہتے ہو۔ (طبری ۴/۴۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عراق میں ایک گروہ نہایت حساس اور چوکنا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری بے خبری میں فیصلہ ہو کر نافذ بھی ہو جائے اور ہماری سازش دھری کی دھری رہ جائے! لہٰذا وہ ہر وقت باتوں کو سونگھتے رہتے اور طرح طرح کی قیاس آرائیوں میں لگے رہتے ہیں اگر کوئی بات نہ بھی ہوتی تو خود اپنے پاس سے ایک بات گھڑ کر چلا دیتے نفسیاتی فضا کے عنوان سے جو روایات ہم نے ذکر کی ہیں ان سے یہ صاف واضح ہے کہ سبائی صلح کے معاملہ کو کسی حال میں بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیں گے اب وہ اذرح میں پوری منصوبہ بندی کے ساتھ آئے ہیں جہاں فیصلہ سنایا جانا ہے۔

فیصلہ

فیصلے کے بارے میں تین روایات ہیں جنہیں ہم علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں پہلی دو روایتیں طبری کی ہیں۔

① جب دونوں ثالث جمع ہوئے اور آپس میں گفتگو کی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوموسیٰ میں سمجھتا ہوں ہم سب سے پہلے جس حق کا فیصلہ کریں وہ یہ ہے کہ جس نے عہد کا ایفائے کیا ہے اسے اس کی وفا کا صلہ ملنے کا فیصلہ کریں اور جس نے وعدہ خلافی کی ہے اسے اس کی عہد شکنی کی سزا کا فیصلہ کریں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ کیا ہے؟ عمرو بن عاص نے کہا کیا تو نہیں جانتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام نے وعدہ وفا کیا ہے! ٹھیک وعدے پر پہنچے ہیں جو ہم نے ان سے کیا تھا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا اسے لکھو! ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھ لیا عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ہم کسی آدمی کا نام متعین کر دیں جو اس امت کا سربراہ بنے! پہلے تو ایک نام دے اگر میں اسے تسلیم کر سکا تو مجھ پر تیرا یہ حق ہوگا کہ میں تیری اتباع کروں ورنہ میرا تجھ پر حق ہوگا کہ تو میری پیروی کرے' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نام متعین کرتا ہوں عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں تیرے لئے معاویہ بن ابی سفیان کا نام متعین کرتا ہوں آخرکار مجلس میں دونوں کی تو تو میں میں ہوگئی حتیٰ کہ گالم گلوچ تک نوبت پہنچ گئی پھر دونوں لڑتے جھگڑتے لوگوں میں آ گئے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں عمرو رضی اللہ عنہ کی مثال ایسی سمجھتا ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ اس کی مثال کتے کی مثال ہے چھوڑو تب بھی ہانپتا ہے کام لو تب بھی ہانپتا ہے' ابوموسیٰ چپ ہوئے تو عمرو رضی اللہ عنہ بولے کہنے لگے اے لوگو! ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ نے یہود کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کی ذمہ داری دی گئی اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ساتھی کی یہی مثال دوسرے شہروں کو لکھ کر بھیج دی۔

(طبری ۴/۴۶)

اس روایت کے اہم نکات

① فیصلہ کی مجلس میں کوئی سنجیدہ بات چلی ہی نہیں جوئے بازوں کی سی ایک شرط لگی کہ تو نام دے، میں مان سکا تو آپ جیتے ورنہ میں جیتا اور پھر آپس میں لڑ پڑے۔

② دونوں ثالثوں میں کسی بات پر سرے سے اتفاق ہوا ہی نہیں اور وہ کسی فیصلہ پر پہنچے ہی نہیں پھر فیصلہ سنانے نہ سنانے کا کیا سوال؟

③ لوگوں کے سامنے وہ لڑتے جھگڑتے ہوئے آئے اور آخر تک لڑتے ہی رہے اور فریقین بغیر کسی فیصلہ کے اپنے اپنے گھر لوٹ گئے۔

④ اس روایت سے معلوم ہوتا کہ اہل عراق وعدے پر نہیں پہنچے اس روایت سے پہلے زہری کی روایت ہے شاید یہ روایت بھی اس کا حصہ ہو کیونکہ طبری نے اس روایت پر سند نقل نہیں کی اور اس سے پہلی روایت بھی قال الزھری کے حوالے سے ہے آگے پیچھے کوئی راوی نہیں زہری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت معاویہ اہل شام کی معیت میں حسب معاہدہ بروقت پہنچ گئے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل عراق نے معاہدہ کے ایفاء سے انکار کر دیا اور وہ مقام فیصلہ میں سرے سے پہنچے ہی نہیں۔ گویا سبائیوں کی کوشش یہ تھی کہ فیصلہ کی نوبت ہی نہ آئے پہلے ہی پھڈا پڑ جائے۔

⑤ اس روایت میں کسی کو برخاست کرنے کرانے کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

⑥ دو جلیل القدر صحابی ایک دوسرے کو گدھا اور کتا ثابت کرنے پر زور لگا رہے ہیں! (العیاذ باللہ)

⑦ مجلس کی گفتگو میں کوئی ربط نہیں سنجیدگی نہیں معقولیت نہیں شرافت نہیں مثبت انداز نہیں مخلصانہ جذبہ نہیں جب کہ یہ گفتگو دو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہے۔

⑧ گویا پھڈا پڑ گیا اور بات سلجھنے کے بجائے اور الجھ گئی۔

ب...... طبری کی یہ دوسری روایت ابو مخنف سے ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جب

دومتہ الجندل میں اکٹھے ہوئے تو عمرو رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو گفتگو میں مقدم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ رسول ﷺ کے صحابی ہیں اور مجھ سے عمر رسیدہ ہیں لہٰذا پہلے آپ بات کرلیں پھر میں کروں گا اور عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مستقل وطیرہ بنالیا تھا کہ وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہر اس بات میں مقدم کریں گے جس میں ان کی خصوصی شان کے لحاظ سے انہیں مقدم کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برخاستگی میں پہل کرے لیکن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دونوں کے معاملہ میں غور کیا اور اس فیصلہ پر غور کیا جس پر دونوں متفق ہو جائیں عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی نامزدگی پر آمادہ کرنا چاہا لیکن وہ نہیں مانے پھر اپنے بیٹے کے لئے آمادہ کرنا چاہا لیکن وہ نہیں مانے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آمادہ کرنا چاہا لیکن عمر رضی اللہ عنہ نہیں مانے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا! اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ! آپ بتائیں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں حضرات کو برخاست کر دیں اور یہ معاملہ مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیں کہ اپنے لئے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ نے جو فرمایا درست ہے چنانچہ دونوں حضرات لوگوں کے پاس آئے لوگ پہلے سے جمع تھے عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ! لوگوں کو بتاؤ کہ ہم ایک رائے پر متفق ہو گئے ہیں! چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی اور بتایا کہ میری اور عمرو رضی اللہ عنہ دونوں کی رائے ایک ایسے مسئلہ پر متفق ہوگئی ہے جس سے ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے معاملہ کی اصلاح فرمائیں گے عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے تائیداً فرمایا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سچ فرما رہے ہیں درست فرمارہے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ کو دھوکہ دے گیا اگر تم دونوں ایک بات پر متفق ہوئے ہو تو آپ اسی کو آگے کریں کہ پہلے وہ بات کرے پھر اس کے بعد آپ بات کریں یقین جانو کہ عمرو رضی اللہ عنہ جھوٹا اور بددیانت شخص ہے اور مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ تنہائی میں تو وہ تجھے اپنی رضامندی دے چکا ہے لیکن جب تو لوگوں کے سامنے کھڑا ہوگا۔ تو وہ تیری مخالفت کرے گا۔ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ایک بدھو آدمی تھے اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے ہم دونوں ایک بات پہ متفق ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اے لوگو! ہم نے اس امت کے معاملہ میں خوب غور وفکر کیا پھر جس پر میری اور عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے ایک ہوگئی اس سے زیادہ امت کے معاملہ کو سنوارنے والی اور

اس کی شیرازہ بندی کرنے والی کوئی دوسری بات ہم نے نہیں پائی اور وہ یہ ہے کہ ہم علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو سبکدوش کرتے ہیں اور اب یہ امت اس معاملہ سے خود ہی عہدہ برآ ہوگی! لہٰذا وہ اپنے میں سے جس کو پسند کریں خلیفہ بنائیں اور میں نے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا ہے لہٰذا اب تم اپنا معاملہ خود سنبھالو اور جس کو خلافت کا اہل دیکھو خلافت اس کے سپرد کر دو! یہ کہہ کر ابو موسیٰ ایک طرف ہٹ گئے اور عمرو بن عاص آگے بڑھے اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی جگہ کھڑے ہو گئے پھر حمد و ثنا کے بعد کہا اس شخص نے جو کہا تم نے سنا اور اپنے ساتھی کو اس نے سبکدوش کر دیا اور میں بھی اس کے ساتھی کو اسی طرح سبکدوش کرتا ہوں جس طرح اس نے کیا ہے اور میں اپنے ساتھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا وارث ہے اس کے خون کا طلبگار ہے اور اس کا منصب لینے کا سب سے زیادہ حق دار ہے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے کہنے لگے کیا ہو گیا تجھے؟ اللہ تجھے توفیق نہ بخشے! تو نے عہد شکنی کی، اور تو نے بدمعاشی کی، تیری مثال تو اس کتے جیسی ہے جس کو کام میں لگاؤ تب بھی ہانپتا ہے نہ لگاؤ تب بھی ہانپتا ہے! عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے تیری مثال اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں! شریح بن ہانی نے عمرو بن عاص پر کوڑا لہراتے ہوئے حملہ کر دیا عمرو رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بھاگا آیا اس نے شریح پر کوڑا اٹھالیا لوگ اٹھے اور بیچ بچاؤ کرا دیا۔ (طبری ۴/۵۶)

اس روایت میں قابل توجہ نکات

① ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس عدالتی بنچ کے سربراہ ہیں۔

② ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اپنی تجویز منوائی ہے۔

③ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جتنی تجویزیں دیں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے سب رد کر دیں ان میں سے کوئی ایک بھی قبول نہیں کی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی تجویز پر اصرار نہیں کیا۔

④ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود مجمع عام میں اقرار کرتے ہیں کہ فیصلہ ہم دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کو خیانت کار اور عہد شکن قرار دے رہے ہیں، اس کے باوجود امت کی قسمت کا فیصلہ ان کے سپرد ہے۔

⑥ عمرو رضی اللہ عنہ ہر معاملہ میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اکراماً مقدم رکھتے تھے اور خود پیچھے رہتے تھے ان کی یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کے عین مطابق ہے لیکن کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو عمرو رضی اللہ عنہ کا

ہر معاملہ میں اکراماً مقدم رکھنا درحقیقت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خوشامد مقصود تھی۔ (العیاذ باللہ)

⑦ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جو پوری عدالتی کارروائی پر مکمل طور پر چھائے رہے اور متفقہ فیصلہ تنہا انہی کی تجویز پر مشتمل تھا کہتے ہیں کہ وہ ایک بدھو آدمی تھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی کسی تجویز پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قائل نہ کر سکے ہر تجویز انہی کی ماننی پڑی اور کہتے ہیں وہ بڑے چالاک تھے' عیار تھے، خطرناک تھے۔

⑧ متفقہ فیصلہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی برملا تائید کے ساتھ سنایا گیا اور جب صدر مجلس متفقہ فیصلہ سنا چکے تو اس کے بعد کہتے ہیں عمرو رضی اللہ عنہ نے اس سے ایک مختلف اپنا فیصلہ زبانی سنانا شروع کر دیا!

⑨ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی صحبت سے گویا حماقتیں کرنا ہی سیکھا تھا!

⑩ متفقہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے اہل عراق کو بہت زیادہ پسند آیا اسی لئے تو ان کے گروپ کے سربراہ شریح بن ہانی نے عمرو رضی اللہ عنہ کے رکاوٹ ڈالنے پر عمرو رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا گویا وہ عمرو رضی اللہ عنہ کی اس شرارت کو برداشت نہ کر سکے۔

○ اس روایت میں بھی یہ ذکر ہے کہ دونوں جلیل القدر صحابی آپس میں ایک دوسرے کو گدھا اور کتا کہہ رہے ہیں؟!......

ج تیسری روایت اس بارے میں امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں نقل کی ہے

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کے بعد کہا آؤ عمرو رضی اللہ عنہ کوئی ایسا کام کریں جس پر اللہ تعالیٰ امت کو جمع کر دیں! عمرو رضی اللہ عنہ نے کاغذ منگوالیا اور کاتب سے کہا لکھ اور وہ عمرو رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا اور کہا کہ کلام کا کوئی حصہ اول ہوتا ہے اور کوئی آخر ہوتا ہے اور جب کلام میں جھگڑے کی نوبت آ جائے تو ہم آخر تک پہنچنے سے پہلے ہی شروع کا حصہ بھول جائیں گے لہٰذا ہم جو کہتے جائیں تو لکھتے جانا اور اگر ہم میں سے ایک تجھے لکھنے کا حکم دے تو تب تک نہ لکھنا جب تک دوسرے سے بھی پوچھ نہ لو پھر جب وہ کہے تو پھر لکھنا چنانچہ اس نے لکھا کہ: یہ وہ ہے جس پر فلاں اور فلاں نے صلح کی ہے حتی کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا لکھ عثمان مؤمن تھا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے ہم اس کی خاطر تو نہیں بیٹھے عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے دونوں میں سے ایک بات ضرور تھی یا وہ مؤمن تھے یا کافر تھے ابوموسیٰ کہنے

لگے نہیں! وہ مؤمن تھے عمرو نے کہا پھر اسے کہو کہ لکھے چنانچہ لکھ لیا گیا پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ظالم قتل ہوا یا مظلوم؟ ابوموسیٰ کہنے لگے وہ مظلوم قتل ہوا! عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو کیا اللہ تعالیٰ نے خون کے مطالبہ کے لئے اس کے وارث کو دلیل کا غلبہ نہیں دے دیا؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو کیا اس کے قاتل کو قتل کرنا لازم نہیں ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیوں نہیں! عمرو کہنے لگے تو کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے خون کے مطالبہ کا حق نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ اس بارے میں بے بس اور عاجز نہ ہو جائے' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیوں نہیں! عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے پھر ہم گواہ قائم کرتے ہیں اس بات پر کہ عثمان کو علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے! ابوموسیٰ کہنے لگے ہم صرف اللہ کی خاطر جمع ہوئے ہیں۔ آیئے ہم وہ کام کریں جس سے اللہ تعالیٰ امت کی اصلاح فرمادیں! عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ کیا ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو جانتا ہے کہ عراق والے معاویہ کو کبھی پسند نہیں کریں گے اور اہل شام علی رضی اللہ عنہ کو کبھی پسند نہیں کریں گے تو آیئے ہم دونوں کو سبکدوش کردیں! اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ کے داماد تھے عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا عبداللہ یہ کام کرسکیں گے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیوں نہیں جب لوگ اس پر اس کام کی ذمہ داری ڈال دیں گے تو وہ ضرور کریں گے! عمرو رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو درست قرار دیا اور کہا کہ سعد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور اس طرح عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کے نام گنوادیئے لیکن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی پر حامی نہیں بھری پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُٹھو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو سبکدوش کردیں اور آپ جس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اس کے نام کا اعلان کردیں چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا اور کہا ہم نے اپنے معاملہ میں خوب غور وخوض کیا ہے تو ہم نے دیکھا کہ قریب ترین وہ بات جس سے ہم امت کے خون کا تحفظ کرسکتے ہیں وہ ہمارا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو سبکدوش کرنا ہے میں نے دونوں کو اسی طرح علیحدہ کردیا جس طرح اپنی پگڑی سر سے اتار دی اور ہم نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا ہے جس نے صحبت نبوی میں تربیت پائی ہے اور اس کو ایمان میں سابقیت حاصل ہے وہ ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خوب مدح کی اور لوگوں نے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا پھر عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو سبکدوش کردیا ہے اور وہ اسے بہتر جانتے ہیں اور میں نے بھی

اس کی حمایت میں اسے سبکدوش کر دیا اور میں معاویہ کو اپنے اوپر اور تم پر برقرار رکھتا ہوں اور ابوموسیٰ نے اس دستاویز میں لکھا ہے کہ عثمان ظلماً قتل ہوا ہے اور اس کے وارث کو خون کے مطالبہ کا حق ہے' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہنے لگے عمرو رضی اللہ عنہ جھوٹ بولتا ہے ہم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں بنایا ہم نے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو سبکدوش کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام لذہبی ۳/۵۵۰)

اس روایت کا راوی کون ہے؟ امام ذہبی رحمہ اللہ نے حوالہ نہیں دیا صرف مروج الذہب للمسعودی کا حوالہ دیا ہے اس سے پہلے ابومخنف کی روایت طبری کے ہاں بہت سی باتوں میں اس کے ساتھ مشترک ہے اس لئے ممکن ہے اس کا راوی بھی ابومخنف ہی ہو ورنہ اس کا کوئی بھائی ہوگا! کیونکہ روایت کا سیاق واضح کر رہا ہے کہ یہ روایت بھی اس سے پہلی روایت کی طرح یقیناً کسی سبائی کی اختراع ہے۔

اس روایت میں قابل غور نکات:

① گویا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فیصلہ کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہیں محض پھڈا ڈالنے کے علاوہ ان کا کوئی اور کام ہی نہیں ہے۔

② اور یہ کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بات کو الجھا کر موضوع سے گریز کرنا چاہتے ہیں لیکن ابوموسیٰ ان کی ایک نہیں چلنے دیتے۔

③ اور یہ کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ابوموسیٰ اس کی کوئی بات نہیں چلنے دیتے تو بلا حیل وحجت ابوموسی کی تجویز کو قبول کر لیا کیونکہ ابوموسیٰ کی تجویز کو رد کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔

④ ابوموسی رضی اللہ عنہ عدالتی مجلس میں صدر نشیں ہیں اور متفقہ فیصلہ سو فیصد انہی کی تجویز پر مشتمل ہے۔

⑤ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے متفقہ فیصلہ سناتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو سبکدوش کئے جانے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر کئے جانے کا اعلان کر دیا جس پر لوگ بہت خوش ہوئے۔

⑥ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے متفقہ فیصلہ کے اعلان کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ذاتی اعلان

کر دیا!

⑦ عمرو رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھے کہ جب خود ان کی اپنی تائید سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جا چکا ہے اور اس فیصلہ پر لوگ بہت خوش بھی ہیں تو پھر اپنے ہی فیصلہ کے خلاف ایک اور اعلان نرا مسخرہ پن ہے۔

⑧ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اعلان سوا پھڈا ڈالنے کے اور کیا معنی رکھتا ہے یا انہیں کیا فائدہ دے سکتا ہے؟

⑨ گویا عمرو رضی اللہ عنہ کا مقصد امت میں اصلاح واتحاد نہیں بلکہ انتشار وافتراق ڈالنا تھا! (العیاذ باللہ)

⑩ قتل عثمان کے تذکرے کا مجلس تحکیم سے کیا تعلق یا استحقاق خلافت سے کیا تعلق؟ اس کو گویا روایت میں دوسری بہت سی بے ربط باتوں کی طرح زیب داستاں کے لئے جوڑا گیا ہے حالانکہ ایسا خیال امت کے اس وقت کے تصورات کے بالکل منافی ہے۔

⑪ عدالتی کارروائی کے دوران ابوموسی رضی اللہ عنہ بدھو کے سامنے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی عیاری دھری کی دھری رہ گئی فیصلہ سنانے کے وقت بھی ابوموسیٰ سے اتفاق کا اظہار کئے بغیر چارہ نہ رہا بعد میں اکیلے اپنا فیصلہ سنا رہے ہیں اسے کہتے ہیں کھسیانی بلی کھمبا نوچے! کیسی بے تکی باتیں ہیں جن کا کوئی سر نہ پیر......!

روایات پر ایک نظر

بنیادی طور پر تینوں روایتیں باہم متضاد ہیں۔ پہلی روایت بتاتی ہے کہ کوئی فیصلہ سرے سے ہوا ہی نہیں ثالث لڑتے جھگڑتے آئے اور لڑتے جھگڑتے چلے گئے...... دوسری روایت بتاتی ہے کہ فیصلہ متفقہ ہوا اور ثالثوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برخاست کر کے خلافت کا مسئلہ شوریٰ پر چھوڑ دیا اپنی طرف سے کسی کو نامزد نہیں کیا اور اس فیصلہ کو لوگوں نے قبول کیا' تیسری روایت بتاتی ہے کہ فیصلہ متفقہ ہوا اور ثالثوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برخاست کر کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا'

بعض باتیں ان روایات میں مشترک بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

① تینوں روایتوں کے سیاق سے واضح ہے کہ عدالتی بنچ کے سربراہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

② پہلی اور تیسری روایت میں سرے سے کوئی بات مشترک نہیں ہے۔

③ پہلی اور دوسری روایت میں صرف یہ بات مشترک ہے کہ ثالث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو گدھا اور کتا کہہ کر پکارتے ہیں۔

دوسری اور تیسری روایت میں چند امور اور بھی مشترک ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

① عدالتی بنچ کے سربراہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

② متفقہ فیصلہ سو فیصد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تجویز پر ہوا، عمرو رضی اللہ عنہ تو گویا ابو موسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر محض تائید کنندہ تھے۔

③ دونوں ثالثوں نے مسلمانوں کی مصلحت پر بہت غور و خوض کیا اور مختلف امور کی اہمیت پر نظر ڈالی

④ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جتنی تجویزیں پیش کیں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک بھی قبول نہیں کی سب رد کر دیں۔

⑤ متفقہ فیصلہ فریقین کو قبول اور بہت پسند ہے۔

⑥ متفقہ فیصلہ سنائے جانے کے بعد کہتے ہیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس سے متضاد اپنا ایک الگ فیصلہ سنایا؟!

⑦ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اعلان سے لوگوں کو سخت نفرت ہوئی۔

ان مشترک امور کے باوجود تینوں روایتیں باہم متضاد ہیں لہٰذا ہمیں ان تین روایات میں سے کسی ایک پر اعتماد کرنا ہوگا، لیکن جس ایک روایت کو ہم لیں گے اسے کیوں لے رہے ہیں؟ اور جن دو کو ہم چھوڑ رہے ہیں انہیں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ اس کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، پھر سوال یہ ہے کہ جب دو روایات ہمیں بلا دلیل نظر انداز کرنی پڑ رہی ہیں تو جو ایک

روایت لے رہے ہیں وہ بھی تو انہیں جیسی ہے پھر تینوں ہی کیوں نہ نظر انداز کر دیں۔لیکن پھر کیا کریں......؟

غالباً یہی اشکال اس مقام پر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پیش آیا کیونکہ ایک طرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت جو کتاب اللہ سے منصوص ہے اور حدیث نبوی ﷺ میں فرداً فرداً ان کی مدح اور ان کی فضیلت موجود ہے اور دوسری طرف یہ اندھی روایات؟!! غلاظتوں کا ڈھیر حماقتوں کا مجموعہ اس الجھن کا حل شاید انہوں نے یہ نکالا کہ سبائی روایتوں کو دھو دھلا کر پاک کر لیا جائے اور ان میں سے پاکیزہ مواد جو بچ رہے اس پر مشتمل ایک مناسب سی کہانی ترتیب دے لی جائے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سے میل کھاتی ہو لہٰذا انہوں نے اس ترکیب سے ایک چوتھی روایت تیار کی ہے جو حسب ذیل ہے:

''دونوں ثالث معاہدہ تحکیم میں طے شدہ وقت کے مطابق ماہ رمضان ۳۷ ھ کو دومۃ الجندل میں جمع ہوئے اور حسب پروگرام فریقین کے چار چار سو افراد بھی پہنچ گئے جب باہم ملے تو انہوں نے مسلمانوں کی مصلحت پر غور وخوض کیا اور مختلف پہلوؤں کی اہمیت پر نظر ڈالی پھر ان دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو اس معاملہ سے سبکدوش کر دیا جائے اور اس معاملہ کا فیصلہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ لوگ اپنے لئے مناسب ترین فرد پر متفق ہو جائیں وہ فرد انہیں دونوں حضرات میں سے لیں یا ان کے علاوہ کوئی تیسرا ہو یہ بات متفقہ طور پر طے کرنے کے بعد دونوں اس مجمع میں آئے جہاں لوگ جمع تھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کسی معاملہ میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھتے تھے بلکہ ادب و اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو آگے رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کو وہ فیصلہ سنا دیں جو متفقہ طور پر ہم نے کیا ہے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ خطاب کے لئے لوگوں کے سامنے آئے اور حمد و ثناء اور درود شریف کے بعد فرمایا: اے لوگو! ہم نے اس امت کے معاملہ میں خوب غور وخوض کیا ہے ایک ایسی رائے پر میں اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ متفق ہوئے ہیں اس رائے کے علاوہ کوئی اور صورت جو اس امت کے لئے مناسب ترین ہو اور اس کی شیرازہ بندی کرنے والی ہو ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور وہ رائے جس پر ہم دونوں متفق ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ میں اور عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہ دونوں بالاتفاق اس معاملے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سبکدوش کرتے ہیں اور معاملہ امت کے مشورہ پر چھوڑتے ہیں امت خود ہی اپنے اس معاملہ سے عہدہ برآ ہوگی اور لوگ جس کو چاہیں گے اپنا سربراہ بنائیں گے" (البدایہ ۷/۲۸۳)

اس معقول کہانی میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے اندھی روایات کی ایک نامعقول ترین بات کو بھی جگہ دی ہے وہ یہ کہ متفقہ فیصلہ سنائے جانے کے بعد کہتے ہیں عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے اپنا ایک الگ فیصلہ سنایا' خود ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ بات نامعقول ہے لیکن اس نامعقول بات کو ان کے باور کرنے کا سبب یہ ہوا کہ اس کے بارے میں ان کے ذہن میں ایک تاویل ابھری کہ اگر ہم اس تاویل کو حقیقت قرار دے لیں تو یہ لایعنی حرکت گوارا ہو سکتی ہے وہ تاویل یہ ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ شوری کے خلیفہ مقرر کرنے تک امت بلا امام رہ جائے گی لہذا اس خلاء کو پر کرنے کے لئے انہیں یہ تدبیر سوجھی جو ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ حالانکہ اس نامعقول حرکت کے لئے ابن کثیر کو جو تاویل سوجھی ہے وہ اس نامعقول حرکت سے کم نامعقول نہیں' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اگر غور فرماتے تو جہاں انہوں نے روایت میں سے دیگر نامعقول باتوں کو چھانٹ دیا اور معقول باتیں چن لیں وہاں ضروری تھا کہ اس نامعقول حرکت کے ذکر کو بھی چھانٹ دیتے کیونکہ ایسا بیہودہ پن کسی صحابی سے سرزد ہو! (العیاذ باللہ) عملا ایسا ہونا عقل نقل کے خلاف ہے جیسا کہ ہم واضح کریں گے۔ باقی رہا امت کے بلا امام رہ جانے کا مسئلہ؟ تو اگر اس کا سبائی روایات ہی سے حاصل کرنا ضروری تھا تو اس کی بھی ایک مناسب صورت موجود ہے یعنی ذہبی کی روایت میں ہے کہ متفقہ فیصلہ میں ثالثوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا' طبری کی روایت میں ہے کہ ثالثوں نے خلافت کا معاملہ شوری پر چھوڑ دیا ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ خلیفہ کا معاملہ ثالثوں نے شوریٰ پر چھوڑ دیا اور جب تک شوری خلیفہ کا تقرر کرے گی تب تک ثالثوں نے عبداللہ کو عبوری عرصہ کے لئے خلیفہ مقرر کیا تا کہ امت بلا امام نہ رہ جائے۔

فیصلہ کا اعلان اور سبائی پروپیگنڈ

دوسری اور تیسری روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب متفقہ فیصلہ سنایا گیا تو وہ زبانی نہیں تھا بلکہ تحریری تھا اور تحریر میں اس بات کا تکرار ہے ''ہم دونوں یعنی ابوموسی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امت کے مسئلہ میں غور کیا'' ''ہم دونوں متفقہ طور پر یہ اعلان کرتے ہیں'' ابوموسی رضی اللہ عنہ یہ تحریر پڑھتے جارہے تھے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تائید میں کہتے جاتے تھے'' صدق و بر '' انہوں نے سچ کہا ہے اور بالکل درست کہا ہے۔ متفقہ فیصلہ اب سنایا جا چکا ہے لوگوں نے فیصلہ کو قبول کرلیا ہے پسند کیا ہے اب ثالثوں کا کام ختم ہوگیا وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ثالثی کا منصب صرف اس ذمہ داری تک تھا وہ ذمہ داری اعلان پر ختم ہوگئی لہذا ثالثوں کی منصبی حیثیت ہی ختم ہوگئی جب تک فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا تو ثالثوں کو اختیار تھا کہ فیصلہ میں ترمیم کریں تبدیلی کریں جو چاہیں کریں لیکن جب وہ اپنا فیصلہ سنا چکے تو اس کے بعد وہ بحیثیت ثالث ختم ہوگئے اب اگر وہ متفقہ طور پر بھی اپنے پہلے فیصلہ سے مختلف کوئی اعلان کریں تو وہ محض ایک بے معنی بات ہوگی چہ جائیکہ اسے فیصلہ کا حصہ قرار دیا جائے کیونکہ اب وہ ثالث ہی باقی نہیں رہے تو یہ اس صورت میں ہے جب متفقہ فیصلہ سنانے کے بعد دونوں متفق ہوکر اپنے پہلے فیصلہ کی مخالفت کریں لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ فیصلہ متفقہ طور پر سنایا جا چکا اور عمرو رضی اللہ عنہ اس کے بعد تنہا اٹھ کر اپنے سابقہ فیصلہ کی مخالفت میں جس کا اعلان ہو چکا ہے ایک نیا فیصلہ سناتا ہے تو بتایئے اس کی اس حرکت کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ (العیاذ باللہ) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ایک بڑا عیار اور نہایت چالاک شخص تھا لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں تو اس کی چالاکی کی کوئی بات ہمارے سامنے نہیں آئی کیونکہ جب متفقہ فیصلہ ابوموسی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی تائید کے ساتھ سنایا جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا مشترک طور پر دونوں مل کر اپنا سنا رہے ہیں تو پھر اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ کی زبانی اعلان کی حیثیت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ وہ لوگوں میں مذاق بن کے رہ جائیں اور لوگ ان کا تمسخر اڑائیں؟ اس کو چالاکی نہیں کہا جاتا بلکہ گنوار پن اور گاؤدی پن کہا جائے گا ایسی حرکت وہی شخص کرے گا جو سوجھ بوجھ سے عاری اور عقل وفہم سے بالکل کورا ہو نہ کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسا شخص جس کی عقل

ودانش کو فاروق اعظمؓ قدرت کا ایک معجزہ قرار دیں وہ ایسی ابلہانہ حرکت کیسے کر سکتے ہیں؟

☆ پہلی اور تیسری روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصد شرارت کے سوا کچھ نہ تھا پہلی روایت میں صاف یہ ہے کہ فیصلہ کی کوئی بات سامنے آنے سے پہلے ہی دونوں حضرات لڑ پڑے اور لڑ جھگڑ کر ایک دوسرے کو گالی دیتے دلاتے اپنے اپنے گھر چلے گئے تیسری روایت متفقہ فیصلہ تو سامنے لاتی ہے لیکن اس کے سیاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص فیصلہ کے بارے میں قطعاً سنجیدہ نہیں ہیں اور بات کو موضوع سے ہٹا کر الجھانا چاہتے ہیں تاکہ کوئی فیصلہ ہونے ہی نہ پائے اور پھڈا پڑ جائے لیکن ابوموسیٰ بڑی فراست اور نرمی سے کام لیتے ہیں اور عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کی ایک نہیں چلنے دیتے آخر کار وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور متفقہ فیصلہ پر دستخط کرتے ہیں' ادھر آپ روایت میں پڑھ چکے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو پرلے درجے کا بدھو ثابت کیا گیا ہے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نہایت چالاک ہوشیار عیار اور مکار بتایا گیا ہے لیکن ادھر فیصلہ کی مجلس میں وہی حکایت ساز ہمارے سامنے ایک دوسری صورت حال لاتے ہیں کہ ہم فیصلہ کی مجلس میں دیکھتے ہیں کہ انتہائی ہوشیار عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کی تمام تر چالاکیاں بدھو آدمی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فراست ودانش کے سامنے سربسجود ہیں حتیٰ کہ پوری عدالتی کاروائی میں عمرو رضی اللہ عنہ کو کوئی معقول چالاکی سوجھی ہی نہیں نہایت سطحی قسم کی بے تکی سی باتیں اس کی طرف منسوب ہیں جو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان میں سے ایک بھی نہ چل سکی بالآخر جب کوئی بات نہ بن پڑی تو اختتام مجلس کے بعد ایک مضحکہ خیز قسم کی حرکت کر کے اپنے چالاک ہونے کا ثبوت دیا' سوال یہ ہے کہ پرلے درجہ کا بدھو کیا ایسے صاحب فہم وفراست اور زیرک و مدبر شخص کو کہتے ہیں جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اسی عدالتی کاروائی میں دکھایا گیا ہے؟ اور کیا انتہائی چالاک عیار اور نہایت ہوشیار ایسے بدھو کودن اور بے سلیقہ شخص کو کہا جائے گا جیسا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس عدالتی کارروائی میں دکھایا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!!

☆ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض اور کینہ یہ سبائیوں کی نفسیاتی کمزوری ہے لہٰذا وہ مجبور ہیں کہ حکایت سازی کرتے وقت وہ اپنے اس ناپاک جذبہ کی تسکین کا سامان کریں لیکن جب وہ حکایت سازی کرنے لگتے ہیں تو متعلقہ شخص کی خصوصیات ونفسیات کا لحاظ کرنے کے بجائے اپنے

تنگ اور ناپاک ذوق وظرف ہی کا لحاظ کرتے ہیں یعنی ایک طرف وہ عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کو انتہائی خطرناک حد تک چالاک عیار و مکار، ودغا باز قرار دیتے ہیں جس کی چالاکی کے خطرے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بے حد پریشان دکھایا گیا ہے احنف بن قیس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کرتا ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عمرو کا توڑ نہیں خدا کے لئے کوئی مناسب تدبیر کرو...... اشتر کہتا ہے مجھے اس کے مقابلہ میں مقرر کر دو ورنہ مارکھا جاؤ گے...... اور ادھر ابوموسی رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں (العیاذ باللہ) کاٹھ کا الو بنا کے پیش کیا جاتا ہے لیکن عدالتی کارروائی سامنے آتی ہے تو اس میں نہ ہمیں عمرو رضی اللہ عنہ کی کسی چالاکی عیاری کا کہیں کوئی اتہ پتہ ملتا ہے اور نہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بدھو پن کا کہیں کوئی نشان ملتا ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عدالتی مجلس میں سبائیوں نے جو باتیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہیں وہ انتہائی بچگانہ اور بے سلیقہ پن کی باتیں ہیں اور وہ ابوموسی رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں منوا سکتے بلکہ ابوموسی رضی اللہ عنہ کی ہر بات ماننی پڑی اور اگر عمرو رضی اللہ عنہ واقعی چالاکی کرتے یا ان کی نیت میں خلل ہوتا تو صدر مجلس وہ خود بنتے حالانکہ حکایت سازوں کی تمام روایات یہی بتاتی ہیں کہ صدر نشین ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، اور اگر پھڈا ڈالنا ہی مقصد ہوتا تو وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ فیصلہ میں سناتا ہوں پھر اپنی مرضی سے جو چاہتے فیصلہ سناتے اور کہتے کہ ہمارا متفقہ فیصلہ ہے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چیختے تو چیختے رہتے یہی ہوتا ناں کہ پھڈا پڑ جاتا لیکن ساتھ یہ بھی تو ہوتا کہ جو فیصلہ پہلے سنایا جاتا قانونی حیثیت اسی کو حاصل ہونی تھی وہی اصل فیصلہ سمجھا جاتا لیکن یہ عجیب بات ہم دیکھتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی چالاکی عیاری کے چرچے تو بہت ہوئے لیکن عدالتی مجلس میں وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بات بھی سلیقہ کی نہیں کر پاتے اور اپنی کوئی بات منوا نہیں سکتے؟! ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر وہ آمنا کہتے ہیں اور وہی تجویز متفقہ فیصلہ قرار پاتی ہے اس پر وہ دستخط کرتے ہیں حالانکہ سبائیوں کا کہنا ہے کہ وہ فیصلہ عمرو رضی اللہ عنہ کو خود منظور نہیں ہے، پھر یہ کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کی تصدیق وتائید ہی سے متفقہ فیصلہ سناتے ہیں اگر پھڈا ڈالنا ہوتا تو کیا وہ عمرو رضی اللہ عنہ جس کی عیاری کے (العیاذ باللہ) اس قدر چرچے ہیں اسے اس ساری کارروائی میں کہیں پھڈا ڈالنے کی گنجائش ہی نہیں ملی؟! اس ساری کاروائی اور روایت سازی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ تھے تو بہت عیار چالاک کسی سے دھوکا نہیں کھاتے تھے اور ان کے دھوکے سے بڑے سے بڑا زیرک اور ہوشیار

آدمی بھی بچ کے نہ جا سکتا تھا لیکن تھے نہایت سیدھے سادھے اور بھولے ہر ایک سے دھوکا کھا جاتے تھے! کیا خوب؟!۔

جب دونوں متفقہ طور اپنا فیصلہ سنا چکے تو بات ختم ہو گئی' اب اگر عمرو رضی اللہ عنہ اکیلا اٹھ کر ایک اعلان شروع کر دیتا ہے تو یہ چالاکی کہلائے گی یا بے بسی اور عاجزی؟ اور سرکاری فیصلہ کے بعد اس بے وقت کی راگنی کی حیثیت کیا ہو گی؟ متفقہ فیصلہ کے اعلان پر عدالتی رول ختم ہو گیا اب اس کے بعد اگر عمرو رضی اللہ عنہ کوئی کارروائی کرتا ہے تو اس کارروائی کا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق کہ اسے الزام دیا جائے کہ عمرو رضی اللہ عنہ تیرے ساتھ چالاکی کر گیا؟! کیونکہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تو اپنی ذمہ داری پوری کر کے سبکدوش ہو چکے اب اگر کوئی اپنی ذاتی حیثیت سے کسی قسم کا اعلان کرتا ہے تو کرتا رہے اب نہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ثالث باقی رہے نہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ثالث رہے اور نہ ثالثوں کے لئے مجلس گوش بر آواز رہی پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پر سادہ منش اور فریب خوردہ ہونے کا الزام کیسا؟ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کی طرف بے سود اور بے معنی اعلان کی نسبت کا کیا مطلب؟ گویا جب عمرو رضی اللہ عنہ کو کچھ ہاتھ نہ آیا تو بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی! انا للہ وانا الیہ راجعون!

کیسی گندی تصویر ہے جو سبائیوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عدالتی آداب کی پیش کی ہے!

☆ انسانی معاشرے کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ عدالتی بنچ جب فیصلہ کر چکے تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بنچ کے ممبران میں سے ہر ممبر فیصلہ سنانے کھڑا ہو جائے بلکہ پورے بنچ کی طرف سے بنچ کا صدر یا جس رکن کو صدر فیصلہ سنانے کے لئے مقرر کر دے وہی فیصلہ سنانے کا مجاز ہو گا اور اگر عدالتی بنچ کے کسی ممبر کو فیصلہ کی کسی شق سے اختلاف ہو تو اس کا اختلافی نوٹ بھی فیصلہ کا حصہ قرار پائے گا اور تحریراً فیصلہ کی دستاویز میں اسے شامل کیا جائے گا جو فیصلہ کے ساتھ ہی سنایا جائے گا ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اختلاف کرنے والا خود ہی اپنا اختلافی نوٹ سنانے کھڑا ہو جائے یہ تو اس صورت میں ہے جب کسی ممبر کو فیصلہ میں اختلاف ہو لیکن اگر فیصلہ بالاتفاق ہو اس میں کسی ممبر کو کوئی اختلاف نہیں اور متفقہ فیصلہ پر ممبروں نے اپنے دستخط اور مہریں ثبت کی ہیں اور پھر وہ فیصلہ بنچ کے سربراہ کی طرف سے سنایا جاتا ہے بعد میں ایک ممبر جس کے متفقہ فیصلہ پر دستخط ثبت ہیں کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا فیصلہ اس متفقہ فیصلہ سے علیحدہ ہے! بتایئے! بھلا اس کی اس

مضحکہ خیز حرکت کو کسی سنجیدہ شخص کی بات کہا جائے گا؟ یا لوگ یہ سمجھیں گے کہ شاید اس کو اچانک پاگل پن کا دورہ پڑا ہے ہسپتال پہنچایا جائے کیونکہ ایسی احمقانہ حرکت کوئی سمجھ دار آدمی بہر حال نہیں کرسکتا!

یہ بات تو تھی عام انسانی معاشرے کی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کسی عام معاشرتی گروہ کا نام نہیں بلکہ بنی نوع انسان کا یہ وہ ستودہ صفت گروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے پورے بنی آدم میں سے صحبت خاتم الانبیاء کے لئے چنا جس نے عالم انسانی کو جینے کا سلیقہ سکھایا قانون کے آداب سکھائے بات کرنے کی تمیز دی، اگر اس گروہ کی اپنی سلیقہ مندی یہ ہے جس کی تصویر حکایت سازوں نے پیش کی ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ طبری کی روایت میں ہے کہ ”جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فیصلہ سنانے لگے تو ابن عباس نے انہیں ٹوکا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں تجھے عمرو رضی اللہ عنہ دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اگر تم فیصلہ پر متفق ہوئے ہو تو اسی کو پہلے بات کرنے دے پھر اس کے بعد تو بات کرنا یقیناً عمرو رضی اللہ عنہ جھوٹا اور بددیانت آدمی ہے!“

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے والوں نے اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا کہ حبر امت کی طرف کیسی احمقانہ بات منسوب کر رہے ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بات وہی ہے کہ جھوٹ گھڑنے والے اپنے گندے ذوق اور تنگ ظرفی سے باہر نہیں جا سکتے۔ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کو بددیانت اور خیانت کار سمجھتے تھے تو کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ فیصلہ دونوں میں سے ایک ہی شخص سنائے گا دونوں اپنا اپنا فیصلہ سنانے کھڑے نہیں ہوں گے کہ پہلے اور بعد میں بات کرنے کا سوال پیدا ہو؟ اور اگر بفرض محال ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سمجھ سبائیوں کے ظرف جتنی ہی تھی پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ یہ بات نہیں سمجھتے تھے؟ کہ اصل فیصلہ وہی ہوگا جو پہلا شخص سنائے گا! اگر عمرو رضی اللہ عنہ جھوٹا بددیانت ہے تو جب آپ اسے فیصلہ سنانے کے لئے پہلے کھڑا کر دیں گے تو کیا وہ جھوٹ بولنا بھول جائے گا؟ اور کیا پھر خیانت کرنے سے اس کے ہاتھ شل ہو جائیں گے؟ یا اس کی زبان گنگ ہو جائے گی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد بولنے کی باتیں جو عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں ان کے بارے میں تو یہ بات واضح ہے کہ وہ آؤٹ آف دی فیصلہ

باتیں تھیں جن کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے' لیکن اگر بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ شروع سے فیصلہ سنانے کا اسی جھوٹے بددیانت کو کہا جاتا تو پھر ظاہر ہے کہ اس جھوٹے بددیانت کی ہر بات قانون کا متن قرار پاتی اور سناتے وقت وہ آزاد ہوتے اور متفقہ فیصلہ کی جو چاہتے درگت بناتے بعد میں ابوموسیٰ کا چیخنا شور مچانا کچھ کام نہ آتا۔

☆　روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متفقہ فیصلہ سب کو قبول تھا اور پسند تھا لیکن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے بعد میں شرارت کر کے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ورنہ فریقین متفقہ فیصلہ پر عمل پیرا ہو جاتے!

تاریخ الاسلام ذہبی کی روایت میں ہے کہ فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور طبری کی روایت میں ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے جب اپنا اعلان کیا تو عراقی گروپ کے سربراہ شریح بن ہانی نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر کوڑا لہراتے ہوئے حملہ کر دیا بلکہ وہ بعد میں بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ میں اپنے کسی فعل پر اتنا نہیں پچھتایا جتنا اس روز عمرو رضی اللہ عنہ پر کوڑا برسانے پر پچھتایا یعنی یہ کہ کاش اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار آ جاتی تو میں اس کا سر اڑا دیتا پھر جو ہوتا ہوتا رہتا۔ (طبری ۴/۵۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عراق والوں کو تو متفقہ فیصلہ بہت زیادہ پسند تھا حتیٰ کہ وہ اس فیصلہ کے نفاذ میں گڑبڑ پیدا کرنے والے کو قتل تک کر دینا چاہتے ہیں تو اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ چونکہ اس بارے میں اصل مجرم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو گردانا جاتا ہے کہ انہوں نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا لہٰذا بعد کی روایت میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ متفقہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکنے کا ذمہ دار عمرو رضی اللہ عنہ کو قرار دے کر ان کی مذمت کی جاتی کہ اگر یہ بعد میں گڑبڑ نہ کرتے تو امت اختلاف کے سانحہ سے محفوظ ہو جاتی اور اتحاد و اتفاق کی نعمت سے بہرہ مند ہو جاتی لیکن یہاں بڑی عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ جب تذکرہ ہو تحکیم کا تو عمرو رضی اللہ عنہ سب سے بڑا مجرم کہ اس نے کام بگاڑ دیا ورنہ بات بن گئی تھی لیکن واقعہ تحکیم کے بعد کی روایات عمرو رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہی سرے سے نہیں کرتیں بلکہ یہ کہتی ہیں کہ ثالثوں کا متفقہ فیصلہ ہی غلط اور خلاف شریعت تھا اس لئے دونوں ثالث برابر کے مجرم ہیں سوال یہ ہے کہ اگر خود متفقہ فیصلہ ہی خلاف شریعت تھا تو پھر اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کے نفاذ میں گڑبڑ کر دی تو یہ گویا پھر تو اس نے بڑی قابل قدر خدمت انجام دی کہ انہوں نے ایک ایسی تدبیر کی جس نے ایک خلاف شریعت فیصلہ کے نفاذ کو ناممکن بنا دیا پھر تو واقعی ان کا یہ اقدام قابل

صد مبارکباد ہے حالانکہ ہم نے آج تک اس خیالی اقدام پر ان کی مذمت ہی سنی ہے کہ ان کی حرکت نے فیصلہ کا نفاذ کھٹائی میں ڈالا' لہٰذا اگر فیصلہ صحیح تھا جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے پھر تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام فرضی ہی سہی لیکن ہم اس پر حسرت وافسوس کے آنسو بہا کر اپنا غم تو ہلکا کریں گے! اور اگر فیصلہ خلاف شریعت تھا تو پھر اس اقدام پر ہمارے دل سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لئے دعائیں نکلیں گی۔

آیئے اس بارے میں امیر المومنین خلیفۃ النبی رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب ہی سے پوچھیں کیونکہ ان سے کوئی بڑا عالم اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اور نہیں تھا:

سبائی کہتے ہیں انہوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو! یہ دو شخص جنہیں تم نے ثالث چنا تھا انہوں نے قرآن کا حکم پیٹھ پیچھے پھینک دیا جسے قرآن مٹانا چاہتا تھا اسے انہوں نے زندہ کیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور اللہ کی ہدایت کو نظر انداز کر کے فیصلہ دیا بغیر کسی واضح دلیل کے بغیر کسی جاری سنت کے اور اپنے فیصلہ میں اختلاف کیا اور انہیں راہنمائی نہیں ملی اللہ اور اس کا رسول اور صالح مؤمنین ان دونوں سے بری ہیں بیزار ہیں تم تیار ہو جاؤ ملک شام پر حملہ کے لئے اور صبح ہی صبح معسکر میں پہنچ جاؤ''۔ (طبری ۴/ ۵۷)

کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان خوارج کے نام خط لکھا جن کو قتل کر ڈالنے کا نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہایت تاکیدی حکم فرمایا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زید بن حصین عبداللہ بن وہب اور ان کے ساتھیوں کے نام ''اما بعد'' یہ دو شخص جن کو ثالث بنانے پر ہم راضی ہوئے تھے دونوں نے اللہ کی ہدایت کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشات کی اتباع کی انہوں نے نہ سنت پر عمل کیا اور نہ قرآن کا حکم نافذ کیا اللہ اس کا رسول اور اہل ایمان ان دونوں سے بری ہیں لہٰذا جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم فوراً چلے آؤ ہمیں اپنے مشترک دشمن کی طرف چلنا ہے اور ہم اب اسی پہلے معاملہ پر ہیں جس پر شروع میں تھے۔ والسلام'' (ایضا)

کہتے ہیں ان انسانی لطیفوں نے جواب میں لکھا'' اما بعد تو اپنے رب کے لئے غضبناک نہیں ہوا بلکہ اپنے نفس کے لئے غضبناک ہوا ہے لہٰذا گر تو اپنے کفر کا اقرار کرے اور پھر اس کفر سے

توبہ کرے تو ہم تیرے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں غور فرمائیں گے ورنہ ہم نے تیرے خلاف کھلا اعلان جنگ کردیا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتے'' (ایضاً)

حکایت سازوں کے بقول آپ رضی اللہ عنہ کے خطبہ اور خط سے یہ بات واضح ہے کہ ثالثوں کا متفقہ فیصلہ ہی غلط تھا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اعلان وغیرہ کا اس معاملہ سے گویا کوئی سروکار نہیں ہے دونوں ثالث اپنے متفقہ فیصلے کی بناء پر اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان قرار پائے اور اہل ایمان سے خارج ہوگئے اور قرآن کے منکر قرار پاگئے ہیں دونوں ثالث برابر کے مجرم ہیں دونوں کا جرم ان کا متفقہ فیصلہ ہے اور یہ جرم ناقابل معافی ہے لہٰذا اللہ اور اس کا رسول اور تمام اہل ایمان ان دونوں ثالثوں سے بری ہیں بیزار ہیں! (العیاذ باللہ)

لہٰذا جب متفقہ فیصلہ ہی غلط قرار پایا اور یہ فیصلہ کرکے دونوں ثالثوں نے اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ کے لئے ناراض کرلیا اور مستقل طور دونوں ہی مجرم قرار پاگئے تو ایسے مجرمانہ فیصلے کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ کے بولنے یا نہ بولنے سے کیا فرق پڑے گا بلکہ بولنا تو مفید رہے گا کیونکہ بول کر فاسقانہ فیصلہ کے نفاذ میں پھڈا ڈال دیا جو ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے اگر خدانخواستہ عمرو رضی اللہ عنہ بعد میں اپنا اعلان نہ کرتے تو اس خلاف شریعت فیصلہ کو نافذ ہوجانا تھا پھر تو گویا ساری امت اللہ کے غضب کا نشانہ بن جاتی!!

معلوم ہوا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بے موقع بولنے نے امت کو اللہ کے عذاب سے بچا لیا! اس اعتبار سے یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم کارنامہ ہوا یا قابل مذمت حرکت؟! اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ متفقہ فیصلہ جس پر حکایت سازوں کے بقول اللہ اور اس کا رسول اور تمام اہل ایمان دونوں ثالثوں سے ناراض ہوئے یہ فیصلہ سو فیصد ابوموسیٰ کی تجویز پر عمل میں آیا تھا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو ان کے تائید کنندہ تھے جیسا کے پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے اور یہ بات بھی وضاحت سے گزر چکی ہے کہ جس فیصلہ کو اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی کافرانہ فاسقانہ اور مجرمانہ قرار دیا جارہا ہے یہ فیصلہ فریقین کو قبول اور پسند تھا اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی ﷺ نے اہل شام کو دو مؤمن جماعتوں میں سے ایک جماعت قرار دیا ہے اور خوارج کے بارے میں فرمایا کہ انہیں دیکھتے ہی قتل کرڈالا جائے اور اس قتل کی ذمہ داری کے لئے خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے نامزد فرمایا

اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان خوارج کو قتل کرنے کا اجر اگر میں تمہیں بتا دوں تو تم سارے اعمال چھوڑ کر جنت لینے کے لئے صرف اس ایک عمل پر (یعنی خوارج کو قتل کرنا) اکتفاء کر لو گے' لیکن سبائی روایتوں کا کرشمہ یہ ہے کہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان واجب القتل خوارج کے نام خط لکھ رہے ہیں کہ آؤ میرے ساتھ اہل ایمان سے جنگ کرنے کے لئے جو ہمارے مشترکہ دشمن ہیں یعنی سبائی روایتوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان خوارج کا ہمدرد اور دوست بنا دیا جن کو قتل کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ فرض ہے اور ان اہل ایمان کا دشمن بنا دیا جن سے صلح کرنا فرض ہے۔

☆ ثالثی نامہ میں درج تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ قبول کرنا امت پر واجب ہوگا' اور اس میں ایسا کوئی استثنا یا شرط موجود نہیں ہے جس میں ہو کہ اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو پھر امت کی مرضی ہوگی فیصلہ قبول کرے یا نہ کرے مثلاً یوں ہوتا کہ "بشرطیکہ فیصلہ قرآن کی مطابق ہوا" یا یہ کہ "بشرطیکہ انہوں نے قرآن کو پس پشت نہ ڈالا" یا یہ کہ "الا یہ کہ ان کا فیصلہ قرآن کی مخالفت میں ہو" یا یہ کہ "الّا یہ کہ وہ اپنے فیصلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں" یہ یا اس طرح کی کوئی بات عہد نامہ میں قطعاً موجود نہیں ہے البتہ مثبت طور پر انہیں یہ کہا گیا ہے کہ "جو کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل پیرا ہوں اور اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں تو سنت عادلہ غیر متفرقہ" یہ ان پر کوئی شرط عائد کرنا نہیں بلکہ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ فریقین کے نزدیک دونوں ثالث مجتہد ہیں اور فیصلہ قرآن وسنت سے حاصل شدہ ان کی اجتہادی بصیرت کے حوالے ہے اور ان کے اجتہاد پر امت کو اعتماد ہے لہٰذا جب یہ ثالث اپنے اجتہاد سے ایک فیصلہ دیں گے تو جن پر ان کے فیصلہ کو لاگو ہونا ہے وہ بھی مجتہد ہیں اور ان مجتہدین کو اپنی اجتہادی بصیرت کی بناء پر ثالثوں کے فیصلہ سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے لہٰذا عہد نامہ میں یہ شرط عائد کر کے کہ "امت پر ثالثوں کے فیصلہ کو قبول کرنا واجب ہوگا" ان مجتہد حضرات سے اختلاف کی رعایت منفی کر دی گئی جن پر فیصلہ لاگو ہونا تھا اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بڑے مجتہد ہیں بلکہ بہت بڑے مجتہد ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے مجتہد ہیں کم از کم عرصہ دو سال تک نبی ﷺ کی خدمت کی ہے کاتب وحی رہے ہیں لیکن یہاں سوال کسی مجتہد کے بڑا یا چھوٹا ہونے کا نہیں بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں بڑے مجتہدین نے اپنے مجتہد ساتھیوں کو ثالث بنایا اور انہیں فیصلہ کا

اختیار سونپا اور عہد نامہ خود تحریر کرایا اور عہد نامہ میں اپنے اوپر یہ خود لازم کیا کہ ثالثوں کا فیصلہ قبول کرنا واجب ہے۔ اور وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھے کہ ثالثوں کا فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق ہونا ضروری نہیں حتیٰ کہ انہوں نے عہد نامہ میں یہ خود طے کیا کہ:

''من ولیاہ الخلافة فھو الخلیفة و ما اتفقا علیٰ خلعه خلع'' جس کو دونوں ثالثون نے خلیفہ مقرر کیا وہی خلیفہ ہوگا اور جس کو سبکدوش کرنے پر دونوں متفق ہو گئے وہ سبکدوش ہو جائے گا اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ فیصلہ فریقین کو پسند تھا لیکن اگر فریقین کو فیصلہ سو فیصد نا پسند ہوتا تب بھی ان کی ناپسندیدگی فیصلہ کو رد کر دینے کی دلیل نہیں بنتی' شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ'' المجتھد یصیب و یخطی ''مجتہد کبھی صحیح رائے پر پہنچتا ہے اور کبھی غلطی کھاتا ہے۔ اور مجتہد کی غلطی پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے اجر ملے گا یعنی شریعت میں اس کی غلطی بھی قبول ہے اور ثالثوں کی یہ دونوں حیثیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ہیں یعنی فیصلہ کرتے وقت وہ اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کر سکتے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ثالثی نامہ میں یہ تحریر نہیں کروایا کہ ثالثوں کا فیصلہ قبول کرنا واجب ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے فیصلہ میں غلطی نہ کریں بلکہ مطلقاً ان کے فیصلہ کو قبول کرنا واجب قرار دیا اور یہی شریعت کا تقاضا بھی تھا لہٰذا ثالثوں نے جو فیصلہ بھی دیا فریقین میں سے کسی کو اس سے اختلاف کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کو غیر شرعی قرار دیا لہٰذا ان روایتوں کی حقیقت جو اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں سبائی جھوٹ اور افسانہ سازی سے زیادہ کچھ نہیں خصوصاً جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ کو یہ تک کہہ دیا تھا'' کہ تم فیصلہ کرو خواہ میری گردن اڑا دینے کا ہو''

نتائج

جیسے ہم تفصیل سے ذکر چکے ہیں کہ ثالثی نامہ کا متن اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ:

① ثالثوں کا تقرر فریقین کی طرف سے حسن انتخاب کا شاہکار تھا۔

② ثالثوں کی شخصیت فریقین کے نزدیک ہر اعتبار سے قابل اطمینان اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتھی۔

③ دونوں ثالث علم و معرفت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی اجتہادی بصیرت و صلاحیت سے متصف تھے۔

④ دونوں ثالث تقویٰ و اخلاص' امانت و دیانت اور عقل و دانش کی اعلیٰ ترین صفات کے حامل تھے۔

⑤ ثالثوں کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ ہم حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو ان کے اپنے اپنے منصب سے سبکدوش کرتے ہیں اور فیصلہ شوریٰ پر چھوڑتے ہیں کہ اہل شوریٰ جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائے جانے کا اعلان کر دیا!

⑤ ثالثوں کا یہ فیصلہ فریقین کو بے حد پسند آیا! پھر کیا ہوا؟......

یہاں پہنچ کر حقیقی واقعات پر بریک لگ جاتی ہے اور نقل حکایت بے تکے راستے پر چل نکلی لیکن عملاً ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو صورت حال ثالثی نامہ لکھے جانے کے وقت تھی وہی صورت حال ثالثوں کے متفقہ فیصلہ کے بعد بھی قائم ہے گویا متفقہ فیصلہ عملی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکا جس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ثالثوں کا متفقہ فیصلہ فریقین کو پسند اور قبول ہونے کے باوجود عملاً نافذ ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا! ایسا کیوں ہوا؟......اس کا ایک سبب تو سبائی روایات بتاتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

① متفقہ فیصلہ سنائے جانے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے متفقہ فیصلہ کے خلاف اپنا الگ ایک اعلان کر کے پھڈا ڈال دیا جس سے اہل عراق کو خاص طور پر بڑی مایوسی ہوئی جبکہ وہ فیصلہ پر بہت خوش تھے۔

② ثالثوں کا یہ متفقہ فیصلہ کتاب اللہ کے صریحاً منافی تھا دونوں ثالثوں نے فیصلہ میں محض اپنی نفسانی خواہشات کو مدنظر رکھا تھا اس لئے اہل عراق نے اسے رد کر دیا اور اہل شام کے خلاف نئے سرے سے اعلان جنگ کر دیا!

③ فیصلہ کرنے والے دونوں ثالث ہر اعتبار سے نا اہل تھے اہل عراق کی طرف سے جو ثالث تھا وہ (العیاذ باللہ) پرلے درجہ کا بدھو اور کودن تھا جس میں کسی طرح کی کوئی صلاحیت نہ تھی اور اہل شام کی طرف سے جو ثالث تھا وہ پرلے درجہ کا چالاک اور عیار تھا جس کو شریعت کا کوئی لحاظ پاس نہ تھا لہٰذا یہ ثالث شریعت کے مطابق نہ فیصلہ کر سکتے تھے اور نہ شریعت کے مطابق ہوا' اس لئے اہل عراق نے ثالثوں کا متفقہ فیصلہ نہیں مانا......

یہ تینوں باتیں ان بہت سی روایات کا خلاصہ ہیں جو متفقہ فیصلہ کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر اچھالی گئیں اور پروپیگنڈے کی تکنیک یہ ہوتی ہے کہ مختلف' بے ربط اور متضاد باتیں فضاء میں اچھالی جاتی ہیں کیونکہ مربوط اور مانوس باتیں ذہن کو پراگندہ نہیں کر سکتیں متضاد اور بے ربط باتوں ہی سے بات الجھتی ہے اور ذہن پراگندہ ہوتے ہیں اور یہی پروپیگنڈے کا مقصد ہوتا ہے یعنی کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آنے پائے' اور اس میں غضب یہ کیا ہے کہ ان میں زیادہ تر روایات براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

اور ہم یہ تفصیلاً پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ان روایات کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاک اور شفاف دامن پر غلاظت کا ایک ناپاک اور بدبودار دھبہ ہے' اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ متفقہ فیصلہ کے عدم نفاذ کا یہ سبب غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ:

① ثالثی نامہ اور متفقہ فیصلہ آپس میں مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔

② دونوں ثالث متفقہ فیصلہ میں فریقین کی توقعات پر ٹھیک پورے اترے ہیں

③ ثالثوں کے فیصلہ کو ماننا فریقین پر غیر مشروط طور پر واجب تھا۔

④ متفقہ فیصلہ کا ثالثی نامہ کے عین مطابق ہونے کے باعث کسی فریق کے لئے نہ ماننے کا کوئی عذر موجود نہیں ہے۔

⑤ اگر متفقہ فیصلہ اس سے مختلف بھی ہوتا تب بھی معاہدہ کی رو سے اس کا ماننا فریقین پر

واجب تھا!

⑥ فیصلہ کے واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ فریقین کے لئے قابل قبول بھی ہو، ہر حال میں ماننا واجب تھا خواہ وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ثالثوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا وغیرہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر صریحاً بہتان ہے کیونکہ معاہدہ کی رو سے ان کے لئے یہ کہنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے اور ایسا کہنا معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور اگر ان کے بارے میں یہ بات تسلیم کر لی جائے تو کیا وہ خلیفۃ النبی باقی رہ جائیں گے؟

⑧ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اعلان کا افسانہ حکایات سازوں کا ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا جھوٹ انہوں نے فیصلہ تسلیم نہ کرنے کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کتنے ہی عنوانوں سے منسوب کیا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ متفقہ فیصلہ کے عدم نفاذ کا جو سبب سبائی روایات بتاتی ہیں وہ غلط ہے اور جھوٹ ہے لیکن یہ سوال پھر اپنی جگہ باقی رہ گیا کہ فیصلہ کے نافذ نہ ہو سکنے کا سبب کیا تھا؟......

اس بارے میں جہاں تک روایات کا تعلق ہے وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں اہل عراق کی روایات زیادہ تر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں وہ سب سبائی روایات ہیں اہل شام کی طرف سے اس بارے میں کوئی روایت آپ کو نہیں ملے گی کیونکہ وہاں سبائیت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تحکیم کا مسئلہ اہل شام و عراق کا ایک مشترک مسئلہ تھا اور متفقہ فیصلہ کا تعلق دونوں فریقوں سے تھا لہٰذا حمایت یا مخالفت میں روایات دونوں کی طرف سے آنی چاہیے تھیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہم دیکھتے ہیں کہ تمام تر روایات یکطرفہ طور پر اہل عراق کی طرف سے ہیں ابوموسی اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی مذمت کی روایات ہیں تو ان کی طرف سے ہیں، فیصلہ کے کتاب اللہ کے مخالف ہونے کی روایات ہیں تو ان کی طرف سے ہیں، دوبارہ اعلان جنگ کی روایات ہیں تو ان کی طرف سے ہیں، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی خراسان، مصر حجاز یمن وغیرہ میں کسی فوجی مہم کا ذکر ہے تو ان کی طرف سے ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جوابی کاروائی کا ذکر ہے تو ان کی طرف سے ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین کسی مراسلت یا پیغام

رسائی کی روایت ہے تو ان کی طرف سے ہے' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سفارت بھیجیں تو روایت انہی کی ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سفارت بھیجیں پھر بھی روایات انہی کی ہیں' کیونکہ پروپیگنڈے کی ضرورت صرف انہی کو پڑتی ہے لہٰذا روایت سازی کرتے وقت پروپیگنڈے کے حسب ضرورت ایک ماحول تجویز کرنا ہوتا ہے اس ماحول کے حسب حال کہانی ترتیب دینی ہوتی ہے اس کہانی کے تقاضوں کے مطابق کرداروں میں رنگ بھرنا ہوتا ہے' حسد اور کینے کی وجہ سے مناسبت قائم نہیں رہ سکتی اس لئے روایات میں تضاد' نامعقولیت اور بے ہودہ پن سرایت کر جاتا ہے لہٰذا اگر آپ ان روایات سے حقیقت کا سراغ لگانا چاہیں تو آپ کی حیثیت پانی کی خاطر سراب میں بھٹکنے والے سے مختلف نہیں ہوگی لہٰذا یہاں متفقہ فیصلے کے عدم نفاذ کا سبب معلوم کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ فیصلہ کے بعد جو عملی صورت حال پیدا ہوئی اس کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اس سے ایسے پوائنٹ اور اشارات آپ کے سامنے اجاگر ہوں گے جن کی راہنمائی سے آپ کو حقیقی سبب تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو سکے گا' عملی صورت حال کے مطالعہ کے لئے حسب ذیل نکات کو پیش نظر رکھیں۔

(۱) نفسیاتی فضاء کے عنوان میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ سبائیوں کا یہ حتمی فیصلہ تھا کہ صلح کے معاملہ کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دینا۔

(۲) طبری کے حوالے سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی مراسلہ آتا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس کا جواب دیتے تو کسی کو خبر تک نہ ہوتی لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیغام ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آتا تو سب پوچھنے لگ جاتے کہ امیرالمؤمنین نے کیا لکھا ہے؟ آپ نے کیا جواب دیا ہے؟ اگر حضرت ابن عباس چھپاتے تو طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا ہو جاتے اور اپنے پاس سے باتیں گھڑ کے چلا دیتے' اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اہل عراق کا وہی گروپ تھا جو فیصلہ کو سبوتاژ کرنے کے لیے تیار ہو کر آیا تھا اور ہر وقت چوکنا تھا کہ کہیں ان کی بے خبری میں کوئی بات نہ ہو جائے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں نے ثالثوں کے فیصلے کو تسلیم کیا ہے' چنانچہ دونوں اپنے اپنے منصب سے سبکدوش ہوئے کیونکہ دونوں حضرات شریعت کے اس

حکم سے واقف تھے کہ دونوں کی بیعتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بطور امیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بطور امیر المؤمنین حکمین (ثالثوں) کے فیصلہ کے نتیجے میں ختم ہو گئیں لیکن جب فیصلہ عملاً نافذ نہ ہونے دیا گیا تو صورت حال کو معمول پر رکھنے کے لئے دونوں حضرات نے اپنی اپنی جگہ پھر سے دوبارہ بیعت لی چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ہے کہ "جب خوارج کوفہ سے نکل گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور آپ کے حامی آپ کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہنے لگے ہم اس کے دوست ہیں جس کے آپ دوست ہوئے اور اس کے دشمن ہیں جس کے آپ دشمن ہوئے آپ نے اس بارے میں ان کے لئے سنت نبوی کو شرط ٹھہرایا!"

(طبری ۴/۵۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ہے کہ "اہل شام نے حکمین کے فیصلہ کے بعد ۳۷ھ میں ذیقعدہ کے مہینے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی"

(طبری ۴/۷۳)

یہ بیعت خلافت نہیں تھی بلکہ بیعت امیر ہی تھی، اسے بیعت خلافت کا نام دینا راوی کا اپنا خیال ہے کیونکہ دوسری روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ "بیعت خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۴۱ھ میں اذرح میں ہوئی جب حضرت حسن دستبردار ہوئے لہٰذا ۴۱ھ ۶۰ھ تک ان کی خلافت کا زمانہ ۱۹ سال ۳ ماہ اور ۲۷ دن ہے"۔ (طبری ۴/۲۳۹)

اور اہل شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد ۴۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی تھی اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے شہر ایلیا میں تھے، طبری میں ہے:

"اس سال شہر ایلیا میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت خلافت کی گئی اور اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عراق میں امیر المؤمنین کے نام سے پکارا جاتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں صرف امیر کے نام سے پکارا جاتا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کے نام سے پکارا گیا"۔ (طبری ۴/۱۲۳)

چند ماہ بعد ۴۱ھ کے آغاز میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے سے اہل عراق بھی بیعت میں شامل ہو گئے گویا بیعت کی باقاعدہ تکمیل اب ہوئی' اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حکمین کے فیصلہ کے بعد جو بیعت ہوئی وہ اسی پہلی بیعت کی تجدید تھی جو حکمین کے فیصلہ سے ختم ہو گئی تھی۔

(۴) عراقیوں کی طرف سے یکطرفہ پروپیگنڈہ جس کی کوئی معقول وجہ نہیں اور ویسے بھی انتہائی نامعقول پروپیگنڈہ ہے اور اس سے کوئی مثبت بات نہیں بنتی مثلاً کہتے ہیں کہ عمرو بن عاص نے بڑی عیاری سے کام لیا فیصلہ کے بعد اپنا ایک بے قاعدہ اعلان کر کے سارا کام خراب کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ تو درست ہوا تھا لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نافذ نہ ہونے دیا' لہٰذا اس بے قاعدہ اعلان پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اتنی اور اتنی مذمت کی گئی کہ انسانیت کے دائرے ہی سے اسے باہر کر دیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ اسی بے قاعدہ اعلان ہی نے پوری امت کو مصیبت میں ڈالا جس مصیبت کو وہ اب تک بھگت رہی ہے لیکن پھر روایات اپنا رخ بدل لیتی ہیں اور وہ کہتی ہیں فیصلہ ہی غلط تھا اور فیصلہ کرنے والے دونوں ثالثوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈالا اور ایسا فیصلہ لے کے آئے جس پر اللہ اور اللہ کا رسول اور سب اہل ایمان ان دونوں ثالثوں سے بری الذمہ ہو گئے گویا اس فیصلہ کی وجہ سے دونوں ثالث ابو موسی رضی اللہ عنہ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہ رہے اگر یہ بات ہے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر بے قاعدہ اعلان کے الزام کا کیا مطلب ؟! وہ اعلان تو تب قابل اعتراض تھا جب فیصلہ صحیح ہوتا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلط اعلان کے باعث اس صحیح فیصلہ کے نفاذ میں رکاوٹ پڑ جاتی لیکن یہاں تو سرے سے متفقہ طور پر سنائے جانے والا فیصلہ ہی غلط اور شر انگیز ہے! اور اس غلط فیصلہ کی رو سے سبائی روایات کہتی ہیں کہ دونوں ثالث اسلام ہی سے خارج ہو چکے ہیں' تو پھر ایسی صورت میں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سچ مچ وہ نامعقول قسم کا اعلان کیا تھا تو پھر کیا بگڑا ؟ بلکہ اچھا ہوا کہ شر انگیز قسم کے فیصلہ کو نافذ ہونے سے روک دیا! لیکن سبائیوں کو ایک اور مشکل کا سامنا ہے کہ جس فیصلہ کو وہ شر انگیز اور

منافقانہ فیصلہ قرار دے رہے ہیں ثالثی نامہ اس فیصلہ کے سچ اور حق ہونے پر گواہ ہے لہٰذا اس فیصلہ کو غلط قرار دینا بھی نامعقول بات ہے اور اگر فیصلہ کتاب اللہ کے منافی قرار نہ پائے تو اس سارے پروپیگنڈے اور بھونڈی قسم کی گالیوں کا حاصل؟ لہٰذا اس کے لئے ایک نیا پینترا بدلا یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (العیاذ باللہ) نرے کاٹھ کے الو تھے اور دوسرے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے وہ تھے (العیاذ باللہ) ابلیس کے ماما! دونوں کے دونوں نااہل ترین دونوں میں نہ سمجھ نہ بوجھ نہ انسانیت' اس کا مطلب ہے کہ پھر ثالثی نامہ ہی غلط تھا! ثالثی نامہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس املا کراتے ہیں تو اب انہیں کیا حیثیت دیں گے؟!...... لیکن حکایت سازوں کو اس سے کوئی بحث نہیں کس کی شخصیت بچتی ہے کس کی مجروح ہوتی شریعت کے اصول پامال ہوتے ہیں یا بچتے ہیں جو بات کہی جارہی ہے وہ معقول ہے یا نامعقول انہیں تو بس پروپیگنڈے کے راکٹ پہ چڑھا کر جھوٹ کا میزائل پھینکنا ہے نتائج جو چاہیں ہوں!

یہاں پہ صاحب فہم اور ذی شعور آدمی چونکتا ہے! کہ جب فیصلہ صحیح ہے' ثالثی نامہ کے عین مطابق ہے فیصلہ کرنے والے نہایت جلیل القدر دو صحابی ہیں اور فیصلہ فریقین کو پسند ہے' دونوں سربراہوں نے فیصلہ کو واجب الاطاعت جانتے ہوئے خود کو اپنے اپنے منصب سے سبکدوش گردانا ہے تو عراقیوں کو ایسی نامعقول ترین باتیں گھڑنے اور دو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلاوجہ اس قدر بدنام کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل شام کے خلاف جنگی منصوبوں کے افسانے تصنیف کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اس پر آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ چور کی ڈاڑھی میں تنکا! دراصل ہوا یوں کہ سانحہ صفین میں جمل کی طرح کے شب خون والے ناپاک منصوبے میں ناکامی کے بعد سبائیوں کی انتقامی آگ میں تیزی آگئی اور جب ثالثوں نے اتحاد امت کے لئے اپنا مثالی فیصلہ سنایا جو فریقین کے لئے قابل قبول اور پسند تھا تو سبائی اپنی ہیجانی کیفیت میں معقول اور نامعقول کا ہوش کھو بیٹھے اور فیصلہ سنائے جانے پر سخت ہنگامہ کھڑا کر دیا اور ایسی ہڑبونگ مچائی کہ صلح و آشتی کی فضاء کو دنگا فساد میں بدل دیا کوئی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈ رہا ہے اور وہ چھپ چھپا کے بھاگ رہے ہیں کوئی عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے پیچھے کوڑا لہراتا بھاگ رہا ہے اور الم غلم الٹا سیدھا جو منہ

میں آتا ہے کہتے چلے جارہے ہیں کوئی کہتا ہے ساری شرارت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ہے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برخاست کرنے کا اعلان کیا ہے کوئی کہتا ہے دونوں ثالثوں نے فیصلہ جو دیا ہے وہ قرآن کے اور ایمان کے خلاف ہے وہ دونوں اسلام سے خارج ہو گئے کوئی کہہ رہا ہے ثالث ویسے ہی نا اہل تھے انہیں فیصلہ دینے کی سمجھ ہی نہیں تھی، ظاہر ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں جو جس کی سمجھ میں آیا کہتا گیا۔ مقصد تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف آتش غیظ و غضب سے ماحول کو گرمانا اس کے لئے سب و شتم کی روایات میں مطابقت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ روایات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر الزامات کی بھرمار کر دی جائے آپس میں وہ روایات متضاد ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں کیونکہ تطبیق اور عدم تطبیق دیکھنے والے کم ہوتے ہیں ظاہر عبارت سے متاثر ہونے والے زیادہ ہوتے ہیں اور واقعی سبائیت اس مقصد میں کامیاب رہی اور ان کی اس قابلیت کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی کہ واقعی ان جیسا کامیاب ترین جھوٹا دنیا میں کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا یہ اللہ کی دین ہے جس کو دے۔ واللہ اعلم بالصواب

حرف آخر

معاہدہ تحکیم کی پوری روداد پوری وضاحت وتفصیل سے آپ سن چکے ہیں ذیل میں ہم مختصر طور پر اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔

① ثالثی نامہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے اتفاق سے لکھا گیا تھا

② دونوں کی طرف سے ثالثوں کو غیر مشروط اور مکمل اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو خلیفہ مقرر کریں گے وہی خلیفہ ہوگا اور جس کو وہ معزول کریں گے وہ معزول ہوگا۔

③ دونوں کی طرف سے بالاتفاق یہ طے کیا گیا تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ ہر صورت میں واجب العمل ہوگا اور تمام مسلمانوں پر واجب العمل ہوگا خواہ وہ فیصلہ کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو خواہ وہ کسی کے حق میں ہو یا مخالف ہو۔

④ ثالثوں کے فیصلے سے اختلاف کی کسی کے لئے کسی حال میں کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی تھی۔

⑤ فیصلہ ماننے سے انکار کو امت میں جنگ وجدال اور افتراق وانتشار کا واحد سبب قرار دیا گیا تھا۔

⑤ افراد امت کا کردار ثالثوں کا فیصلہ منوانے میں مددگار ومعاون کا ہوگا تنقید کنندہ اور اعتراض کنندہ کا نہیں ہوگا۔

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہاں تک چھوٹ دی تھی کہ "آپ فیصلہ کریں خواہ میری گردن اڑا دینے کا ہو"۔

⑧ ایک مضبوط گروہ کی طرف سے فیصلہ کی جارحانہ مزاحمت کے آثار اس قدر واضح تھے کہ ثالثوں نے اپنے جان ومال اور گھر بار کے بچاؤ کی باقاعدہ ضمانت کا حصول ضروری سمجھا چنانچہ فریقین کی طرف سے ثالثوں کی حفاظت کے لئے چار چار سو محافظوں کا انتظام کیا گیا، اس کے باوجود عین فیصلہ کے وقت ثالثوں نے سکیورٹی کے انتظام کو ناکافی سمجھتے ہوئے مزید کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدد کے لئے طلب فرمایا۔

مذکورہ بالا ثالثی نامے کے نکات کے سامنے اب ثالثوں کا فیصلہ رکھ کے دیکھیں تا کہ واضح ہو جائے کہ فیصلہ ثالثی نامے کے موافق ہے یا مخالف...... ثالثی نامے کا متن پہلے گزر چکا ہے۔ مذکورہ بالا نکات اس متن کا خلاصہ ہیں...... فیصلے کا متن حسب ذیل ہے......

''عدالتی بنچ کے چیئر مین حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ خطاب کے لئے لوگوں کے سامنے آئے حمد وثنا اور درود شریف کے بعد فرمایا: اے لوگو! ہم نے اس امت کے معاملے میں خوب غور وخوض کیا ہے ایک ایسی رائے پر میں اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ متفق ہوئے ہیں کہ اس رائے کے علاوہ کوئی اور صورت جو اس امت کے لئے مناسب ترین ہو اور اس کی شیرازہ بندی کرنے والی ہو ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور وہ رائے جس پر ہم دونوں متفق ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ میں اور عمرو بن عاص دونوں بالاتفاق اس معاملے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سبکدوش کرتے ہیں اور معاملہ امت کے مشورے پر چھوڑتے ہیں امت خود ہی اپنے معاملے سے عہدہ برآ ہوگی لوگ جس کو چاہیں گے اپنا سربراہ بنائیں گے۔ (البدایہ ۷/۲۸۳)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ صدر عدالتی بنچ فیصلہ پڑھ رہے تھے اور عدالتی بنچ کے ممبر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فیصلے کے ہر جملے پر ''سچ کہا اور بہت اچھا کہا'' فرما کر ساتھ ساتھ تائید کر رہے تھے۔ اب اس فیصلہ کو ثالثی نامے کے مقابلے میں رکھ کر پڑھئے اور بار بار پڑھئے پھر خوردبین لگا کر فیصلے میں کوئی ایسا لفظ ڈھونڈیئے جو ثالثی نامے سے انحراف کی نشاندہی کرتا ہو، آپ کی یہ جستجو یقیناً ناکامی سے ہمکنار ہوگی گویا فیصلے کا حرف حرف ثالثی نامے کے عین مطابق ہے اور ثالثی نامے (معاہدہ تحکیم) کے منشاء کو انتہائی خوبصورتی سے پورا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا نکات میں نکتہ نمبر ۸ سے آپ یہ اند... کر سکیں گے کہ زبردست سکیورٹی کی موجودگی میں سبائی ٹولہ صحیح فیصلہ سنانے کے جرم میں ثا...س کو قتل تو نہ کر سکا لیکن غلاظت بھری روایات سے پروپیگنڈے کی ایسی بدبودار دھول اڑائی کہ اس نے حقیقت کا چہرہ ہی بگاڑ کے رکھ دیا اور فیصلہ کے نفاذ کو ناممکن بنانے میں کامیاب ہو گئے اور انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا ہے جب ہم

یہ دیکھتے ہیں کہ خلافت وملوکیت نامی کتاب کے مصنف سید ابوالاعلی مودودی جن کے فکر وفہم پر تحقیق کا پکا لیبل چسپاں ہے وہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں قلم اٹھاتے ہیں تو اس بارے میں جو انہیں روایات پسند آتی ہیں تو وہ پہلی سبائیوں کی غلاظت بھری متعفن اور بدبودار روایات ہیں جنہیں وہ مستند ترین قرار دے کر باحوالہ نقل فرماتے چلے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی تحقیق کا گراف عامیانہ سطح سے بھی نچلی سطح پر اتر آتا ہے۔

زیر بحث مسئلہ اس کی بہترین مثال ہے: ثالثی نامہ اور ثالثوں کا فیصلہ دونوں آپ کے سامنے ہیں اب ان دونوں کے سامنے اس بارے میں مودودی کا فیصلہ رکھیں اور پھر ان کی اچھوتی تحقیق کی داد دیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''پوری کاروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی''۔ (خلافت وملوکیت صفحہ ۱۴۴)

معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ تحکیم موصوف نے پڑھا ہی نہیں معاہدہ تحکیم سے وہ بالکل بے خبر ہیں اور تعجب ہے کہ تبصرہ محققانہ فرما رہے ہیں بلکہ انہوں نے سبائیوں کی غلاظت بھری وہ روایات دیکھ لیں جن کا الزام وہ لوگ یعنی سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر تھوپتے ہیں بس وہ روایات موصوف کی نظر میں چڑھ گئیں اور ایسی روایات خصوصاً صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں موصوف کو پسند بہت آتی ہیں لہٰذا انہیں باحوالہ نقل فرما کر تحقیق کا حق ادا کر دیا گیا لگتا ہے جیسے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بجائے سبائیوں سے محبت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں تھے

سوال : یہ مسلم حقیقت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں ہیں' معصوم عن الخطا انبیاء کی صفت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نہیں' مزید برآں یہ کہ خود قرآن کی گواہی یہ ہے کہ ان سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں قرآن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"والذين اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله"

"اور وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کسی بری بات کا ارتکاب کریں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (آل عمران آیت ۱۳۵)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ احادیث میں مشہور ہے کہ اس نے زنا جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کر ڈالا تھا جس پر اسے سنگسار کیا گیا' ایسے ہی غزوہ احد میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے درہ چھوڑا جس سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا اور تاریخ کے سنگین ترین جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا' ظاہر ہے ان کا یہ جرم بہت بڑا گناہ تھا' سورہ تحریم میں امہات المومنین کے لئے جو فرمایا گیا ہے۔ "قد صغت قلوبكما "......تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں اتنے سخت ریمارکس گناہ کبیرہ پر ہی ہو سکتے ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت بڑے بڑے گناہ سرزد ہو جاتے رہے ہیں تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کو جو سخت ترین سزا دی گئی وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا جرم کبیرہ گناہ تھا اہل سنت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں پھر اس دعوے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے گناہوں سے محفوظ رہ کر زندگی گزاری ہے لہٰذا ان پر تنقید کرنا جائز نہیں' سوال یہ ہے کہ جو گناہ ان سے سرزد ہوئے ہیں ان کا ذکر کرنے میں آخر کیا حرج ہے اور یہ کیوں ناجائز ہے......؟

جواب

سب سے پہلے ضمناً یہ بات سمجھ لیں کہ کسی چیز کا ذکر کرنا اور چیز ہے اور کسی چیز پر تنقید

کرنا اور چیز ہے۔ تنقید کا مطلب ہے: ایسا ہوا!...... یہ کیوں ہوا؟ اس کے بجائے یوں کیوں نہیں ہوا؟۔ ذکر کا مطلب ہے کہ! یہ بات ایسے ہوئی ہے

جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کے ذکر کا تعلق ہے تو اگر وہ سلسلہ واقعات کے ضمن میں آئیں تو اس کی حیثیت نقل حکایت کی ہوگی اور اگر ان لغزشوں کے ذکر کا اہتمام کیا جائے تو یہ نادانی اور جہالت ہے اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی حسن سیرت سے ان کی مطابقت پیدا کرنے کے لئے کسی مناسب توجیہہ کی خاطر کیا جائے تو یہ ایک علمی تحقیق ہوگی اور سعی محمود ہوگی۔ باقی رہی تنقید؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا صرف دو وجہ سے ہوسکتا ہے یا تو وہ نتیجہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد کا اور یا جہل مرکب کا! اگر ان دو باتوں کے علاوہ کوئی تیسری بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کے لئے کسی کے علم میں ہو تو براہ کرم ہماری معلومات میں اضافہ کرے! بہت مشکور بہت ممنون ہوں گے!!۔

سوال کے شروع میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے یعنی:

”والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکر واللہ فا ستغفر والذنو بھم و من یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلو اوھم یعلمون “

اس آیت سے گویا یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہونے والے گناہوں کی حقیقت واضح ہو جائے۔ یہ آیت سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۲۔۱۳۵ ہے اس سے پہلے آیت ۱۳۳ میں متقین کا ذکر ہے جن کے لئے جنت کی تیاری کے اہتمام کا ذکر ہے اگلی آیت میں ان متقین کی صفات کا ذکر ہے جن کے لئے بڑے اہتمام سے جنت تیار کی گی ہے فرمایا: ”وہ وہ لوگ ہیں جو خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں یکساں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' غصہ پی جاتے ہیں' لوگوں کو معاف کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان محسنین سے محبت کرتے ہیں' ان محسنین کے لئے صیغہ حال کا لایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان متقین و محسنین سے مراد اصحاب محمد ﷺ ہی ہیں جو نزول آیت کے وقت ان صفات سے موصوف ہیں اس کے بعد زیر بحث آیت ۱۳۵ میں فرمایا گیا کہ: ”وہ لوگ وہ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کرلیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہ پر بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ بخشے اور جو برائی کر بیٹھے ہیں

اس پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے'' یعنی گناہ پر قائم نہیں رہتے یہ آیت بھی سابقہ آیت کے ساتھ ان کی مدح میں نازل ہوئی ہے حالانکہ اس آیت میں ان سے بڑے گناہ کے سرزد ہونے کا ذکر ہے گویا ان کی نوعیت ارتکاب گناہ اللہ کو محبوب ہے جس پر ان کی مدح فرمائی جارہی ہے اس سے اگلی آیت ۱۳۶ میں ان کی جزا اور ان کے انعام کا ذکر ہے انعام کا اعلان جہاں ان کے لئے ایک عظیم تر خوشخبری ہے وہاں ان کی مدح کے باب کی تکمیل بھی ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک تنبیہ بھی ہے کہ ان کے ارتکاب گناہ پہ نہ بھول جانا' یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی محبوب ترین جماعت ہے اگر کسی نے نامناسب زبان کھولی تو عاقبت تاریک کر بیٹھے گا' انعام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ان کی جزا مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور کیا خوب ہے عمل والوں کا اجر''......اور واقعی کیا خوب ہیں یہ لوگ! جن سے برائی اور ظلم سرزد ہونے کا اعتراف بھی ہے اس کے باوجود ان کی صفت متقین، محسنین' عاملین ہے اور یہ صفات کسی حسن ظنی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ رب العالمین کی گواہی پر مبنی ہیں جو عالم الغیب والشہادہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ان کی شان یہ ہے کہ ادھر خطا سرزد ہوئی ادھر اللہ کی یاد نے چونکا دیا جگا دیا فوراً توبہ کی اسی وقت استغفار میں لگ گئے جانتے بوجھتے کسی گناہ پر کاربند نہیں رہتے گویا کسی جذباتی ہیجان کے باعث یا نادانستہ طور پر گناہ سرزد ہو جانا کوئی بعید نہیں مگر اسی لمحے مصروف توبہ و استغفار ہو جانا جہاں فوراً گناہ کا داغ دھو ڈالتا ہے وہاں وہ کسی بہت اونچی اور پاکیزہ سیرت کا پتہ دیتا ہے جو اپنی طہارت و پاکیزگی پر کوئی ادنی سا میلا دھبہ بھی قبول نہیں کر سکتی اور کسی حال میں بھی اپنی طہارت کا گراف نیچے نہیں آنے دیتی' یہی ایک سیرت اس قابل ہے کہ اسے نسل انسانی کے لئے معیار ہدایت اور معیار حق قرار دیا جائے' یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں امت کو یہ بتایا کہ'' اولئك هم الراشدون ''......یہی لوگ راست رو یعنی صحیح راہ پر ہیں......

صحابہ رضی اللہ عنہم کے گناہ کی نوعیت

اللہ تعالیٰ نے سیرت کے اعلیٰ معیار پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو اعزاز بخشا ہے وہ یہ ہے کہ تا جدار ختم نبوت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اذا جاءك الذين يؤ منون با يا تنا فقل سلام عليكم كتب ربكم علىٰ نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوءً ا بجهالة ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم ○ و كذلك نفصل الا يات ولتستبين سبيل المجر مين○" (انعام آیت ۵۴/۵۵)

"اور جب آپ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں "السلام علیکم" تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے اس طرح پر کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کے باعث برا کام کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو یاد رکھو کہ وہ غفور رحیم ہے اور ایسے ہی ہم آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تا کہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے ......"

ان آیتوں سے کئی سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں:

① آیتوں پر ایمان لانے والوں سے کون مراد ہیں کیا امت کا ہر فرد؟

② وہ کون لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت کو فرض قرار دے لیا ہے کہ ہر حال میں ان پر رحمت ہی نازل فرمائے گا؟

③ وہ نادانی (جہالت) کیا ہے جس کے ساتھ سنگین ترین معصیت بھی توبہ کے بعد ان کی سیرت طاہرہ کو داغدار نہیں کرتی؟

④ کون سی وہ آیات ہیں جن کی تفصیل بیان کی گئی ہے؟

⑤ یہاں مذکورہ آیات میں سبیل صحابہ یعنی سبیل المؤمنین کا ذکر ہے اور اسی کو واضح کیا گیا ہے لیکن آخر میں یہ فرمایا ہے تا کہ سبیل المجر مین واضح ہو جائے جب کہ آیات مذکورہ

میں سبیل المجرمین کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے......؟

ان سوالات پر ہم نمبروار گفتگو کرتے ہیں:

① آیت مذکورہ میں ''الذین یؤمنون'' سے مراد صرف اصحاب محمد ﷺ ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص خواہ وہ تقویٰ و احسان میں کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ رکھتا ہو اس آیت کے مصداق میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ ''اذا جاءك...... جب آپ کے پاس آئیں...... تو ظاہر ہے کہ آپ کے پاس جو مؤمن بھی آئے گا وہ صحابی ہی ہوگا۔

② یہ اعلان بھی صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے لئے ہے کہ تمارے رب نے تمہارے لئے اپنی ذات پر رحمت کو لازم اور واجب کرلیا ہے کیونکہ انہی کو توبہ و انابت کا وہ نفیس ذوق عطا ہوا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے بڑی سے بڑی لغزش اور سنگین سے سنگین غلطی بھی سیرت طاہرہ کا گراف اوپر تو لے جاسکتی ہے نیچے نہیں لاسکتی' بعد والوں میں آپ کو غلطیوں سے مبرا اور کارناموں سے بھرپور زندگیاں بھی مل جائیں گی لیکن سیرت کا جو اعتدال' توازن اور بانکپن آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں پائیں گے یہ کسی دوسرے کو میسر آنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ اعجاز تھا صحبت نبوی ﷺ کا جس کے متوازی کسی عمل کسی کاوش اور ریاضت کا ہونا ممکن نہیں ان کی عبادت معاملات اخلاق معاشرت حقوق و فرائض وغیرہ ذمہ داریوں کی عملی کیفیات میں ایسی بے ساختگی ہے کہ جیسے یہ سبھی امور پابندیاں نہیں ہیں بلکہ طبعی تقاضے ہیں یہی وہ حقیقت ہے جسے عبداللہ بن مبارک نے ایک سائل کے سوال پر واضح کیا تھا کہ: عمر بن عبدالعزیز اس گھوڑے کے سم کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے جس گھوڑے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں گئے۔

③ ''جہالۃ'' جس کے سبب توبہ کی قبولیت واجب ہو جاتی ہے اور ارتکاب گناہ کے باوجود سیرت پاک اور طاہر ہی رہتی ہے اس کے کیا معنی ہیں؟...... امام رازی نے جہالت کے تین معنی نقل فرمائے ہیں:

(الف) ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اسے جاہل کہا جائے گا اور اس کے فعل کو جہالت قرار دیا جائے گا اور اپنے رب کے اس نافرمان پر جاہل کے نام کا اطلاق اس بناء پر ہے

کہ اگر یہ اس علم سے کام لیتا جو جزاء وسزا کے بارے میں اس کو حاصل ہے تو اس معصیت کا ارتکاب نہ کرتا لہٰذا جب اس نے اس علم کو استعمال نہیں کیا تو اس کی حیثیت یہ ہوگی گویا اسے اس کا علم ہی نہیں اس اعتبار سے معصیت کے اس مرتکب کو جاہل کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

(ب) انسان معصیت کا ارتکاب یہ جانتے ہوئے کرتا ہے کہ یہ معصیت ہے مگر اسے اس معصیت کی سزا کی سنگینی کا صحیح ادارک نہیں۔

(ج) انسان معصیت کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ اسے اس فعل کے معصیت ہونے کا علم نہیں ہے لیکن اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اس فعل کا معصیت ہونا معلوم کر لیتا۔

(تفسیر کبیر آیت ۱۷)

امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں گویا اصولی بحث کی ہے یعنی آیت اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے لیکن اپنے مصداق پر اس کے حکم کا اطلاق تو قیامت تک جاری رہے گا لیکن ہمارے پیش نظر اس وقت یہ ہے کہ آیت چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہے لہذا جو بعض معاصی صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوئے ہیں ان کا جائزہ لے کر اس نفسیاتی کمزوری کا تعین کریں جو ان معاصی کے ارتکاب کا سبب بنی تا کہ لغزشہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں جہالت کا مفہوم متعین ہو جائے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہونے والی لغزشوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے دو ہی سبب ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱......جذبات کی ہیجانی کیفیت

۲......غلط فہمی

ہیجانی کیفیت کا مطلب ہے کہ جذبات اس طرح بے قابو ہوئے کہ ہوش وخرد پر غالب آ گئے اور سزا کی سنگینی کا ادراک ہی نہ رہا' امام رازی رحمہ اللہ نے ''جہالت'' کے دوسرے معنی یہی بتائے ہیں چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور غامدیہ خاتون رضی اللہ عنہا کا واقعہ اسی سبب کا نتیجہ ہے۔

غلط فہمی کا مطلب یہ ہے کہ اقدام کرتے وقت یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم غلط کر رہے ہیں جیسے غزوہ احد میں مورچے چھوڑ دینا' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا کلمہ پڑھنے والے کو قتل کر دینا' غزوہ

تبوک میں پیچھے رہ جانا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ''صبانا صبانا'' کہنے والے اہل ایمان کو قتل کر دینا مکہ کے موقعہ پر انصار رضی اللہ عنہم کا شکایت کرنا سورہ تحریم میں امہات المؤمنین کا واقعہ' حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کا اہل مکہ کو خط لکھنا' مخزومیہ رضی اللہ عنہا خاتون کا چوری کرنا' بعض صحابہ کا افک میں مبتلا ہونا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارباب فتنہ سے دھوکا کھانا وغیرہ یہ وہ امور ہیں جو غلط فہمی کے سبب سرزد ہوئے' اور امام رازی نے ''جہالت'' کا جو تیسرا مفہوم بیان کیا ہے یہ تمام امور اس دائرہ میں آتے ہیں۔

شروع میں جو آیت گزر چکی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں یہ فرمانا بھی پیش نظر رہے'' ولم یصروا علیٰ ما فعلوا و ھم یعلمون ''......اور وہ جو کر چکے ہیں اس پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے ......گویا نصوص قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے کسی لغزش یا معصیت کا ارتکاب ایک حادثاتی اور غیر ارادی قسم کا اتفاق ہے۔

اور یہ کسی تبصرہ نگار یا عقیدت شعار کی رائے نہیں بلکہ عالم الغیب والشہادہ کی گواہی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کے ارتکاب معصیت میں عزم وارادہ کا دخل آیا وہ صحابیت کھو بیٹھا جیسے ذوالخویصرہ تمیمی جو ایک منہ پھٹ شخص تھا رسول ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو اس نے آپ ﷺ کو ٹوکتے ہوئے کہا: اعدل یا نبی اللہ ! واللہ لم یرد بھذہ القسمۃ وجہ اللہ'' (الاصابہ ۱/ ۴۸۸)......اے اللہ کے نبی ! انصاف کر' اللہ کی قسم اس تقسیم میں اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہے......آپ ﷺ کو اس کی اس بکواس سے بہت اذیت پہنچی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ! اس کی گردن اڑا دوں؟ فرمایا چھوڑو ! لوگ کہیں گے محمد ﷺ نے اپنے ساتھی قتل کرنے شروع کر دیئے......اور جیسے ''محکم بن جثامہ'' نامی وہ شخص جس نے حضرت اسامہ کی طرح ایک شخص کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تھا لیکن کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکا حقیقی سبب اسلام سے پہلے کی کوئی دشمنی تھی' اس کے فعل پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' **لا غفر اللہ لک**''......اللہ تجھے نہ بخشے !......

چنانچہ وہ چند روز بعد مر گیا اور قبر نے اسے قبول نہ کیا لوگ اسے دفن کرتے تھے اور قبر اسے باہر پھینک دیتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا قبر اس سے برے کو قبول کر لے گی لیکن اسے نہیں

کرے گی......ایسے ہی ثعلبہ نامی وہ شخص جس نے مال میں برکت کے لئے آپ ﷺ سے دعا کرائی اور بعد میں وصولی زکوٰۃ پر معترض ہوا آپ ﷺ نے اس کی زکوٰۃ قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ رسوا اور ذلیل وخوار ہو کر مرا اور اس طرح نظروں سے گر گیا کہ آج اس کے بارے میں بجز اس کے نام کے اس سے زیادہ اور کوئی کچھ نہیں جانتا کہ یہ شخص کون تھا' اس طرح کے لوگوں کو کسی نے آج تک صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار نہیں کیا جس کا سبب یہی تھا کہ ان کا انداز خطاء خالص مجرمانہ ہے جو صحابیت کے شایان شان نہیں کیونکہ صحابیت کا انداز خطاء اپنے احساس ایمانی کے باعث معصومانہ ہوتا ہے۔

۴۔۳ وہ کونسی آیات ہیں جن کے لئے فرمایا ''ہم تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں''......؟

یہ وہی آیات ہیں جو اس آیت مذکورہ سے پہلے ہیں ایک وہ آیت جو ہمارے زیر مطالعہ ہے اور دو وہ آیتیں ہیں جو اس سے پہلے ہیں' ان تین آیات میں صحابہ کی حیثیت واہمیت کا تعین کیا گیا ہے جس کے لئے خطاب براہ راست نبی ﷺ کو ہے یعنی آپ ﷺ سے سرداران قریش نے یہ تقاضا کیا تھا کہ یہ تھرڈ کلاس نفری جو آپ کے گرد جمع ہو گئی ہے ان کے ہوتے ہوئے ما بدولت ہستیوں کو یہ کہاں زیب دیتا ہے کہ آپ کی مجلس میں ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر اپنی عالی مزاجی کو مجروح کریں۔ تو اگرچہ آپ ﷺ نے ان کے اس غرور ونخوت کو لائق توجہ نہیں جانا تاہم رب کریم نے یہ واضح کر دینا ضروری جانا کہ وہ لوگ جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر دیکھ رہی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ترین ہیں اور اس کے لئے مخاطب رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا تاکہ کفار کو معلوم ہو جائے کہ جن سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو اپنے سے دور کر دیں۔ اگر بفرض محال وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو وہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا:

''لا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شئ فتطردهم فتكون من الظالمين''

(انعام آیت ۵۲)

جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارنے میں لگے رہتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کرنا' انہیں اپنے رب کی رضا مطلوب ہے نہ ان کے حساب کی کوئی

چیز آپ کے ذمہ ہے اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے' تو انہیں اپنے سے دور کرے گا تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا...... اور فرمایا:

''واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم'' (الکہف آیت ۲۸)

''خود کو پابند بنائیں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا جو صبح و شام اپنے رب کو پکارنے میں لگے رہتے ہیں اور انہیں بس اس کی رضا مطلوب ہے آپ کی نگاہیں ان سے آگے تجاوز نہ کریں''

ان آیات سے حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

① صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقبول بارگاہ رب العالمین ہونا' مقبولیت بھی ایسی کہ ان کی عزت افزائی اور دلجوئی کے لئے خاتم النبیین ﷺ پر پابندیاں عائد فرمائی جارہی ہیں جو نہایت غیر معمولی بات ہے۔

② جن کے بارے میں رب العرش العظیم کا انداز تخاطب اتنا محبوبانہ ہے ان کے بارے میں تنقیدی انداز اختیار کرنے والے اور نازیبا زبان کھولنے والے کا حشر کیا ہوگا......؟

③ رب العالمین کی گواہی ہے کہ وہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں تو گویا یہ ان کی دعا کے شرف قبولیت پالینے کا اعلان ہے اور یہ کہ اس قبولیت کا مقام بہت اونچا مقام ہے۔

④ یہاں تو مثبت طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں اور سورۃ نور میں ہے کہ: ''لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ...... کوئی کاروبار یا خرید و فروخت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتے ...... گویا اللہ کا ذکر ان کی زندگی کے لمحے لمحے پر حاوی ہے اور دنیا کے مشاغل ان پر غفلت طاری کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

⑤ رب العالمین کی گواہی یہ بھی ہے کہ انہیں اللہ کی رضا کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں۔

⑥ رسول اللہ ﷺ تو ایسا کرنے کے نہیں تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے سے دور کر دیں پھر آپ

کو یہ حکم دینا کہ "انہیں اپنے سے دور نہ کرنا" اس کا کیا مطلب ہوا......؟

تو درحقیقت یہاں معاملہ کی نزاکت اور سنگینی کو ظاہر کرنا مطلوب ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا: " لا ن اشرکت لیحبطن عملك "......اے نبی ﷺ! اگر آپ شرک کریں تو آپ کے عمل بھی یقیناً ضائع ہو جائیں گے......ظاہر ہے کہ یہاں شرک کی سنگینی کا اظہار مقصود ہے ورنہ یہ کہاں ممکن ہے العیاذ باللہ! کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شرک سرزد ہو جائے' گویا شرک اتنی خطرناک چیز ہے کہ عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا اگر بفرض محال اللہ کے نبی سے سرزد ہو تو وہ بھی تباہ ہو کر رہ جائے۔ ٹھیک یہی بات یہاں کہی جا رہی ہے کہ اگر بفرض محال صحابہ رضی اللہ عنہم کو دور کرنا اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرزد ہو جائے تو "العیاذ باللہ" وہ بھی ظالم قرار پائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے سے دور ہٹاتا ہے یا کہیے کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے دور ہٹتا ہے وہ ظالم ہے!! لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو دور کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ انہیں اپنی مجلس سے الگ کر دیں لیکن جن لوگوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میسر ہی نہیں آئی " وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے سے دور نہ کریں" اس کا کیا مطلب ہوگا......؟

ایسے ہی" واصبر نفسك مع الذین الخ "......اپنے آپ کو ان کے ساتھ پابند کرلو ......بعد والوں کے لئے اس کی عملی شکل کی کیا صورت ہوگی......؟

عرض یہ ہے کہ جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت اور عقیدت نہ رکھے یا ان پر تنقید کو روا رکھے یا اپنی راہ عمل کو ان کے طریق عمل سے علیحدہ کر لے یا اپنی راہ پر چلتے ہوئے ان کے طریق عمل کی پرواہ نہ کرے تو یہ وہ شخص ہوگا جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دیا اور جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دور کر دیا اور خود صحابہ رضی اللہ عنہم سے دور ہو گیا اور ان کی مصاحبت کا پابند نہ رہا لہٰذا ایسے شخص کے ظالم ہونے میں کجرو اور گمراہ ہونے میں اور اللہ کا نافرمان ہونے میں کیا شک رہا!!

(۷) مذکورہ آیات کا سیاق یہ واضح کرتا ہے کہ اصحاب محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کو اتنے پیارے ہیں کہ اس پیار کی تعبیر انسانی بیان کے بس کی بات نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص ان میں غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے تو کیا یہ غلطیاں ان سے پیار کرنے والے کو دکھائی نہیں دیں جو جزاء و

سزا کا مالک ہے؟! اور کیا یہ نشاندہی کرنے والا اپنے اس کارنامے پر ان سرداران قریش کی صف میں تو نہیں جا کھڑا ہوگا جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجلس نبوی ﷺ سے دور ہٹانے کا مطالبہ کیا تھا؟!

سوال نمبر ۴:- یہ کہ مذکورہ آیات میں سبیل المؤمنین کا ذکر ہے لیکن کہا یہ جا رہا ہے "تا کہ سبیل المجرمین واضح ہو جائے" حالانکہ سبیل المؤمنین سے اہل ایمان کی راہ معلوم ہوئی ہے نہ کہ مجرمین کی......؟

......درحقیقت سبیل المؤمنین صرف ایک راہ ہے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں یہ راہ ہے انبیاء علیہم السلام کی یہ راہ ہے خاتم النبیین ﷺ کی اور یہ راہ ہے آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اور یہ راہ معین اور واضح راہ ہے لیکن سبیل المجرمین کوئی ایک راہ نہیں ہے بلکہ جدھر کوئی منہ اٹھا کر چل پڑا سبیل المجرمین کے نشانہائے راہ واضح ہوتے چلے گئے لہٰذا کس کس سمت کے سنگہائے میل کا آپ تعین کریں گے جبکہ یہاں ہر سمت میں بے شمار راہیں نکل رہی ہیں؟!

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبیل المؤمنین کی طرح سبیل المجرمین کے نشانہائے راہ کا تعین بھی فرمایا ہے مثلاً فرمایا:

"اے نبی! کہہ دیجئے میرے رب نے حرام کردی ہیں بے حیائی کی تمام باتیں خواہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں اور گناہ اور ناحق ظلم وزیادتی اور اللہ کے ساتھ شریک کرنا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور اللہ کی طرف منسوب کر کے وہ باتیں کہنا جو تم نہیں جانتے" (الاعراف آیت ۳۳)

سبیل المجرمین کی اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوگی فاسقین کے اوصاف میں فرمایا:

"جو لوگ اللہ کا عہد توڑتے ہیں اسے مضبوط باندھنے کے بعد اور ان رشتوں کو کاٹتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں" (البقرہ)

علاوہ ازیں اقوام ماضیہ کے کردار و اخلاق کا تذکرہ جو انہیں لے ڈوبے جنہیں اعادہ وتکرار کے ساتھ مفصل اور پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد

سبیل المجرمین کا وہ کونسا پہلو ہے جو وضاحت طلب باقی رہ گیا ہے.....؟

بجا فرمایا! لیکن یہ مجرمین کی عام راہ ہے جس پر عام طور پر قومیں اور معاشرے عمل پیرا رہتے ہیں لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ علانیہ روش چنداں مفید نہیں ہوتی تو اسے متقیانہ عنوانوں کے پردے میں چھپانا پڑتا ہے کہیں مسجد بنا کر محراب و منبر سے آوازہ حق کا ڈھونگ رچانا پڑتا ہے۔ (دیکھئے سورہ توبہ آیت مسجد ضرار)

کہیں ایسا ہوتا ہے کہ "اذا جاء ك المنا فقون قالو انشهدانك لرسول الله"......
جب آپ کے پاس منافق آئیں گے تو کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو واقعی اللہ کا رسول ہے ......اب دیکھئے! اللہ کے رسول پر ایمان کی برملا گواہی ہے لیکن راستہ سبیل المجرمین ہے۔ آخر زمانے میں فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا " و دعاة علی ابواب جهنم من اجا بهم اليهما قذفو ه فيها" اور داعی ہوں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے جو ان کی پکار پر لبیک کہے گا اسے وہ جہنم میں پھینک دیں گے......

اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی دعوت دینے والا برائی کے عنوان سے کبھی دعوت نہیں دے گا یہ کوئی نہیں کہے گا کہ آؤ لوگوں میں تمہیں مجرموں کی راہ دکھاؤں' اور آؤ مجھ سے بے حیائی سیکھو آؤ اور گناہ ظلم وزیادتی کے لطف اٹھاؤ! دعوت جو دے گا ہمیشہ نیک اور بھلے کام کی دعوت دے گا حتی کہ بنی آدم کا سب سے بڑا مجرم دجال جب دعوت دے گا تو وہ بھی نیکی اور بھلائی کا عنوان اختیار کرے گا جس سے لوگ دھوکا کھائیں گے لہذا معلوم ہوا کہ سبیل المجرمین ایمان نما اور تقوی شائل بھی ہوا کرتا ہے' اور جب سبیل المجرمین ایمان نما اور تقویٰ شائل ہو تو وہ بہت زیادہ خطرناک اور ہلاکت خیز ہوتا ہے لوگ جنت کی آس لگائے سبیل المجرمین کے داعیوں کی پکار پر لبیک کہتے ہیں اور وہ انہیں جہنم میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ امت کو آج تک جو نقصان بھی پہنچا ہے وہ بیشتر اسی تقویٰ شائل سبیل المجرمین ہی سے پہنچا ہے لہذا اس کی وہ تشریح جو قرآن مجید میں مفصل مذکور ہے وہ مجرمین کی اس تقویٰ شائل راہ پر حاوی نہیں ہوتی اس لئے ضروری ہے کہ سبیل المجرمین کی پہچان کا معیار ایسا ہو کہ اس کی کوئی پگڈنڈی بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہنے پائے' آیت زیر مطالعہ میں در حقیقت اسی معیار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اصحاب محمد ﷺ کے ایمان و عمل کو ان کے رب نے اس

قدر پسندیدہ قرار دیا کہ خاتم النبین ﷺ کو حکم ہوا کہ جب وہ آئیں تو آپ انہیں السلام علیکم کہیں تا کہ ان کی دلجوئی اور عزت افزائی بھی ہو اور آپ کی دعاء مستجاب کی برکات سے فیض یاب بھی ہوں اور یہ خوشخبری بھی سنادی کہ میں نے اپنی ذات پر تمہارے لئے رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی ناروا بات ہو جائے تو بتادیا کہ میں غفور رحیم ہوں تا کہ اس موضوع پر زبان کھولنے والوں کی زبان رک جائے ورنہ جہنم کی ہوا کھانے کے لئے تیار رہیں...... یہ انسانیت کا وہ اعلیٰ ترین معیار ہے کہ اسی اعلیٰ ترین معیار پر انسانیت کو فائز کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوا کرتے تھے لیکن بعد والے اس معیار کو کھو بیٹھتے تھے لہٰذا نبی دوبارہ مبعوث ہو جاتے تھے لیکن خاتم النبین ﷺ کے بعد جب نبوت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صحبت میں ایک ایسی عظیم جماعت کی تربیت کا انتظام فرمایا جس کے ایمان وعمل کو قبولیت کے اعلیٰ معیار کی سند دے کر قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مدار نجات اور معیار حق قرار دیا جائے اور کمال انسانیت کے اس اعلیٰ معیار کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے اور اس سے انحراف کرنے والا سبیل المؤمنین سے محروم ہو کر سبیل المجرمین پر پڑ جائے لہٰذا جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع سے منہ پھیرے گا اس کا راستہ سبیل المجرمین والا راستہ ہے جو جہنم کے دروازے پر پہنچ کر رکتا ہے گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ عمل جس قدر نمایاں ہو گی اسی لحاظ سے مجرمین کی راہ واضح ہوتی چلی جائے گی لہٰذا اب سبیل المجرمین کی جامع تعریف یہ ہوئی کہ ہر ایسا راستہ سبیل المجرمین ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ سے ہٹا ہوا ہو اور ایسا شخص سبیل المجرمین پر گامزن ہے جو اپنے عمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کو ملحوظ نہ رکھتا ہو اب آیت کے معنی بھی واضح ہو گئے یعنی ''ہم سبیل المؤمنین کو آیات میں کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ اس کا مخالف راستہ سبیل المجرمین واضح ہو جائے......

صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی طرح معصوم کیوں نہیں......؟

یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے جس کا جواب ضروری ہے۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اصحاب محمد ﷺ کی صورت میں کمال انسانیت کا اعلیٰ ترین معیار عطا کیا ہے اور ان کی سیرت کو معیار حق قرار دیا ہے تو چاہیے یہ تھا کہ یہ معیار لغزشوں اور خطاؤں کے ہر داغ دھبے سے پاک ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے معصوم کیا ہے اور پیغام الٰہی کو ہر شک وشبہ سے بالا رکھنے کے لئے نبی کی ذات کے لئے عصمت کو اس کی صفت لازم قرار دے دیا' اسی طرح جب صحابہ رضی اللہ عنہم یہی پیغام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کر کے آگے امت کو پہنچانے والے ہیں تو ضروری ہے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گناہوں' خطاؤں اور لغزشوں سے بالاتر ہوں ورنہ جو دین نبی ﷺ کی عصمت کے باعث ہر شک وشبہ سے بالا تھا جب صحابہ رضی اللہ عنہم اسے اللہ کے نبی ﷺ سے حاصل کر کے آگے امت کو منتقل کریں گے تو وہ دین صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطا سرزد ہونے کے اندیشہ کے باعث مشکوک ہو جائے گا۔

عرض یہ ہے کہ نبی کی عصمت دین حق کی عصمت کا تقاضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دین انسان کو عطا فرمایا ہے وہ دین خالص ہے ہر طرح کی ملاوٹ سے پاک ہے اگر نبی معصوم نہ ہو تو شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید فلاں بات اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی پسند اپنے ذوق اور اپنے طبعی رجحان کی بناء پر کہہ دی ہو اور اس کی تہ میں شاید کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہو معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو بات ہے من جانب اللہ' پسند ہے تو وحی کے تابع ہے ذوق ہے تو وحی کے تابع ہے اگر اپنے رجحان ورائے سے کوئی قدم اٹھایا بھی تو وہ بھی وحی کے حوالے سے ہے اس کی توثیق کر دے یا اس سے روک دے' نبی ﷺ کا منصب دین کے لانے والے کا منصب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا منصب نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین پر استطاعت انسانی کے مطابق عمل کر کے دکھانے والے کا منصب ہے تاکہ نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل کے معیار کا وہ اعلیٰ نمونہ دے دیا جائے جو گونا گوں نفسیاتی کمزوریاں رکھنے والے انسان کے لئے پیش کرنا ممکن ہے تاکہ آنے والی نسلیں اتباع کی حقیقت و ماہیت' معنیٰ و مفہوم اور اسلوب و انداز سے واقف ہو سکیں' لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کا منصب تھا

صحبت نبوی سے دین کا فہم حاصل کر کے تربیت نبوی سے ذوق عمل حاصل کرنا پھر اس علم وعمل کو بکمال امانت و دیانت آنے والی نسلوں کے لئے تابعین کی طرف منتقل کرنا' اس کے لئے عصمت نہیں بلکہ معیار استطاعت درکار تھا یعنی اللہ کا معصوم نبی جو معصوم دین لے کر آیا ہے غیر معصوم انسان کی طرف سے اس پر حسب استطاعت عمل کا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ کیا ہو سکتا ہے جسے آنے والی نسلوں کے لئے معیار قرار دیا جا سکے استطاعت عمل کے اس نازک اور مقدس منصب کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا' گویا انبیاء کا معصوم عن الخطاء ہونا تو ایک دینی ضرورت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معصومیت کے لئے پیدا نہیں فرمایا گویا انسان کو تمام مخلوق سے ممتاز کر کے اس کی فطرت میں جو خصوصیات ودیعت رکھی ہیں ان کا لب لباب اللہ تعالیٰ نے ایک فقرے میں بیان فرما دیا ہے فرمایا: انه كان ظلوماً جهولا" (احزاب) اور باقی تمام مخلوق کے لئے فرمایا: اعطى كل شئى خلقه ثم هدى"......... ہر چیز کی پیدائش مکمل کی پھر اسے راہنمائی دی...... یعنی ہر چیز کی پیدائش کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی زندگی کی ضروریات اور تقاضوں کا شعور بھی مکمل دے دیا یہاں کسی دانش وبینش اور فہم وفراست کا کوئی سوال نہیں یہاں جستجو اور دریافت کا کوئی مسئلہ نہیں یہاں طلب اور چاہت کا دائرہ لگا بندھا اور متعین ومحدود ہے یہی وجہ ہے کہ آسمان زمین اور پہاڑ امانت الٰہی کی متحمل نہیں ہو سکے کیونکہ محدود سے دائرے میں محدود سا شعور لے کر وہ امانت الٰہی کا بار کیسے اٹھا سکتے تھے۔ فحملها الا نسان انه كان ظلوماً جهولاً ...... تو وہ بار امانت انسان نے اٹھالیا اس میں شبہ نہیں کہ وہ ظلوم وجہول ہے......

اللہ کی امانت وہ دین حق تھا جس میں امر یہ تھا کہ مخلوق احکام دین کو اپنے ارادہ واختیار سے بدل وجان بجالائے۔ مثلاً

"واصبر علىٰ ما اصابك "...... جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کر......"اتقو الله " ...... اللہ کی نافرمانی سے بچو......"واعفو واصفحوا "...... معاف کردو اور درگزر سے کام لو......" لا تعبدوا الاياه "' اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو...... لا تشركو بالله شيا...... اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو......"لا تقربو الزنا "...... زناء کے قریب نہ جاؤ......" لا تقربو الفواحش "...... بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ......" اجتنبوا قول الزور "...... جھوٹی

فریب کارانہ بات سے بچتے رہو......" لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل "......اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ......" تلك حدود الله فلا تعتدو ها "......یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے آگے تجاوز نہ کرو......

ظاہر ہے کہ اس نوعیت کے احکام کا بجالا نا جمادات، نباتات اور حیوانات کے بس کا روگ نہیں تھا پھر وہ کیوں نہ انکار کر دیتے اور کیوں نہ ڈر جاتے۔ ان کا احکام کو بجالا نا کسی ایسی مخلوق کے لئے ہی ممکن ہے جو ظلوم ہو اور اپنے عزم و حوصلہ سے اپنی صفت ظلم کو مغلوب کر لے اور عدل و احسان' عفو و درگزر' سخاوت و دریا دلی' ایثار و محبت اور عفت و پاکدامنی کی خداداد صلاحیتوں کے باعث اپنے ماحول کو رشک جنت بنا دے اور جو جہول ہو اور اپنے طلب و جستجو سے صفت جہالت پر غالب آ جائے اور اپنی فکر سلیم طلب صادق سے صراط مستقیم تک رسائی حاصل کر لے اور انسانی زندگی کے ظلمت کدہ میں ایمان و تقویٰ کی جوت جگا کر اندھیروں میں ڈوبی دنیا کو چکا چوند کر دے' یہی وہ دو صفات ہیں جن کی بناء پر انسان بار امانت اٹھانے کا اہل قرار پایا اور یہی وہ دو صفات ہیں جو امانت خداوندی کی ذمہ داری نباہنے میں رکاوٹ بنتی ہیں یعنی ظلوم کا مطلب ہے کہ اس میں انصاف و عدل کی قوت موجود ہے اور جہول کا مطلب ہے کہ اس میں علم سے بہرہ مند اور نفع و نقصان سے باخبر ہونے کی صلاحیت موجود ہے بار امانت اٹھانے کا مطلب تھا کہ اپنی قوت ٭ اور صلاحیت علم کی طاقت سے امانت کے تقاضوں کو اپنے ظلم و جہل کے اثرات سے مجروح نہ ہونے دے اگر انسان میں ظلم و جہل کی صفت موجود نہ ہوتی بلکہ تنہا عدل و علم کی صفت ہی طبیعت میں ثبت ہوتی تو بار امانت کے کوئی معنی ہی نہیں تھے کیونکہ امانت کو خطرے والی کوئی بات ہی نہ ہوتی' امانت کو اگر کوئی خطرہ ہو سکتا ہے تو وہ ظلم و جہل ہی سے ہو سکتا ہے اس صفت کے موجود ہونے ہی نے انسان کو بار امانت کی ذمہ داری کا اہل قرار دیا اور اگر یہ صفت نہ ہوتی تو عدل و علم کی صلاحیت بھی نہ ہوتی جو امانت کے تحفظ کا ذریعہ ہے اور جس پر امانت کے تحفظ کا دارومدار ہے علم و عدل کی زبردست صلاحیت کا ہونا ظلم و جہل کی صفت کا فطری تقاضا ہے۔

امانت کا تحمل بہت آسان ہوتا اگر صرف اتنی ہی بات ہوتی یعنی عدل و علم، ظلم و جہل کو کالعدم کر دیتے امانت محفوظ رہتی لیکن یہاں ظلم و جہل میں بے شمار ایسی نفسیاتی کمزوریاں فطرت

انسانی میں ودیعت ہو گئیں جنہوں ظلم وجہل کی صفت کو راسخ ترین صفت بنا دیا حتی کہ صلاحیت علم خود جہل کی راہنمائی کرنے لگی اور صلاحیت عدل ظلم کی سرپرستی کرنے لگی' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان نفسیاتی کمزوریوں کا ذکر فرمایا: "یدع الانسان بالشر دعائه بالخیر"......انسان برائی اس طرح مانگتا ہے جس طرح بھلائی مانگنی چاہیے...... "کان الانسان عجولا"...... انسان جلد باز ہے...... "احضرت الانفس الشح"......طبیعتوں میں حرص ولالچ بھر دی گئی ہے...... "ان الانسان خلق هلوعاً اذا مسه الشر جزوعاً واذا مسه الخیر منوعاً"...... انسان کم ظرف پیدا کیا گیا ہے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے بھلائی حاصل ہوتی ہے تو چوہدری بن بیٹھتا ہے...... "کان الانسان اکثر شئی جدلاً" انسان بہت زیادہ جھگڑالو ہے...... "انا جعلنا ما علی الارض زینةً لها لنبلو کم ایکم احسن عملاً" ...... جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے زمین کے لئے زینت بنا دیا تاکہ ہم تمہیں آزمالیں کہ تمام میں سب سے اچھے عمل کس کے ہیں......

غور کیجئے! جب اتنی کمزوریاں ظلم وجہل کے ساتھ جمع ہو جائیں وہاں علم ومعرفت اور عدل وانصاف کیا کریں گے؟! چنانچہ "ابی اکثر الناس الا کفوراً"......لوگوں کی اکثریت نے ناشکر بننے کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں مانی......

جب صورت حال یہ ہو تو ایسی صورت میں جب ایک شخص امانت خداوندی کو نباہتے ہوئے احکام الٰہی کو بجالاتے ہوئے حسن عمل کا وہ معیار قائم کرے کہ جیسے اس کی نفسیات میں مذکورہ کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری سرے سے موجود ہی نہیں تھی تو یہ ایک غیر معمولی بات ہے گویا عملی نقشہ کچھ اس طرح ہوگا:

انسان ظلوم وجہول ہے' جلد باز' طیش مزاج ہے' بے صبرا' کم حوصلہ' تنگ ظرف' حریص' لالچی' لطف ولذت اور خواہش نفس کا بندہ' خود غرض' جاہ پسند' ہوس پرست' جلد گھبرا جانے والا' کمزور طبیعت' مایوسی کا شکار ہو جانے ولا' بھلائی کو نظر انداز کر کے برائی کی طلب میں دیوانہ وار پھرنے والا' ناعاقبت اندیش' خود پرست ہے ادھر زمین کی رنگا رنگی دنیا کی دلربائی دل ودماغ کو ذوق وطبیعت کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ ابلیس ہر موڑ پر سبز باغوں کی

دنیا لئے بیٹھا ہے گویا شاعر کے بقول۔

اولیں در قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش!

ایسی حالت میں واقعی دامن تر نہ ہونے دینا حرص ولالچ سے دامن بچا کر صبر کا دامن تھام کر علم ومعرفت کی روشنی میں دائرہ عدل کا پابند ہو کر اللہ کی رضا کی خاطر ابلیس کے سبز باغوں کو روندتے ہوئے دنیا کی دلربائیوں کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے ثابت قدمی سے صراط مستقیم پر باوقار بڑھے چلے جانا بچتے بچاتے کہیں لغزش کھانا اسی لمحے توبہ وانابت کا سہارا لے کر سنبھل جانا کہیں گرنا فوراً ہی استغفار وانابت کی رسی تھام کر اٹھ کھڑے ہونا یہی انسانی سیرت کی معراج ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت غفور ودود اور رؤف ورحیم کو سیرت وعمل میں یہی ادا مطلوب ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے باب الا استغفار میں درج کیا ہے:

"عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبو الذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذ نبون فیستغفرون اللہ افیغفر لھم" (رواہ مسلم ومشکوٰۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا سے لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسی قوم بسائے گا جو گناہ کریں پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور وہ انہیں بخشے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ "معاذ اللہ" اللہ تعالیٰ کو گناہ پسند ہے اور معصیت مطلوب ہے! بلکہ مطلب یہ ہے کہ امانت الٰہی کا حامل وہی ہو سکتا ہے جو ظلوم، جھول ہو یعنی ذوق معصیت فطرت میں ملا ہے پھر معصیت سے بچتا ہے۔ آپ پانچ سالہ بچے سے کہیں "لا تقربو الزنا" اس بچے کو کیا شعور کہ اس پر کس ذمہ داری کا بارڈالا جا رہا ہے لہٰذا "لا تقر بو الزنا" کا حکم جو ایک امانت ہے بچہ اس کے تحمل کا اہل نہیں لیکن اگر جوانی کا جوبن جذبات سے بھرپور ہو اور پھر کوئی پری پیکر ماہ رو بصد انداز دلربائی "غلقت الا بو اب" کا سماں پیدا کر کے پیار بھرے لہجے

میں بیتابانہ پکارے "ھیت لک"......آ بھی جاؤ!!!......تو امانت خداوندی کا مقام نازک سمجھ میں آجاتا ہے' پھر اگر جذبات اتنے بھڑک گئے کہ ہوش وخرد کھو بیٹھا اور یہ یاد ہی نہ رہا کہ "لا تقربوا الزنا"......زنا کے قریب مت جانا......کا بار امانت میرے سر پر ہے جس کی باز پرس کا مرحلہ بہت سنگین ہے' لیکن پاؤں پھسلا ہی تھا کہ ہوش ٹھکانے آ گئے' احساس ندامت نے تڑپا دیا بے چین کر دیا سکون و قرار چھین لیا ہے لوگوں نے دیکھا کہ بھری مجلس میں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کہہ رہا ہے یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حد نافذ کر کے مجھے پاک کر دیجئے اور بے قرار اتنا تھا کہ آپ نظر انداز فرما رہے ہیں اور وہ اصرار کئے جا رہا ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روکتے ہیں ماعز! تم بات کہہ چکے اب چپ ہو جاؤ اور جاؤ توبہ کرو لیکن اس کی بے قراری کو کہاں قرار آئے جب تک گناہ کی آلودگی ڈھل نہ جائے!......حد جاری ہونے کے بعد کسی نے ماعز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نامناسب الفاظ میں کیا تو آپ ﷺ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا اگر اس کی توبہ پورے شہر مدینہ پر تقسیم کی جائے تو پورا شہر بخشا جائے!

غور کیجئے! کیا ماعز رضی اللہ عنہ کا کوئی اونچے سے اونچا عمل بھی اس کی سیرت کو اتنا شفاف بنا سکتا تھا جتنا ندامت کے آنسوؤں نے گناہ کی آلودگی دھو کر اسے چمکایا؟ اور کیا فرشتے کی پرسکون معصومیت علو مرتبت میں اس ذوق معصیت کی برابری کر سکتی ہے جس پر پشیمانی کی آگ بسمل کی طرح تڑپا دیتی ہو؟ جیسے کسی نے جہنم میں جھونک دیا ہو بچاؤ کی امیدوں کے دروازے بند دیکھ کر فطرت چونک پڑتی ہے اور زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے "رب انی ظلمت نفسی الا تغفر لی و ترحمنی اکن من الخاسرین"......اے رب! میں خود اپنے اوپر ظلم کر بیٹھا ہوں اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا......

رب غفور فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں اور یہ کہ میرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے......گویا فطرت انسانی کے اس سوال پر کہ نبی معصوم ﷺ کی سیرت کو من و عن کیسے اپنایا جائے جب کہ ہم معصوم نہیں ہیں اور خطاء کی صورت میں سیرت سے دور جا پڑے؟ جواب ملا کہ تم سے سیرت و کردار میں عصمت مطلوب نہیں استطاعت مطلوب ہے یعنی اپنے سیرت و کردا کو نبوی سیرت کے سانچے میں ٹھیک ڈھالنا ہے اگر کہیں فطری کمزوری کے باعث پاؤں پھسل جائے تو "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"......اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جانا......

بلکہ احساس زیاں کی بھٹی میں کود جاؤ اور کندن بن کے نکلو! ندامت کے آنسوؤں سے سیرت و کردار کی آلودگیاں دھوڈالو!

غیر معصوم کے کردار کا بلند ترین معیار غیر معصوم کی سیرت کی معراج یہی ہے اور مذکورہ حدیث غیر معصوم انسان کی اسی بلند کرداری کی نشاندہی کر رہی ہے اس بلند ترین معیار کے لئے معصوموں کا نہیں بلکہ غیر معصوم کرداروں کا جامع ترین اور کامل ترین عملی نمونہ درکار ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے حق و باطل کا معیار قرار پائے' یہ جامع ترین اور کامل ترین نمونہ نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت خود رب العالمین کا انتخاب تھا

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابی"

......اللہ نے مجھے چنا اور میرے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چنا......

یعنی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابولہب' ابوجہل' ولید بن بن مغیرہ' امیہ بن خلف نہیں مانتے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صہیب رضی اللہ عنہ' خباب رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ مانتے ہیں ابوطالب نہیں مانتے ان کے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ طیار مانتے ہیں عتبہ بن ربیعہ نہیں مانتا اس کا بیٹا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ مانتا ہے بنو تیم کا ابوبکر مانتا ہے بنوعبد مناف کا مطعم بن عدی نہیں مانتا تو یہ محض اتفاقات زمانہ کی بات نہیں تھی کہ سمجھ میں آیا تو مان لیا نہ سمجھ میں آیا تو نہ مانا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا چناؤ تھا کہ کون اس لائق ہے جو صحبت خاتم النبیین ﷺ کے اعزاز کا حقدار قرار پائے اور قیامت تک کے لئے رشد و ہدایت کا مینار اور حق و باطل کے لئے فرقان بن جائے! ورنہ جہاں تک سمجھ میں آنے کی بات ہے تو بنوامیہ کے سعید بن العاص بن امیہ' عتبہ بن ربیعہ' بنونوفل کے مطعم بن عدی بنو ہاشم کے ابوطالب بنومخزوم کے ولید بن مغیرہ جیسے سنجیدہ اور معتدل مزاج لوگ سمجھ گئے تھے لیکن صحبت خاتم النبیین ﷺ کے مقام بلند کا استحقاق نہ پاسکے اس لئے چناؤ کا دائرہ ان تک نہ پہنچ سکا' یہ بنوعبد مناف کا اپنا گھرانہ ہے جو شرافت و عزت مآبی میں اور دانش و دور اندیشی میں اپنا جواب نہیں رکھتا لیکن اعزاز صحابیت کے قابل قرار نہیں دیا گیا اس اعزاز کے لئے قرعہ فال جن کے نام پڑا انہیں دور دراز ممالک تک

سے مکہ معظمہ پہنچانے کے اسباب پیدا فرمائے گئے اور چناؤ میں آنے والوں کو امتحان کی سلگتی بھٹیوں سے گزارا گیا اور ہر امتحان پر کامیابی کا اعلان خود وحی الٰہی نے کیا چناؤ کا کمال یہ تھا کہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کسی مرحلہ پر کسی ایک کو فیل ہوتے نہیں دیکھا گیا جو امتحان بھی ان کے رب نے لیا اس کے اختتام پر ہم نے دیکھا کہ وحی کی زبان پر ان کے لئے مدح و توصیف ہے اور انعامات کا ذکر ہے مثلاً مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کو قیام اللیل کا حکم ملتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تعمیل حکم میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہیں جو آپ کے ساتھ کھڑے راتیں گزار دیتے ہیں حتی کہ وحی نے اعلان کیا کہ اس قدر رہنا مشکل ہوگا بیماری کے عارضے بھی پیش آئیں گے کاروباری سفر بھی کرنے ہوں گے جنگیں بھی لڑنی ہوں گی لہٰذا اتنی طویل وکثیر عبادت میں کمی کر دو اور جتنا آسان ہو بس اتنا پڑھ لیا کرو! امتحان میں کامیابی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ معبود ان کی کثرت عبادت دیکھ چکا اور اس پر خوش ہو کر باندازِ رحیمانہ عبادت میں کمی کی تلقین فرماتا ہے۔

غزوہ بدر میں جب مال غنیمت حاصل ہوا اور یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا کہ مال غنیمت حلال طیب ہے لیکن اس کا حقدار کون ہے؟ تقسیم کا طریق کار کیا ہوگا؟ یہ ابھی نہیں بتایا گیا تھا لہٰذا جب بدر میں مال غنیمت آیا تو رائے مختلف ہو گئیں اپنی اپنی سمجھ اور رائے کے مطابق حقدار ہونا ثابت کیا جانے لگا ہر گروہ کا استحقاق اس کے اپنے خیال میں دوسروں سے اقدم تھا حتی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے لگے تا کہ وہاں سے اپنے حق کے مقدم ہونے کی تائید و تصویب ہو جائے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

”قل الا نفال لله والرسول واتقو الله واصلحو اذات بینکم“

(الانفال)

کہہ دیجئے! مال غنیمت اللہ اور رسول ﷺ کا ہے اور اللہ سے ڈرو اور اپنے تعلقات باہمی کی اصلاح کر لو!......

جو لوگ اپنی کارکردگی کے حوالے سے خود کو مال غنیمت کا دوسروں سے زیادہ حقدار سمجھے بیٹھے تھے اور حاصل آمدہ غنیمت سے نہ جانے کیا کیا آرزوئیں وابستہ کئے بیٹھے تھے جب انہیں بتایا گیا کہ مال غنیمت سے انہیں کوئی سروکار نہیں مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے یہ سن کر

ان کی نفسیات پر کیا گزری ہوگی؟ خصوصاً جب تنگی اور فاقے کی اس حالت کو سامنے رکھا جائے جو ایام بدر کے موقعہ پر مدینہ طیبہ میں موجود تھی' ایسے میں بڑے بڑوں کے حوصلے جواب دے جاتے ہیں مایوسیوں کے اندھیرے اور جذبات کے تھپیڑے راہ ہدایت سے دور پھینک دیتے ہیں خوش اندام امیدوں کے سہانے خوابوں کا سلسلہ اچانک ٹوٹے تو خوفناک ردعمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے یہی موقعہ ہے سیرت کے معیار کو جانچنے کا!

آیئے دیکھیں ایسے میں ان لوگوں کا کیا ردعمل تھا جو فاقہ مستی کی حالت میں قریش کے آہن پوش لشکر سے ٹکرائے وہ نہتے تھے پھر بہادری و جاں فشاری کے وہ جوہر دکھائے جس کی کوئی دوسری مثال تاریخ پیش نہیں کر سکی اور حاصل آمدہ غنیمت کے اپنے جائز حصے سے یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ اس سے تنگدستی کے مشکل ترین حالات میں کچھ آسانی پیدا ہو سکے گی لیکن وحی الٰہی نے جب اس بارے میں ان کے حق کی نفی کر دی تو ان کی امیدیں مایوسیوں کے بھنور میں نہیں پڑیں اور نہ حرف شکایت کسی زبان پہ آیا بلکہ فرمان الٰہی نے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی یکدم چونک اٹھے: ارے!! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق! اور ہماری للچائی نگاہیں اس پر پڑ رہی ہیں؟! اتنی بڑی گستاخی! استغفر اللہ!!...... دل دہل گئے زبانون پر استغفار جاری ہو گیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں زندگی کی ساری تلخیاں بھول گئے۔ ''رضینا باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً ......ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر کی ایمان افروز صداؤں سے فضائے ایمانی معمور ہوگئی ان کی یہ مؤمنانہ ادا ان کے رب کو بہت پیاری لگی چنانچہ وحی الٰہی نے ان کی مدح وتوصیف کا ایک نیا باب رقم فرمایا ارشاد ہوا:

''انما المؤ منون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلو بھم واذا تلیت علیھم ایا تہ زادتھم ایماناً وعلی ربھم یتو کلو ن'' (انفال)

......مؤمن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آئے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ توکل اپنے رب ہی پر کرتے ہیں (نہ کہ مال وزر اور مادی وسائل پر)......

یعنی مال غنیمت کے بارے میں اپنی امیدوں اور تمناؤں کے قطعی برعکس وحی الٰہی کا اعلان سن کر وہ مایوسیوں کے گرداب میں نہیں پھنسے بلکہ اس اعلان نے ان کے ایمان کو تازگی اور نیا جوبن بخش دیا مذکورہ آیت میں ان کی ان ایمانی کیفیات کو کس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے!! سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا تاجدار نبوت ﷺ نے:

''لعل الله اطلع علیٰ اهل بدر اذ قال لهم اعملوا ما شئتم اهل بدر قد غفرت لکم''

شاید اللہ نے اہل بدر کے دلوں کی کیفیات دیکھ لیں تبھی ان سے یہ کہہ دیا کہ اے اہل بدر! جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا!

شرکاء بدر میں مہاجرین تھے جو کفار کے دل کا کانٹا تھے اور ان کو ٹھکانا دینے والے انصار تھے غزوہ بدر دونوں کے ایمان کا کڑا امتحان تھا اس نازک ترین اور سخت ترین امتحان میں نہ صرف یہ کہ بھرپور کامیابی حاصل کی بلکہ اپنے رب سے مدح وتوصیف کے انعامات پائے اور سچے پکے مسلمان ہونے کی سند حاصل کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین امنوا و هاجروا و جاهدوا فی سبیل الله والذین اووا و نصروا اولئك هم المؤمنون حقاً لهم مغفرة ورزق کریم''

(انفال)

''اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی سچے اور پکے مؤمن یہی ہیں مغفرت اور رزق کریم ان کے لئے ہے۔''

اور بعد میں آنے والے اگر سچا مؤمن بننا چاہیں تو ان کے لئے ان کی پیروی کو معیار قرار دے دیا گیا۔ فرمایا:

''والذین امنوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معکم فاولئك منکم'' (الانفال)

''اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائیں اور ہجرت کریں اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کریں تو وہ بھی تم میں سے ہیں۔''

کیفیات احد

غزوہ احد گویا اسلام کی وہ پہلی جنگ ہے جس کے لئے باقاعدہ تیاری کی گئی کیونکہ بدر کی جنگ کے لئے تیاری کا موقعہ ہی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کے لئے نکلے تھے جو چالیس افراد پر مشتمل تھا لہٰذا اس کے لئے کسی باقاعدہ لشکر کے تیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ سے کئی منزل دور نکل چکے تو ابوجہل کے لشکر کا علم ہوا وہیں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا' وہیں یہ طے پایا کہ تجارتی قافلہ کو چھوڑ کر قریش کے لشکر جرار سے ٹکر لی جائے لہٰذا اسی بے سروسامانی کی حالت میں میدان جنگ میں اتر گئے صورت حال کی سنگینی حسب ذیل آیت سے واضح ہے:

"کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقاً من المؤمنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون "(انفال)

"جیسے آپ کے رب نے آپ کے گھر سے نکالا اور یہ اقدام مبنی برحق تھا حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ اسے ناگوار سمجھ رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے جبکہ حق واضح ہو چکا تھا جیسے کہ انہیں موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انفال (یعنی غنیمت) کی آیت نازل ہوئی تو یہ طبیعتوں پر ناگوار تھی کیونکہ طبیعتیں اس مال میں پہلے سے امیدیں وابستہ کئے بیٹھی تھیں لیکن جب حکم نازل ہوا تو ناگوار ہونے کے باوجود طبیعتوں نے بدل وجان قبول کیا۔ یہ ناگواری ایسی ہی تھی جیسی ناگواری طبیعتوں کو اس وقت پیش آئی جب آپ کے رب نے آپ کو گھر سے غلبہ حق کے لئے نکالا تھا اس وقت ناگواری کا یہ عالم تھا کہ حق جو نہایت واضح اور آشکار تھا ناگواری کے باعث وہ نگاہوں سے گویا اوجھل ہو گیا اور ایسے لگنے لگا جیسے موت آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے اور اس کی طرف ہانک کر لے جایا جا رہا ہے' کیوں نہ ہوتا جبکہ صورت حال یہ تھی کہ جس کارواں کا

تعاقب مطلوب تھا وہ اہل مکہ کی جان تھا اس پر حملہ آور ہونے کا مطلب تھا خود شہر مکہ پر حملہ آور ہونا قافلہ بظاہر پر امن تھا لہٰذا حملہ کی صورت میں مکہ والے ظالموں کی حیثیت مظلومانہ ہو جاتی اور وہ اپنی مظلومیت کا واویلا کر کے پورے عرب میں ایک طوفان کھڑا دیتے جس کی تاب لانا اہل مدینہ کے بس کی بات نہ تھی جو ہجرت کے بعد ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اتنا بڑا اقدم ابھی نہ اٹھایا جائے جس میں پورے عرب کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہونے کا خطر لاحق ہے لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی رضا نکلنے ہی میں ہے تو ناگواری یک لخت ختم اور بدل وجان نکلنے کے لئے اٹھ کھڑ ہوئے اور پیچھے بیٹھ رہنا گوارانہ ہوا حالانکہ آپ نے رائے پوچھی تھی حکم نہیں دیا تھا کوئی نہ جانا چاہے تو بیٹھ رہنے کی اجازت تھی اس کے باوجود موت کو خوش آمدید کہتے ہوئے بے سروسامانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میدان بدر میں اتر گئے یہ بہت بڑا امتحان تھا جس میں سرخ رو ہوئے بعینہ ایسا ہی سخت ترین امتحان آیت انفال کے نزول پر پیش آیا۔ درحقیقت یہ اطاعت شعاری و جان نثاری کا سخت ترین امتحان تھا غیر متوقع طور پر ایک خوفناک جنگ کا نقشہ بنتا چلا گیا امتحان سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا ادھر انجام بہتر سے بہترین ہوتا چلا گیا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا رہے تھے کہ کفار اپنی مظلومیت کا ڈرامہ رچا کر تمام عرب کو ہمارے خلاف بھڑ کا دیں گے لیکن مکہ والوں کی ایسی مت ماری گئی کہ وہ طیش میں آ کر ایک لشکر جرار جمع کر کے نہتے افراد کی ایک مختصر سی جماعت کے مقابلہ میں پوری ظالمانہ حیثیت سے اتر گئے لہٰذا اب صورت حال وہ نہیں رہی تھی جو مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت تھی یعنی اب قافلے پر ہاتھ ڈالیں یا لشکر کے مقابلہ کا خطرہ مول لیں دونوں صورتوں میں مکہ والوں کی ظالمانہ حیثیت نمایاں تھی اور اللہ تعالیٰ نے قافلہ یا لشکر ایک کا وعدہ فرمایا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ٹھہری کہ فی الحال چونکہ کمزور ہیں بے سروسامانی اور فاقہ ہے لہٰذا قافلہ قبول کر لیں یہ رائے اسباب و وسائل اور احتیاط و تدبیر کے لحاظ سے صحیح ترین رائے تھی کیونکہ سامان جنگ نہ ہونے کی صورت میں جنگ سے بچاؤ ہو گیا اور تہی دست ہونے کی صورت میں وافر دولت ہاتھ لگی لہٰذا تنگ دستی دور ہوگی سامان جنگ مہیا کریں گے جنگ کی تیاری کر کے جنگ سے عہدہ برآ ہوں گے لیکن اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ کہیں دور جھانک رہی تھی یعنی جب دینے والا رب العرش العظیم ہے تو پھر مال و دولت پر قناعت کیوں

کریں کفر کی کمر توڑ کر اسلام کا غلبہ کیوں نہ لیں دولت کو کہاں جانا ہے دولت پھر ہماری ہے! لیکن اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس رائے کو سمجھ سکنا ذوق ایمانی کے دائرے کی بات ہے فہم انسانی کے بس کی بات نہیں لہٰذا یہ امتحان تھا اطاعت شعاری و جان نثاری کا کہ دیکھیں لالچ میں پڑتے ہیں یا اشارہ نبوی پر جانیں حوالے کر دیتے ہیں۔

رخ روشن کے' آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں۔
ادھر آتا ہے یا دیکھیں ادھر پروانہ جاتا ہے

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا پر لبیک کہا اور اپنی پسند اور اپنی رائے کو نظر انداز کر دیا۔

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جدھر جھکے وہ ابرو ادھر نماز کرنا

کاروان سیم وزر کو ٹھکرا دیا تیر و تفنگ اور شمشیر و سنان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے بے سرو سامانی اور قلت تعداد کی پرواہ نہیں کی اور آہن پوش لشکر جرار سے ٹکرا گئے کوئی شک نہیں کہ اطاعت شعاری کا اور جانثاری کا حق ادا کر دیا' سوچ کی کشتی طوفان کے نرغے میں بھنور کی طرف کھینچی جا رہی تھی کہ ذوق ایمانی کی قوت سے موجوں کے تھپیڑے کھاتے مردانہ وار پار ہو گئے لیکن پار ہوتے ہی دیکھا کہ امتحان کا ایک نیا سخت ترین مرحلہ پھر درپیش ہے وہی سیم وزر کی چمک وہی حب زر کی جاذبیت وہی حرص اور لالچ کی دامن گیری مال غنیمت کے انبار سونے چاندی کے ڈھیر یہ کس کے ہیں؟ میرے ہیں! تیرے نہیں! میرے ہیں!! خیالوں میں بسی امیدوں کے سبز باغ!! تیرے نہیں میرے! کی کشمکش کا سلسلہ...... ! وحی الٰہی نے کہا تیرے نہ میرے مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہیں! سنتے ہی چونک اٹھے! میٹھے سپنوں کا نشہ ہرن ہو گیا! خشیت الٰہی سے دل دہل گیا "رضینا باللہ ربا" کی صدائیں ابھریں اطاعت و جاں نثاری کا یہ دوسرا امتحان تھا جس میں ان کی کامیابی کا وحی الٰہی نے اعلان کیا اور فرمایا کہ یہ امتحان جو جنگ کے لئے آپ کو گھر سے نکالتے وقت لیا گیا تھا گویا دونوں امتحانوں میں کامیابی یکساں اور مثالی کامیابی ہے یہ ذکر تھا غزوہ بدر کا جو اسلام کی پہلی بڑی جنگ تھی جس میں اطاعت شعاری و جاں نثاری کا امتحان

مطلوب تھا کیونکہ یہی وہ دو صفات ہیں جن پر کامیابی کا دارو مدار ہے سلیقہ جنگ اور انداز سپہ سالاری کا یہاں کوئی سوال نہیں تھا کیونکہ بے سرو سامانی کی اس حالت میں اس کی کوئی صورت ہی نہیں تھی جو ممکن ہوا کر لیا گیا باقی تمام امور نصرت خداوندی کے حوالے تھے......

لیکن احد میں صورت حال مختلف تھی یہاں سلیقہ جنگ' آداب سپہ سالاری' ایمان و تقویٰ شجاعت و بہادری اور صبر و توکل کی آزمائش تھی اس لئے جنگ کی باقاعدہ تیاری کی گئی رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے کی بجائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے پر اقدام فرمایا میدان جنگ کی طرف نکلے ہی تھے کہ صبر و توکل کے امتحان کا پہلا پرچہ دے دیا گیا یعنی عبداللہ بن ابی ملعون اچانک اپنا رویہ بدل لیتا ہے اور نوعیت جنگ کے ناموافق ہونے کا پروپیگنڈہ کرتا ہے اور اپنی ساحرانہ گفتگو سے یہ باور کراتا ہے کہ یہ جنگ نہیں بلکہ خودکشی ہے اور مہارت فن کے دلائل سے دلوں کو مسخر کرتا ہے یوں ایک نفسیاتی فضاء بنا کر اچانک اعلان کرتا ہے کہ میں تو واپس جا رہا ہوں اور جس نے بے مقصد اپنی جان نہ گنوانی ہو وہ میرے ساتھ آ جائے یہ اعلان سن کر لوگوں نے دھڑا دھڑ لشکر سے نکل نکل کر واپس جانا شروع کر دیا ہر دو آدمیوں کے درمیان سے تیسرا آدمی یہ کہتے ہوئے نکل جاتا ہے کہ یہ تو خودکشی ہے جنگ کہاں ہے؟ جن دو کے درمیان سے یہ نکلا ہے کیا ان دونوں مجاہدوں کے حوصلے نہ ٹوٹ جائیں گے گویا یہ ایک بہت بڑی سازش تھی جو منافقین کی طرف سے ترتیب دی گئی تھی کیونکہ ایک تو پہلے ہی دشمن کے مقابلہ میں تعداد ایک تہائی تھی اس ایک تہائی تعداد میں سے پھر ایک تہائی حصہ لشکر اس فریب کارانہ انداز سے نکل جائے تو صورت حال کس قدر مایوس کن اور حوصلہ شکن ہو جائے گی چنانچہ اس کی عملی مثال بھی وجود پذیر ہوئی یعنی منافقین کی دیکھا دیکھی انصار کے دو خاندان بنو حارثہ اور بنو سلمہ واپس ہو جانے کے بارے میں سوچنے لگے لیکن ایمان کامل ہے تقویٰ کامل ہے صبر کامل ہے توکل کامل ہے لہٰذا فوراً ہی اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " ھمت طائفتان منکم واللہ ولیھما " (آل عمران)......تم میں سے دو گروہوں نے کمزوری دکھانے کا ارادہ کر لیا تھا اور ان کا سرپرست و کارساز اللہ ہے...... لہٰذا وہ فوراً ہی سنبھل گئے گویا شیطان نے ہمتیں پست کرنے اور دلوں میں اضطراب' رائے میں انتشار ذہنوں میں پریشاں خیالی طبیعتوں میں مایوسی و بے یقینی نفسیات

میں گھبراہٹ سوچ اور فکر میں اندیشے اور خطرات پیدا کرنے میں اپنی ہر چال آزما دیکھی تا کہ اصحاب محمد ﷺ کے ایمان وتقویٰ اور صبر وتوکل کو متزلزل کر ڈالے لیکن اسے ہر قدم پر منہ کی کھانی پڑی۔

احد میں کفار کا عقب سے حملہ:

ایک اور ایسا موڑ آیا جہاں ابلیس کو امید کی کرن دکھائی دی وہ یہ کہ جب قریش کا لشکر میدان احد میں شکست کھا کر بھاگا تو صحابہ ﷺ کا وہ فوجی دستہ جو لشکر اسلام کے عقب میں حفاظت کے لئے مامور تھا شیطان نے اس فوجی دستے کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جب فتح ہو چکی ہے اور لشکر کفار میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہے پھر یہاں بیٹھے رہنے سے بھلا فائدہ؟!......
اور اس میں شبہ نہیں کہ مطلوب فتح ہی تھی وہ ہو چکی! ادھر دل و دماغ فتح بدر کے نشہ میں مخمور تھے اور اس کے حوالے سے ایمان کی بالا دستی اور اہل ایمان کے غلبہ کا تصور نفسیات پر حاوی تھا اور یہ پہلا جنگی تجربہ تھا لہذا نتائج کے مختلف ہونے کے خطرے سے بے خبر تھے اس بناء پر وسوسہ اپنا کام دکھا گیا چنانچہ امیر کے روکنے کے باوجود اپنا مورچہ چھوڑ دیا یہ سمجھ کر کہ فتح مقصد تھی سو ہو چکی اب یہاں بیٹھے رہنا بے سود ہے اور یہ سمجھنا ہی نقصان دے گیا یعنی ایمان تقوی اور صبر وتوکل جس قدر پختہ تھے سلیقہ جنگ اتنا پختہ نہ تھا کیونکہ وہ پہلے سے اس بارے میں کوئی عملی تجربہ نہیں رکھتے تھے اور سلیقہ جنگ ایمان وتقوی کی چیز نہیں بلکہ تجربہ ومہارت کی چیز ہے شیطان جب ایمان وتقوی کی راہ سے اصحاب محمد ﷺ کو بھٹکانے اور نقصان پہنچانے میں ناکام رہا تو اس نے یہی غنیمت جانا کہ اور نہیں تو میدان جنگ میں تکنیکی قسم کی کوئی غلطی ہی کروائی جائے جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پریشانی شاید میرا کچھ کام بنا دے شاید اس طرح ان کے یقین وطمانیت کو مجروح کرنے کی کوئی صورت نکل آئے' جب اس کا پہلا وار چل گیا یعنی کفار کا عقب سے حملہ ایک بلائے ناگہانی تھی جس نے انتہائی پریشانی اور سراسمیگی کا خوفناک سماں پیدا کر دیا تو اس کے معا بعد شیطان نے نہایت خطرناک کھیل کھیلا جو ایمان میں اگر ذرا سی کمزوری بھی ہوتی تو وہ غارت گر ایمان ثابت ہو سکتا تھا یعنی شیطان نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد قتل کر دیئے گئے! یہ خبر اصحاب محمد ﷺ پر بجلی بن کر گری ہر طرف افراتفری تھی سراسمیگی کا وہ عالم تھا کہ فاروق اعظم جیسے باحوصلہ مردوں کے ہاتھوں

سے تلواریں گر گئیں ہوش و حواس کا قائم رکھ سکنا گویا ممکن نہ رہا اس موقع سے منافقین نے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی' ادھر دل و دماغ پر کیسے کیسے وسوسوں کا ہجوم تھا خیالوں اور گمانوں کے گرداب تھے راہ نجات کی تلاش میں کیا کیا امکانات توہمات کے خارزار میں الجھ کر بکھر رہے تھے۔
اس عالم ظلمات میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کی حوصلہ مندانہ جستجو بار آور ہوئی یعنی اس کی سعادتمند نگاہیں صاحب نبوت ﷺ کی دید سے بازیاب ہوئیں اور اس نے جب بانداز خوشخبری والہانہ پکارا" یا معشر المسلمین ابشروا ھذا رسول اللہ ......اے مسلمانوں کی جماعت تمہیں خوشخبری ہو! یہ رہے رسول اللہ ﷺ! تو اس کی آواز صور اسرافیل کی طرح ہر کان تک پہنچ گئی جس کے بعد جو صحابی جہاں بھی تھا وہ اس آواز کے ہدف پر دشمنوں کی صفیں چیرتا آگ کے الاؤ پھلانگتا تاجدار نبوت ﷺ کے قدموں میں پہنچ گیا جس کے بعد لشکر کفار پھر میدان سے دم دبا کر دوبارہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

تربیت سیرت کا دشوار تر مرحلہ

غزوہ احد جو تربیت سیرت کے ابتدائی مراحل میں پیش آیا اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ایک امتحان تھا جو بدر کے امتحان سے بھی دشوار تر تھا اس فرق کے ساتھ کہ غزوہ بدر اولین معرکہ تھا اس سے پہلے جنگ کی کوئی عملی مثال موجود نہ تھی جب کہ غزوہ احد میں بدر کی فتح نصرت خداوندی کا عظیم تر نشان حوصلوں میں جوبن پیدا کرنے کے لئے موجود ہے بدر کا ابتدائی منظر "کانھم یساقون الی الموت "(گویا انہیں موت کی طرف ہانک کے لے جایا رہا ہے) کا نقشہ پیش کرتا ہے اور احد کا آخری منظر" کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رائیتموہ وانتم تنظرون '(تم موت کی آرزو رکھتے تھے اور ابھی اس سے تمہاری ملاقات ہوئی نہیں تھی پھر وہ حقیقت بن کر تمہارے مشاہدے میں آئی اور تم دیکھ رہے تھے) کی ہیبت ناک تصویر یہ سامنے لاتا ہے' موت کی تمنا کا مطلب ہے آرزوئے شہادت میں بے قرار ہونا گویا صحابہ رضی اللہ عنہم انعام شہادت سے سرخ رو ہونے کے لئے دعائیں کر کے چلے تھے حسب ذیل مثال سے اس بارے میں ان کی بے قراری کا اندازہ کیجئے:

> "رسول اللہ ﷺ کی مرضی باہر نکلنے کے بجائے مدینہ طیبہ میں رہ کر دفاع کرنے کی تھی نعمان بن ملک انصاری خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے جنت سے کیوں محروم کرتے ہیں! مجھے اس کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں جنت میں داخل ہو کے رہوں گا! آپ نے فرمایا وہ کیسے اس نے عرض کیا وہ ایسے کہ کلمہ میرے سینے میں ہے اور میدان جنگ سے میں بھاگنے کا نہیں! آپ نے فرمایا تو سچا ہے"
>
> (طبری ۲/۱۸۹)

عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی مشہور دعا اور نضر بن انس کی ماہی بے آب کی سی بیتابی معروف و مشہور ہے اور یہ بیقراریاں بارگاہ صمدیت میں شرف قبولیت پا چکی تھیں لیکن سرفرازی شہادت سے ہمکنار ہونے کے لئے موت کی وادی سے گزرنا پڑتا ہے لہٰذا امتحان کا درجہ کمال تک

پہنچانے کے لئے شہادت سے پہلے موت دکھادی گئی تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون ہے جو موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اسے گلے لگانے کا حوصلہ پاتا ہے ادھر صورت حال یہ بنتی ہے کہ کافر میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کر رہے ہیں اگر یہ ہونے دیا جائے تو گویا دعائیں بے اثر رہیں حالانکہ وہ قبول ہو چکی ہیں یعنی اگر کافروں کو بھاگ جانے دیا جائے تو جن کی شہادت منظور ہو چکی ہے انہیں شہید کون کرے گا! لہٰذا اس کے لئے دست قدرت نے یہ انتظام فرمایا کہ عقب کے محافظوں سے مورچے خالی کروا دیئے تا کہ ڈر کے بھاگے ہوئے کافر جو ایمان کا سامنا کرنے کا حوصلہ تو نہیں رکھتے وہ پیچھے سے چوروں کی طرح چھپ کر ہی سہی بہر حال شہیدوں کی آرزوؤں کو تو پایہ تکمیل تک پہنچاتے جائیں بعد میں وہ اپنے بھاگنے کی حسرت پوری کر لیں' چنانچہ یہی ہو کر رہا ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید اور اتنی ہی تعداد میں زخمی ہوئے خود تاجدار ختم نبوت ﷺ کو چہرہ مبارک پر شدید ترین زخم آئے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت غم ہوا وہ سمجھے شاید ہم اللہ تعالیٰ کی کسی بہت بڑی نافرمانی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں! تب ان کے رب نے ان جان نثاران شمع رسالت اور راہنمایان ملت کی بذریعہ وحی دلجوئی فرمائی اور ان کی سیرت طیبہ پر جو دھول پڑ گئی تھی وحی کے نور سے وہ دھول دھو ڈالی اور سیرت کے کئی ایک مخفی پہلو روشن کر دیئے' اور غزوہ احد میں پیش آنے والی مصیبت اور لگنے والے زخم میں پوشیدہ حکمتیں بیان فرمائیں اور وہ فوائد گنوائے جن سے اس مصیبت کا دامن مالا مال تھا اور جن فوائد نے مستقبل کی کامیابیوں کو یقینی بنا دیا گویا اگر یہ زخم نہ لگتا تو مستقبل کی کامیابیاں اندھیروں کے نرغے میں تھیں اور مجروحین غزوہ احد کے قطرہ ہائے خون نے مستقبل کی تاریکیوں کو چکا چوند کر دیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين " (آل عمران ۱۳۰)...... پست ہمت نہ ہو جاؤ اور غم نہ کھاؤ اگر تم مؤمن ہو تو بلند و برتر تمہی ہو...... گویا احساس خطا میں ڈوبی ہوئی نفسیات کی دلجوئی فرماتے ہوئے ایک قاعدہ کلیہ اور کامیابی و ناکامی کا ایک معیار اور کسوٹی دے دی کہ میدان جنگ میں غلطیاں ہوتی رہتی ہیں زخم لگتے رہتے ہیں اس سے بے حوصلہ ہونے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ فتحیابی اور برتری ایمان سے وابستہ ہے تو جب تم ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہو تو پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم ناکامی و نامرادی سے ہمکنار ہو جاؤ گے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان کو ممتاز کرنا چاہتے تھے اور تم میں سے شہید لینے تھے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتے'' (ایضاً ۱۴۰)

یعنی مؤمن منافق میں تمیز ہو جائے کیونکہ جہاں تک دعوائے ایمان کا تعلق ہے منافق کا دعویٰ مؤمن سے زیادہ پر جوش اور زوردار ہوتا ہے لیکن جب آزمائش کو نوبت آ جائے تو وہ مؤمن کو سہل پسندیوں سے نکال کر چاق و چوبند کر دیتی ہے اور احساس فرض کو بیدار کر کے غفلت کی چادر اتار پھینکتی ہے یقین میں پختگی اور ایمان کو جلا بخشتی ہے اور منافق کو گھبراہٹ میں مبتلا کر کے مایوسیوں کے غار میں پھینک دیتی ہے بلند بانگ دعووں کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے بہانے اور معذرتیں گھیرا ڈال لیتے ہیں' اس طرح مؤمن اور منافق الگ الگ پہچانے جاتے ہیں ورنہ اہل ایمان پر مصائب کا یہ مطلب نہیں ہوا کرتا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت کرنے لگے ہیں! لہٰذا ان پر نوازشیں ہونے لگی ہیں' اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خالص کر دینا چاہتے تھے اور کافروں کو مٹا ڈالنا ہے'' (ایضاً ۱۴۱)

یعنی اگر اہل ایمان اور منافقین گڈمڈ رہیں تو ارباب کفر کو مٹایا جانا ممکن نہیں کیونکہ اہل ایمان کا ہر اقدام ان کی ہر تدبیر منافقین کی وجہ سے ناکامی میں جائے گی لہٰذا احد میں زخم لگایا جانا ضروری تھا تاکہ منافقین کی چھانٹ کر کے اہل ایمان کو خالص کر دیا جائے تاکہ کافروں کو مٹایا جا سکے اور فرمایا:

''کیا تم نے سمجھ لیا تھا کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے آزمائش کی بھٹی میں ڈال کی مجاہدین اور صبر مندوں کو نمایاں کیا ہی نہیں (ایضاً ۱۴۲)

یعنی انعام جنت کا حقدار قرار پانے کے لئے فصل بہار کے ٹھنڈے سائے نہیں بلکہ تیغ برق بار کے شعلہ ہائے سوزاں درکار ہیں زخم کھانے ہوں گے چرکے سہنے ہوں گے۔ جان گنوانی ہو گی تاکہ پتہ چلے کہ آپ واقعی مجاہد ہیں تیروں کی بارش تلواروں کی جھنکار میں سینہ سپر رہنا ہو گا ۔ پتہ چلے کہ آپ واقعی میدان جنگ کی سختیوں میں صبر مندی سے جمنے والے ہیں اور فرمایا: تم

موت کی آرزو کرتے تھے لیکن موت سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی لہٰذا اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور تم اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے (ایضاً ۱۴۳)

گویا احد کا زخم تمہاری آرزوئے شہادت کے ایمانی بانکپن کو رفعتیں بخشنے کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے شہادت کے ارمان کسی جاں نثارانہ جذباتیت کا تاثر نہیں بلکہ موت کا بھیانک اور خوفناک چہرہ دیکھ لینے کے بعد ایمان کا بلاوا ایک بے تابانہ آرزو بن کر بے قرار کر دیتا ہے کہ اس بدصورت اور مکروہ چہرہ چڑیل کو بصد شوق و محبت گلے لگایا جائے اور فرمایا: ''یہ دن ہم لوگوں کے درمیان ادل بدل کرتے رہتے ہیں'' یعنی زخم لگنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم ناکامی کے گرداب میں جا پڑے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قوموں کے ارتقائی مراحل میں نشیب و فراز آیا ہی کرتے ہیں آسانیوں کے ساتھ سختیاں بھی سہنی پڑتی ہیں کامیابیوں کے ساتھ کبھی محرومیوں کا چہرہ بھی دیکھنا پڑتا ہے امید افزائیاں کبھی اپنے قدم روک لیتی ہیں اور مایوسیاں اپنا گھیرا تنگ کر دیتی ہیں زندگی کی تگ و دو میں پیش آنے والی اس طرح کی چڑھائی اترائی کی مؤمن پرواہ نہیں کیا کرتا اس کی نگاہ ان درمیانی مراحل کی بجائے انجام پر ہوتی ہے اور انجام میں کامیابی اہل ایمان کا مقدر ہے فرمایا ''والعاقبة للمتقين ''......انجام متقین کے لئے ہے......اور فرمایا ''یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اسی حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو جب تک وہ ناپاک کو پاکیزہ سے علیحدہ نہ ٹال دے'' (ایضاً)

یعنی موجود صورت حال جس میں منافقین نے بھی اہل ایمان کا روپ دھار لیا ہوا ہے یہ صورت حال اللہ کو گوارا نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسی آزمائشیں اور سختیاں لاتے رہیں گے جس کے نتیجہ میں منافقین ایمان والوں سے الگ پہچانے جانے لگیں۔

احد میں زخم لگائے جانے کی حکمتیں

غزوہ احد میں نہایت شدید قسم کے زخم لگنے کی جو حکمتیں آیات کے مذکورہ حوالوں میں بیان کی گئی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:

① فتحیابی و برتری انجام کار اہل ایمان کا مقدر ہے لہٰذا کسی مصیبت پر بے حوصلہ اور پست ہمت نہ ہونا۔

② اہل ایمان کے ایمانی امتیاز کو واضح اور نمایاں کرنا تھا۔

③ نبوت کے بعد سب سے بڑا اعزاز جو کسی انسان کو حاصل ہو سکتا ہے وہ اللہ کی راہ میں شہادت ہے لہٰذا جن کی اجل آ چکی تھی اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں فضل کی بدولت انہیں اعزاز شہادت کے اس اعلیٰ انعام سے نوازنا چاہتا تھا۔

④ کسی محاذ پر کافروں کی بظاہر کامیابی دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کی نظر کرم ان کی طرف ملتفت ہو گئی ہے۔

⑤ ایمان والوں کو آزمائش کی اس بھٹی میں ڈال کر کندن بنانا تھا تاکہ کافران کے مقابلے کی تاب لانے کی سکت کھو بیٹھیں اور آخر کار مٹ کے رہ جائیں اور منافقوں کو ان سختیوں کے ذریعہ چھانٹ دیا جائے تاکہ اہل ایمان ان کی سازش کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

⑥ صبر مندی کا اعلیٰ معیار قائم کرنا تھا کیونکہ صبر مندی ہی جہاد میں کامیابی کی ضامن ہے جس میں صبر مندی کی صفت پیدا نہیں ہو سکتی وہ مجاہد قرار نہیں پا سکتا

⑦ موت کا نظارا کرانا تھا تاکہ مشتاقان شہادت کے بارے میں بات صاف ہو جائے کہ شوق شہادت کسی وقتی جذباتیت کا نتیجہ نہیں کہ پیشانی کی آنکھوں سے موت کو دیکھ لینے کے بعد اس کا نشہ ہرن ہو جائے گا جس طرح کسی تحریک کے پیروکاروں کے ہاں ہوتا ہے بلکہ ان کا شوق شہادت ایک خالص ایمانی آرزو ہے جس کی بے قراری میں موت کو دیکھ لینے کے بعد مزید شدت آ گئی۔

⑧ اور یہ بتانا تھا کہ عشق ووفا کی راہ میں نشیب وفراز بہت آئیں گے اس سے گھبرانا نہیں کیونکہ درمیانی مراحل کی ناہمواری ناکامی کی دلیل نہیں ہوتی۔

⑨ ظاہر بین نگاہیں اس زخم کو ناقابل تلافی جانی و مالی نقصان سمجھتی ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزش کو ناقابل معافی جرم! لیکن وحی الٰہی نے اس لغزش کے نتائج کو مستقبل کی کامیابیوں کی تمہید اور غلبہ وبالادستی کی ضمانت قرار دے دیا......

ان حکمتوں کے ساتھ ساتھ غزوہ احد میں خصوصی انعامات کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے تاکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ زخم تمہاری غلطی کی سزا نہیں بے شک اس زخم کا سبب تمہاری غلطی ہی بنی ہے لیکن اس زخم کی غرض وہ نقد حکمتیں ہیں جو مذکور ہوئیں اگر یہ تمہاری غلطی کی سزا ہوتی تو ان انعامات کے کوئی معنیٰ نہیں تھے جن انعامات سے اس غزوہ میں نوازا گیا۔

پہلا انعام" اذ ھمت طائفتان منکماان تفشلاوللہ ولیھما " یہ آیت پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ انصار کے دو خاندان بنوحارثہ اور بنوسلمہ منافقین کی دیکھا دیکھی میدان جنگ سے واپسی کا ارادہ کر رہے تھے لیکن اللہ تعالی نے انہیں اس گناہ سے بچا لیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا حالانکہ عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین صد ساتھیوں کے ساتھ میدان چھوڑ کر جا چکا تھا لیکن جب یہی اقدام دو مومن خاندان نے کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اقدام پر روک لگادی اور ان کے حوصلے مضبوط کر دیئے کیونکہ دونوں خاندان اللہ تعالی کے دامان رحمت میں تھے اور تائید ربانی سے بہرہ مند تھے جبکہ منافقین کی قسمت میں سوا حرمانصیبی کے اور کچھ نہیں تھا اگر یہ دو خاندان کمزوری دکھاتے تو یہ ان کی صفت ایمانی کے منافی ہوتا دوسرے یہ کہ ان کی یہ کمزوری اسلامی لشکر پر اثر انداز ہو سکتی تھی لہٰذا ان کے رب نے کرم فرمایا کہ انہیں ایسے عمل سے محفوظ رکھا جو ایمان کے منافی تھا اور اہل ایمان کے لشکر کو بے دلی اور پست ہمتی سے بچا لیا جو ان دو خاندانوں کی پسپائی سے پیش آ سکتی تھی لیکن عقب کی حفاظت میں بیٹھے تیر اندازوں کے اپنا مستقر چھوڑنے پر روک نہیں لگائی کیونکہ ان کا یہ عمل منافی ایمان عمل نہیں تھا بلکہ میدان جنگ ہی کی طرف اقدام تھا یہ جدا بات ہے کہ میدان جنگ کی طرف یہ اقدام صحیح اقدام نہیں تھا اور بظاہر سخت نقصان وہ ثابت ہوا لیکن چونکہ اس بظاہر نقصان میں عظیم تر فوائد مضمر تھے جن کا حصول بنیادی حیثیت رکھتا تھا اور

اگر یہ غلط اقدام غلط فہمی کے باعث سرزد نہ ہوتا تو ان مطلوبہ فوائد کا حاصل ہونا ممکن نہیں تھا اور ان فوائد سے محروم رہ جانے کی صورت میں جن نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ان کے مقابلہ میں اس نقصان کی کوئی حقیقت نہیں جو زخم کی صورت میں پیش آیا اور مستقبل میں فوائد سے مالا مال کر گیا گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی وہ لغزش مستانہ جس کے نتیجہ میں انہیں کاری زخم لگا وہ امت کی قسمت جگا گئی۔

خوب کہا کسی شاعر نے۔

تر دامنی پہ میری زاہد نہ جائیو! دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں

"ولقد صدقكم الله وعده اذتحسو نهم باذنه حتى اذا فشلتم و تنازعتم في الا مرو عصيتم من بعد ماارا كم ماتحبون منكم من يريد الدنيا و منكم من يريد الا خرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم و لقد عفا عنكم و الله ذوفضل على المومنين اذتصعدون ولا تلوون على احد والرسول يد عو كم في اخرا كم فاثابكم غما بغم ليكلا تحزنوا على مافا تكم ولا ماا صابكم والله خبير بما تعلمون" (آل عمران)

''اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ جو تم سے کیا تھا وہ سچا کر دیا جب تم انہیں کاٹ رہے تھے حتیٰ کہ جب تم نے کمزوری اختیار کی اور معاملہ میں جھگڑا پیدا کیا اور نافرمانی کی یہ سب اس کے بعد ہوا جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جو تمہیں محبوب تھی تم میں بعض وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار سے ہٹا دیا تا کہ تمہیں آزمالے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ تمہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ جب تم منہ اٹھائے چڑھتے ہی چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور اللہ کا رسول تمہیں پیچھے بلا رہا تھا اس حال میں ہم نے تمہیں غم کے عوض دوسرا غم دے دیا تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کھاؤ جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس مصیبت پر جو

تمہیں پہنچی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد نیند کی صورت میں ایک کیفیت امن نازل فرمائی جو ایک گروہ پر طاری ہو رہی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا جسے اپنی جان کے لالے پڑے تھے اور وہ اللہ کے بارے میں جاہلیت والے غلط گمان کر رہے تھے......

ان آیات میں جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے آیئے ان پر ایک نظر ڈالیں!

① اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا تھا وہ سچا کر دیا یعنی کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور صحابہ رضی اللہ عنہم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کر رہے تھے فتح ہو چکی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم تکمیل فتح میں مصروف کار تھے۔

② اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی محبوب چیز دکھا دی لیکن محبوب چیز کا یہ نظارا فطری بات تھی کہ نفسیات پر اثر انداز ہوتا جس سے جنگی سرگرمیوں میں کمزوری پیدا ہونا ایک لازمی بات تھی لہذا طبیعت کی چاہتوں اور جنگی تقاضوں میں ایک کشمکش پیدا ہو گئی جس سے عقب کے مورچوں پر متعین صحابہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا جنگی تقاضوں میں انہیں اب کوئی معنویت دکھائی نہیں دیتی تھی کیونکہ مقصد حاصل ہو چکا تھا لہذا امیر کے حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے درہ چھوڑ کر وہ لشکر میں آ ملے یہ تو معلوم تھا کہ امیر کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرنی لیکن اگر خلاف ورزی کر لی جائے تو کیا بگڑ جائے گا؟ اس سلبی پہلو کی کوئی عملی مثال موجود نہیں تھی اور مستقبل میں جنگوں کا ایک تسلسل ہے اگر اس کے خطرناک نتائج ابھی سے سامنے نہ لائے جائیں تو اندیشہ ہے کہ مستقبل میں کمزور طبیعتیں مبادا اس بارے میں تساہل سے کام لیں اور اپنی مفید ترین رائے کے مقابلہ میں امیر کے بظاہر غیر مفید حکم کو بے معنی سمجھ کر ترک کر دینے کا ارتکاب کریں جس سے ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑے' لہذا تقدیر نے امیر کی اس نافرمانی پر فوراً ردعمل مرتب کر ڈالا اور حاصل شدہ فتح کا پانسہ پلٹ دیا اور بتا دیا کہ میدان جنگ میں اطاعت امیر کامیابی کی شرط اول ہے اور امیر کی نافرمانی اپنے دامن میں ہلاکت و ہزیمت سمیٹے ہوئے ہے لیکن امیر کی نافرمانی کے نتیجہ میں پیش آنے والی ناگہانی آفت جو بظاہر ایک

عذاب کی صورت تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش بنا کر انعام میں تبدیل کر دیا صاحب کشاف فرماتے ہیں" لان الابتلاء رحمة كما ان النصرة رحمة ......کیونکہ آزمائش بھی ایسے ہی رحمت ہے جیسے نصرت رحمت ہے......

اس آزمائش کے نتیجہ میں ایمانوں میں مزید پختگی آ گئی اور توکل کی کمزوریاں دور ہو گئیں بے احتیاطیوں کا علاج ہو گیا منافقین کی منافقت واضح ہو گئی میدان جنگ میں منافقین کا سد باب ہو گیا جنگی تجربات کا کورس پورا ہو گیا' خوش فہمیوں کا نشہ اتار دیا گیا حقیقت پسندی کی تربیت مکمل ہو گئی مایوسیوں کے اندیشے منفی ہو گئے مشتاقان شہادت کے ارمان پورے ہو گئے اتنے فوائد و انعامات کے مقابلہ میں اب صرف فتح کے ہاتھ سے نکل جانے کا ایک غم تھا جو طبیعتوں پر بار تھا اس کے لئے فرمایا' فاثابکم غما بغم "......اس غم کے عوض تمہیں ایک دوسرا غم دے دیا ......تا کہ یہ نیا غم پہلے غم کا خاتمہ کر دے چنانچہ ایک شیطانی آواز ابھری کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے! یہ آواز ایک بجلی کا کڑکا تھی کوئی کان ایسا نہیں جو بچارہ گیا ہو اور یہ آواز نہ سنی ہو یہ صدمہ ایک ایسا صدمہ تھا کہ طبیعتوں میں اس کی برداشت کی سکت نہ تھی چنانچہ فتح و شکست کے اندیشے حرف بے معنی بن گئے سارے غم یک قلم اڑ گئے طبیعتیں اب ایک ہی غم سے نڈھال تھیں وہ تھا جدائی خاتم النبین ﷺ کا غم اس ایک غم کے سامنے طبیعت کی سب ناگواریاں کافور ہو گئیں لیکن جب بعد میں یہ خوشخبری ملی کہ آپ ﷺ میدان جنگ میں بسلامت موجود ہیں تو خوشیاں ایک سیلاب کی صورت میں اُمڈ آئیں مسرتوں کا وہ ہجوم تھا کہ زندگی میں خوشیوں کا یوں جھرمٹ تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا نہ زخم لگنے کا غم نہ شہیدوں کی جدائی کا غم نہ ثمرات فتح سے محرومی کا غم گویا غم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہی نہیں غیر متوقع خوشیاں ہیں جو خوش نصیبی بن کر سیلاب کی طرح اُمڈی چلی آ رہی ہیں! سچ فرمایا: والله ذو فضل على المؤمنين"......اور اہل ایمان پر اللہ فضل ہی فرماتا ہے......لیکن ان مسرتوں کے ہجوم میں ایک احساس بھی ہے جو بڑی شدت سے ان خوشیوں پر اثر انداز ہو رہا ہے اور وہ ہے احساس خطا یعنی امیر کی نافرمانی کا احساس جس کے نتیجے' میں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف کے سخت ترین اور اذیت ناک مرحلہ سے گزرنا پڑا فتح کے ثمرات و منافع بھی اسی غلطی کے نتیجہ میں ہاتھ سے گئے اتنی بڑی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے شہید و زخمی ہونے کا سبب بھی یہی غلطی بنی! لیکن

اللہ تعالیٰ نے " ولقد عفا عنکم "......اور وہ تمہیں معاف کر چکا ہے......فرما کر یہ غم بھی دھو دیا معاف فرما چکنے کا مطلب ہے کہ گویا خطا سرزد ہوئی ہی نہیں' یہی وجہ ہے کہ اس خطا کے نتیجے میں جو مصیبت پڑی وہ تباہی و بربادی کے بجائے اپنے دامن میں انعامات کی دولت سمیٹے ہوئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان سے تعلق فضل وانعام کا تعلق ہے قہر وغضب کا نہیں یہاں خطائیں عذاب کے بجائے انعام میں تبدیل ہو جاتی ہیں چنانچہ جب نبی ﷺ کے بقید حیات ہونے کی خوشخبری پاکر دوسرا غم ختم ہوا تو اگرچہ طبیعتیں اطمینان سے ہمکنار ہو چکی تھیں لیکن یکے بعد دیگرے پڑنے والے غموں نے نڈھال کر دیا تھا طبیعتیں تھکن سے چور تھیں لہٰذا ارشاد ہوا ہے کہ: " پھر تم پر کیفیت امن بصورت نیند نازل فرمائی جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہوئی اور ایک گروہ کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے اور وہ اللہ کے بارے میں جاہلیت والے غلط اور ناجائز گمان کر رہے تھے"

یہ جاہلیت کے گمان والا گروہ منافقین کا گروہ ہے دونوں گروہ مومنین و منافقین ایک' ہی مصیبت میں شریک ہیں لیکن یہ مصیبت اہل ایمان کے لئے انعامات رحمتوں' برکتوں اور کامیابیوں کا خزانہ ہے اور منافقوں کے لئے یہ عذاب کا ایک جھونکا ہے اہل ایمان پر سکینت وامن کی باران رحمت جاری ہے منافقین پر مایوسیوں کی اوس پڑ رہی ہے یہی فرق ہے مومن اور کافر کی مصیبت میں کہ دونوں کی ظاہری صورت ایک سی ہے لیکن کافر کی مصیبت ایک عذاب ہے جو طوفان ہلاکت کا ایک ریلا ہے اور مایوسیوں کے سوا اس کے دامن میں کچھ نہیں لیکن مومن کی مصیبت اللہ کی رحمت ہے جس کا دامن انعامات و برکات سے مالا مال ہے۔

محبوب چیز جس کی خاطر مورچہ چھوڑا گیا

ایک سوال یہاں جواب طلب ہے کہ وہ محبوب چیز کون سی تھی جس کو دیکھ لینے کے بعد تنازع اور نافرمانی کی نوبت آئی؟

عرض یہ ہے کہ اس محبوب چیز کی تفسیر قرآن مجید نے خود ہی کر دی جیسا کہ سورہ صف میں ہے: ''واخری تحبونہا نصر من اللہ وفتح قریب''......اور دوسری وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے یعنی اللہ کی نصرت اور فتح جو قریب ہے......اور اس میں شک نہیں کہ میدان جنگ کا حقیقی مقصد فتح ہی ہے مال غنیمت کی حیثیت محض ضمنی اور ثانوی ہے۔ مثلاً کوئی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو جائے لیکن پسپا ہوتے وقت دشمن کا کچھ مال اس کے ہاتھ لگ جائے تو اس کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی کیونکہ جس مقصد کے لئے فوج میدان میں اتری تھی اس مقصد میں تو مایوس لوٹنا پڑا اور فوج پر کئے جانے والے اخراجات کوئی بزنس نہیں ہیں جس سے نفع کے طور پر مال غنیمت حاصل کرنا مقصود ہو بلکہ ہر ملک وقوم کی فوج کا مقصد حریف پر فتح حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور فتح پر جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ بیان میں نہیں آ سکتی لیکن اگر فتح سے محرومی رہے تو سیم وزر کے ڈھیر احساس محرومی کو مسرت وخوشی میں تبدیل نہیں کر سکتے فتح خواہ کھیل کے میدان میں ہی کیوں نہ ہو بہر حال یہ زندگی کی محبوب ترین چیز ہے اس کی خاطر ہر چیز قربان کر دی جاتی ہے اس کے علاوہ زندگی کی کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جو انسان کو فتح سے زیادہ محبوب ہو اور فتح دے کر جسے پایا جانا مطلوب ہو لیکن مسلمان کا معاملہ اس بارے میں دوسروں سے مختلف ہے یعنی اس محبوب ترین چیز سے بھی کہیں زیادہ محبوب چیز ایک مومن کے ہاں رضائے الٰہی ہے یعنی مومن جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو بلاشبہ فتح وغلبہ اسے مطلوب ومحبوب ہے لیکن اس کا مقصد حقیقی فتح وغلبہ نہیں بلکہ اللہ کی رضا اصل مقصد ہے باقی ہر چیز اس کے حوالے سے ہے حتی کہ اس مقصد کی خاطر وہ اپنی جان کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اس کی خاطر وہ اپنی ہر چیز داؤ پہ لگا دینا سعادت سمجھتا ہے اللہ تعالٰی کو مومن کی یہ ادا بہت پسند ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں ان کی اس ادا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے فرمایا: ''یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون ''......وہ اللہ کے راستے

میں جنگ کرتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں...... یعنی ان کی جنگ اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہے اس میں انہیں فتح ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فتح انہیں محبوب نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کے نصب العین قرار پا جانے کے بعد فتح کی محبوبیت انعام خداوندی کا عنوان قرار پا گئی، سورہ صف میں اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ پر دو قسم کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے انعام آخرت اور انعام دنیا۔

انعام آخرت کے بارے میں فرمایا: "یغفر لکم ذنو بکم و ید خلکم جنات تجری من تحتھا الا نھار و مساکن طیبة فی جنات عدن "...... تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عدن کی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں ہوں گی...... انعام دنیا کے بارے میں فرمایا: واخری تحبو نھا نصر من اللہ و فتح قریب "اور دوسرا انعام جو تمہیں محبوب ہے وہ اللہ کی طرف سے نصرت اور فتح ہے جو قریب ہے...... اس سے معلوم ہوا کہ رضائے الٰہی کے نصب العین ہونے کے باوجود فتح و نصرت محبوب ترین چیز ہے بلکہ فتح و نصرت کی محبوبیت رضائے الٰہی کے نصب العین ہونے کا تقاضا ہے اور یہ محبوب ترین چیز غزوہ احد کے نفسیاتی پس منظر میں محبوبیت کی آخری حدیں پار کر گئی تھی ایک طرف ارباب کفر کی بربریت اور اہل ایمان کا صبر و مظلومیت پھر اللہ کی طرف سے" نصر من اللہ و فتح قریب " کی خوشخبری پر انتظار کی بے قراری جس میں فتح بدر نے سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی لہٰذا احد میں جب لشکر کفار نے راہ فرار اختیار کی تو فتح و نصرت کا وہ تصوراتی نقشہ جو اب تک خیالوں میں خوشی کے تلاطم بپا کئے ہوئے تھا حقیقت کا جامہ پہنے باندارز دلربائی نگاہوں کے سامنے آ گیا، آپ کیا اندازہ کر سکتے ہیں اس عالم وارفتگی کا کہ جب وہ محبوب ترین چیز عیاں ہو کر آنکھوں کے سامنے آ گئی جس کی نظارگی کی بے قراری میں انتظار کی گھڑیاں گنتے سال بیت گئے تھے ایسے میں کون تھا جو اس عالم بے خودی میں دل کو تھام کے رکھتا ہماری مثال اس بارے میں اس کرگس کی ہے جو بلبل کو نکہت نسیم بہار میں چہکنے پر بدذوقی کا الزام دے۔ فتح کا منظر ہی کچھ ایسا تھا کہ دیکھتے ہی دل قابو سے باہر ہو گئے اور حصول فتح کے شوق میں یہ یاد ہی نہ رہا کہ ہمیں یہاں متعین کرتے وقت کیا کہا گیا تھا پھر یہ کہ امیر صاحب روک رہے ہیں تو ان کی بات بے معنی بے

سوداور بلا دلیل معلوم ہوتی ہے لہذا مستقر سے ہٹ جانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوالہذا اوہ اپنی جگہ چھوڑ کر تکمیل فتح کی غرض سے میدان جنگ میں اتر گئے یہی وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالی نے یوں تعبیر فرمایا ہے" و عصیتم من بعد ماارا کم ماتحبون منکم من یرید الدنیا و من کم من یرید الا خرۃ ......اور تم نے حکم عدولی کی جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی جو تمہین محبوب تھی تم میں سے بعض کو دنیا مطلوب تھی اور بعض کو آخرت......اس شئی محبوب کے بے قرار آنکھوں کے سامنے یوں عیاں ہو کر آ جانے نے ایسا بے خود کیا کہ مستقر چھوڑ کر فرط شوق میں بے ساختہ چل پڑے اور:" من عمل منکم سوءً بجھالۃ ثم تاب " کا مصداق بن گئے جن لوگوں نے یہ کہا کہ" ما تحبون " کا مطلب ہے مال غنیمت یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مال غنیمت دیکھا اور مال غنیمت حاصل کرنے دوڑ پڑے' اس سے اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ میدان میں اب چونکہ کفار کا تعاقب تھا یا مال غنیمت جمع کرنا تھا لہٰذا یہ بھی آ کر دوسروں کے ساتھ اسی کام میں شریک ہو گئے تو بات بجا ہے لیکن اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کی محبت ہی تھی جس نے انہیں مستقر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا تو یہ خلاف حقیقت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر محض اتہام ہے اور نہایت بھونڈے کی قسم کا اتہام ہے جس کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس سیرت سے کوئی تعلق نہیں اور کوئی نسبت نہیں جو ان کی سیرت قرآن بیان کرتا ہے اور حقائق جس کی تصدیق کرتے ہیں اور جنگ میں ہمیشہ دو ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں فتح کی امیدیں اور انتظار یا شکست کے اندیشے اور خوف ، مال غنیمت طرفین میں سے کسی لشکر کے پیش نظر نہیں ہوا کرتا وہ تو فتح کے ثمرات میں سے ہے تھوڑا ملا زیادہ ملا ملا یا نہ ملا مطلوب و مقصود فتح ہے مال نہیں جب یہ حقیقت ہے تو پھر وہ" ماتحبون " کا مصداق کیسے بن جائے گا؟ خصوصا جب قرآن خود ہی" ماتحبون " کی تفسیر کر رہا ہے/ فرمایا/ " واخری تحبونھا نصرمن اللہ و فتح قریب "......اور دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے یعنی اللہ کی نصرت اور فتح جو قریب ہے......لہذا یہی محبوب چیز جب میدان احد میں اہل ایمان کی فتح اور کفار کی راہ فرار کی صورت میں سامنے آئی تو وہ سمجھے کہ جنگ انجام کو پہنچ گئی اور غزوہ بدر کی تاریخ دوبارہ دوہرادی گئی اس لئے جنہوں نے بدر کا مشاہدہ کیا تھا ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ اس کے علاوہ کہیں کسی خطرہ کا اندیشہ بھی موجود ہے' صاحب کشاف فرماتے ہیں/

صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے مشرکین شکست کھا چکے لہٰذا ہمارے اب یہاں کھڑے رہنے کا فائدہ ؟! بعض کہنے لگے بہرحال ہم رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے لہٰذا جنہوں نے سمجھا کہ اب یہاں بیٹھے رہنا بے سود ہے وہاں سے چل پڑے اور دوسرے وہاں بیٹھے رہے۔

دنیا چاہنے والے

"منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآ خرۃ"

"تم سے میں بعض وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔"

اس آیت میں دنیا چاہنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

عرض یہ ہے کہ تین قسم کے لوگ اس کا مصداق بن سکتے ہیں......

① دنیا چاہنے والوں سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ منافقین ہے جو اہل ایمان کی جماعت میں شامل رہنے کی وجہ سے بسا اوقات "الذین امنوا" کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم میں بعض دنیا چاہنے والے تھے یعنی منافقین اور بعض آخرت چاہنے والے تھے یعنی مومنین بدر کی فتح سے منافقین سمجھے پیچھے بیٹھ رہنا خسارہ میں ہے فتح تو ہونی ہی ہے پھر کیوں نہ شریک ہو کر مال غنیمت میں حصہ دار بنا جائے لہٰذا غزوہ احد وہ پہلی جنگ تھی جس میں منافقین کی کثیر تعداد نے شرکت کی لیکن ان کے پیش نظر دینوی مفادات کے سوا کچھ نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ غرض پرست عناصر کبھی کسی کے کام نہیں آ سکتے سو نقصان کے ان سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ احد میں منافقین نے اپنا ہاتھ دکھانے کی بھرپور کوششیں کی اور شرارت کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور چونکہ اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمہیں احد میں زخم لگانا کیوں ضروری سمجھا گیا لہٰذا ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم میں ایک گروہ (منافقین) پرستاران دنیا کا بھی تھا جنہیں مایوس کرنا اور پیچھے ہٹایا جانا ضروری تھا تا کہ وہ اسلامی لشکر میں شریک ہو کر نقصان کا باعث نہ بنیں اس غرض کے

لئے تمہیں سخت آزمائش میں ڈالا جانا ضروری تھا تاکہ پرستاران دنیا (منافقین) آئندہ اسلامی لشکر میں شرکت سے باز رہیں۔

(۲) دنیا چاہنے والوں سے مراد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے مورچہ چھوڑا اور آخرت چاہنے والوں سے مراد ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی معیت میں اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے اور دنیا سے مراد فتح نصرت یعنی فتح ونصرت بے شک اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے فضل ورحمت ہے اور شرعاً محبوب ومطلوب ہے لیکن ہے تو بہرحال امور دنیا ہی میں سے اور اس فتح نصرت کے شوق ہی نے مستقر چھڑوایا جبکہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی فتح نصرت کو محبوب سمجھنے کے باوجود اپنی جگہ جمے رہے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اس صورت حال میں شہید ہو جائیں گے اور فتح کی خوشیوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکیں گے لیکن وہ ان مسرتوں سے محرومی قبول کر کے شہادت کے لئے جمے رہے اور اعزاز شہادت سے سرفراز ہوئے گویا انہوں نے دنیا کا انعام فتح ونصرت جانے دیا اور آخرت کا انعام اعزاز شہادت قبول کر لیا!' تو گویا آخرت چاہنے والوں سے یہ لوگ مراد ہیں۔

(۳) دنیا سے مراد فتح ونصرت اور دنیا چاہنے والوں سے مراد ہے اسلامی لشکر جو فتح ونصرت کی خاطر کفار کے مقابلہ میں اترتا ہے ویسے میدان جنگ میں اترنے والے ہر لشکر کا مقصود ومدعا فتح ونصرت ہی ہوا کرتا ہے لیکن لشکر اسلام چونکہ اللہ کا لشکر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے نقد انعام فتح ونصرت کے ساتھ آخرت کے انعام کا وعدہ بھی دیتے ہیں لہٰذا انعام آخرت کی امید کے ساتھ نقد انعام دنیا بھی محبوب ومقصود ہے لیکن اہل ایمان کا پاک گروہ ایسا بھی تھا جو نقد انعام دنیا قبول نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ اپنے رب سے نقد انعام آخرت یعنی اعزاز شہادت مانگتا ہے فتح ونصرت ان کے نصیب جو زندہ رہنا چاہیں لیکن وہ ابھی سے جنت میں داخلہ کا ٹکٹ مانگ رہے ہیں انہیں فتح ونصرت سے کیا غرض؟ جیسے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ' نضر بن انس رضی اللہ عنہ اور نعمان بن مالک انصاری وغیرھم کی دعائیں گواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو انعام دنیا (فتح ونصرت) کی خوشخبری دیتے ہیں جس کی نظارگی کے لئے نگاہیں بے قرار ہو جاتی ہیں پھر وہ انعام موعود حاصل ہو جاتا ہے کہ یکا یک برعکس صورت حاصل نمودار ہو جاتی ہے تو بے ساختہ زبانوں پر آ جاتا ہے "انی ھذا" "یہ کیسے ہو گیا؟!......یعنی جس نقد انعام کا وعدہ تھا اس پر یکا یک بریک کیوں لگ گئی......؟

لہٰذا اس برعکس صورت حال کے جہاں اور اسباب وفوائد گنوائے گئے وہاں یہ بھی بتایا گیا کہ جہاں تم نقد انعام دنیا کے منتظر اور آرزومند تھے وہاں تم میں ایک سعادتمند گروہ وہ بھی تھا جسے اس نقد انعام سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ ان کے دلوں میں نقد انعام آخرت یعنی تمغہ شہادت کے ارمان چٹکیاں لے رہے تھے اور اعزاز شہادت کی آرزو کے سوا انہیں کسی اور چیز سے کوئی غرض نہ تھی......اسی بناء پر فتح ونصرت کے انعام کو دنیا سے تعبیر فرمایا اور اعزاز شہادت کو آخرت سے تعبیر فرمایا اور جو فتح ونصرت کے وعدہ کے لئے چشم براہ تھے اور برعکس صورت حال پر حیران رہ گئے انہیں حقیقت حال سے گویا آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تم میں بعض کو دنیا (فتح ونصرت) مطلوب تھی اور بعض کو آخرت (اعزاز شہادت) مطلوب تھی چوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح ونصرت کا وعدہ دے چکے تھے اور اعزاز شہادت کے لئے ان کی دعائیں قبول کر چکے تھے لہٰذا تمہارے لئے فتح ونصرت کا وعدہ پورا فرمایا اور پھر صورت حال میں اچانک ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا فرما کر ان کے لئے اعزاز شہادت کے اسباب بہم پہنچائے۔

"منکم من یرید الدنیا" کے یہ تینوں معنی جو اوپر ذکر ہوئے ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت ہیرے کی طرح چمک رہی ہے اور کلیوں کی طرح مہک رہی ہے اور نسیم بہار کی طرح روح پرور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔